فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

ڈاکٹر اشتیاق احمد الاعظمی، نائب مدیر مجلّہ

''**مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ نمبر**'' قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ ''نوائے دارالعلوم'' کی اس خصوصی اشاعت کو حتی الامکان بہتر سے بہتر شکل میں لانے اور مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس خصوصی اشاعت کا خیال اُسی وقت ہمارے ذہن میں سما گیا تھا، جب مولانا مرحوم کے انتقال کے معاً بعد تعزیتی مجلس کا انعقاد، دارالعلوم کی جامع مسجد میں ہوا تھا، بعد میں اس کی توثیق مجلّہ کے ''حلقۂ ادارت'' کی طرف سے کی گئی اور پھر اس کی اشاعت کا باضابطہ اعلان مجلّہ کے اگلے شمارہ اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۷ء میں کر دیا گیا۔

پھر راقم السطور نے ملک و بیرون ملک کے مقالہ نگاروں، قلم کاروں اور اُن کے شناساؤں بالخصوص موصوف کے علمی کارناموں سے واقف کاروں سے رابطہ قائم کیا، اور انہیں موصوف کی مختلف خدمات جلیلہ کے کسی ایک گوشے پر روشنی ڈالنے کی زحمت دی گئی، اِسے مرحوم کی علمی شخصیت کی کشش اور مقبولیت ہی کہا جائے گا کہ ارباب قلم نے ہماری اُمید اور توقع سے کہیں زیادہ دلچسپی دکھائی اور دیکھتے دیکھتے ہمارے پاس خاصی تعداد میں مضامین آ گئے؛ لیکن اس کے باوجود تاخیر اس لیے ہوتی گئی کہ چند ایسے اکابر علماء و مشائخ کی تحریروں اور نگارشات سے مجلّہ کو زینت بخشنے نیز اِسے قارئین کے لیے مفید تر بنانے کی خواہش بھی کارفرما تھی جو اپنی ہمہ جہت مشغولیتوں اور بعض جسمانی اعذار کی وجہ سے فوری طور پر مضمون لکھنے سے قاصر تھے، تا آنکہ معاملہ امروز فردا پہ ٹلتا رہا۔ ایسے کچھ حضرات سے تو حصول مطلوب میں ہمیں کامیابی ملی، جب کہ بعض شخصیات کے عکس تحریر کا ہمیں انتظار رہا اور بالآخر ہمیں مایوسی ہی ہاتھ لگی۔ مضامین میں تنوع کے باوجود، تکرار سے خالی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، جس کے لیے ناظرین سے ہم معذرت خواہ ہیں! اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی شخصیت پر کچھ تحریر کرنے کے لیے ساتھ میں اس کا سوانحی خاکہ (Bio Data)

منسلک کر دیا جاتا ہے تو چند لکھنے والے اسی کے ارد گرد طواف وسعی میں مشغول ہو کر نئے گوشوں کو اُجاگر کرنے سے قاصر رہ جایا کرتے ہیں۔

بہر کیف!..کوشش یہ کی گئی ہے کہ ڈاکٹر صاحبؒ کے جملہ علمی کارناموں پر تفصیلاً یا اجمالاً روشنی ضرور پڑ جائے، ہماری خواہش تو یہی تھی کہ آپ کے تمام علمی شہ پاروں کا مکمل تعارف، قارئین کی نذر کیا جاتا، لیکن آپ کی جملہ تصانیف ایک طرف ہماری دسترس سے باہر تھیں، دوسری طرف ان کی حصولیابی مقامی طور پر دشوار ہی بلکہ ناممکن تھی، نیز نیٹ پر بھی تمام مطبوعات دستیاب نہیں ہیں، اس لیے جو کچھ تالیفات میسر تھیں، انہی کے مختلف گوشوں نیز متعدد زاویوں سے اس پر گفتگو کی ارباب علم وقلم سے گذارش کی گئی اور الحمدللہ مقالہ نگاروں نے اپنے اپنے طور پر آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو روشن کرنے کی کوشش کی ہے، **فجزاهم الله خيراً.**

چونکہ آپ کے علمی کارناموں کا محور دراصل قرآن کریم اور احادیث نبویہ ومتعلقہ علوم وفنون تھے، اور آپ کی جملہ علمی کاوشیں یا تو عربی زبان میں ہیں یا پھر انگریزی میں۔اس لیے عوام الناس تو درکنار، بہت سے اہل علم بھی صرف آپ کے نام سے ہی واقفیت رکھتے ہیں، رہا نزدیک سے ان کے علمی نوادرات سے واقفیت کا معاملہ، تو کم ہی لوگوں نے براہ راست اُن کی عربی کتابوں سے استفادہ کیا ہوگا، الا ماشاءاللہ..اور رہا انگریزی زبان میں آپ کی دستاویزی کتابوں سے خوشہ چینی کا معاملہ، تو مدارس سے جڑے اکثر اہل علم کی سوچ سے باہر کی یہ چیز ہے، کیونکہ اب بھی مدارس میں خدمات انجام دینے والے حضرات کی غالبیتِ عظمیٰ انگریزی زبان وادب سے کوسوں دور ہے، رہے یونیورسٹیز سے جڑے ہوئے ڈاکٹرہ اور پروفیسر حضرات، تو اُن میں کے بہت سے لوگوں نے انگریزی تالیفات سے براہ راست استفادہ ہی نہیں کیا، بلکہ کچھ مخصوص حضرات نے بڑے نزدیک سے اور گہرائی میں اُتر کرانہیں پڑھا ہے اور اپنی معروضات کو اُردو جامہ پہنا کر قارئین مجلّہ کی خدمت میں پیش فرمایا ہے۔ہم ان تمام اہل علم وقلم ومعاونین حضرات کے تہ دل سے شکر گذار ہیں جنہوں نے اپنی علمی وتحقیقی نگارشات سے مجلّہ کو سرفراز فرمایا، اللہ تعالیٰ مجلّہ کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اسے آنموصوف کے علمی مساعی جمیلہ کو اگلی نسلوں تک پہنچانے کا بہترین ذریعہ بنائیں، **آمین یا رب العالمین.**

اداریہ تحریر

مفکرِ اسلام، محبوبِ محدثین

حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ایک سرسری مطالعہ

مولانا احمد اللہ قاسمی ندوی، مدیر مجلّہ

اللہ تعالی کی عادت مستمرہ میں سے ہے، کہ ہر زمانہ میں اپنے دین مبین کی حفاظت کے لیے کچھ مخصوص افراد کو منتخب فرماتے ہیں، یہ حضرات دین کا پہیہ اپنے ماسبق اشخاص ہی کی طرح آگے بڑھاتے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ العالی اپنے ایک خطاب میں فرمارہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایسا محسوس ہورہا تھا، کہ دین اسلام جہاں کا تہاں بیٹھ جائے گا اور رفتار ترقی بالکل بند ہوجائے گی؛ مگر سلسلۂ نبوت بند ہوجانے کے باوجود صدیق اکبر کو کھڑا کردیا، اور دین کی ترقی میں کوئی فرق نہیں آیا، اور وہاں تک پہنچ گیا، جہاں تک اللہ کا وعدہ تھا۔ اسی طرح علم حدیث کی حفاظت کے سلسلۂ زریں میں زمانہ ماضی میں اگرچہ بہت سارے جلیل القدر محدثین گذرے ہیں، اور ایک سے بڑھ کر ایک کارنامے انجام دیے ہیں، امام زہریؒ، عطا بن ابی رباحؒ، سعید بن مسیّبؒ، امام مالکؒ، امام حسن بصریؒ، امام اوزاعیؒ، امام یحیٰی بن سعید القطانؒ، ان کے تلامذہ یحیٰی بن معینؒ، علی بن مدینیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، صحاح ستہ وغیرہ کے مصنفین، ان کے بعد حافظ ابن حجرؒ، علامہ بدرالدین عینیؒ، امام حاکمؒ وغیرہم نے بڑی بلندیاں حاصل کیں اور زمانہ بھر سے اپنا لوہا منوایا۔ گویا وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جب جیسی ضرورت پیش آئی، اس کے مطابق افراد پیدا ہوئے اور اپنی تصنیفات اور مناظرہ وغیرہ کے ذریعہ حق کا اثبات فرمایا اور باطل کا پامردی سے مقابلہ کرتے ہوئے غیر حق کو نیچا دکھایا۔ موجودہ دور میں مستشرقین اور ان کی طرف سے احادیث طیبہ میں شکوک پیدا کرنے اور ان میں تحریف کرنے کا عظیم فتنہ بڑے زوروں پر

جاری ہے، اس کے سد باب کے لیے اللہ تعالی نے مئو ناتھ بھنجن ضلع مئو سے ایک بطل جلیل اور ایک نابغہ روزگار ہستی کو پیدا فرمایا، جو بیک وقت ایک عظیم محدث، مفکر اسلام، مستشرقین اور دیگر دشمنانِ اسلام کے بیجا اعتراض کرنے والوں اور فتنے پیدا کرنے والوں پر گہری نظر رکھنے والے، اور آفاق میں شہرت رکھنے والے زبردست عالم دین تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی دین مبین کی خدمت میں گذاری، ۲۰۰۴ء میں مولانا مئو تشریف لائے تھے، یہی آخری باران کا آنا ہوا۔ اس کے بعد پھر مئو نہیں آسکے۔ فرما رہے تھے کہ بفضلہٖ تعالی میں نے ''ریاض الصالحین'' کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کرا کر بہت سارے ملکوں میں لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کروایا جو بے حد مقبول ہوئے۔ اور لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔ اس کے علاوہ علامہ نے ایک بالکل اچھوتا کارنامہ یہ انجام دیا، کہ حدیث کی مشہور ومعروف ایک عظیم الشان کتاب جس کا حوالہ کتب قدیمہ میں ملتا ہے؛ مگر منصۂ شہود پر نہیں تھی۔ کسی نہاں خانہ میں چھپی تھی، کھوج نکالا۔ تحقیق وتحشیہ کا بہترین کام کیا۔ ایک مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا جس میں مصنف کا پورا تعارف کرایا، علمی سفر کی داستان لکھی، ان کے کرم وسخاوت اور شجاعت وبسالت کو بیان فرمایا۔ اور ان کی پینتیس مولفات کا تذکرہ کیا۔ کتب احادیث میں اس کتاب کا کیا مقام بلند ہے، تحریر فرمایا۔ اس عظیم الشان کتاب کا نام ہے ''صحیح ابن خزیمة'' جو امام الائمہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سلمی نیشاپوریؒ کی تصنیف ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ''صحیح ابن خزيمة ومنزلته العلمية'' کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں:

''قال أحمد شاكر : صحيح ابن خزيمة والمسند الصحيح على التقاسيم والأنواع لابن حبان، والمستدرك على الصحيحين للحاكم – هذه الكتب الثلاثة هي أهم الكتب التي ألفت في الصحيح المجرد بعد الصحيحين للبخاري ومسلم – وأضاف إليه قائلًا : ''وقد رتب علماء هذا الفن ونقاد هذه الكتب الثلاثة التي التزم مؤلفوها رواية الصحيح من الحديث وحده، أعني الصحيح المجرد بعد الصحيحين البخاري ومسلم على الترتيب الآتي : صحيح ابن خزيمة، صحيح ابن حبان، المستدرك للحاكم''. (مقدمة صحيح ابن خزيمة : ١٩)

(احمد شاکر نے کہا کہ صحیح ابن خزیمہ، ابن حبان کی ''المسند الصحيح على التقاسيم والأنواع'' اور حاکم کی ''المستدرك على الصحيحين'' یہ تینوں کتابیں حدیث کی بخاری

ومسلم کے بعد صحیح مجرد لکھی جانے والی سب سے اہم کتابیں ہیں۔ احمد شاکر نے مزید فرمایا، کہ اس فن کے علماء وناقدین نے بخاری ومسلم کی صحیحین کے بعد جن مصنفین نے صحاح مجرد کتابوں کے لکھنے کا التزام کیا ہے، ان کی ترتیب بھی قائم کر دی ہے، چنانچہ ان حضراتِ ناقدین واہل علم نے سب سے پہلا مقام صحیح ابن خزیمہ کو دیا ہے، اس کے بعد صحیح ابن حبان کو، اور اخیر میں مستدرک حاکم کو)

ذکر یہ چل رہا تھا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محنتوں کے بعد صحیح ابن خزیمہ کو کھوج ہی نکالا اوران کا دعوی ہے اور صحیح بھی ہے کہ مجھ سے پہلے اس میں کوئی بھی کامیاب نہیں ہوا۔ اس کامیابی کی داستان مولانا نے بہت دلچسپ انداز سے بیان فرمائی ہے، ''شکر وتقدیر'' کے تحت لکھتے ہیں:

''كان ذلك عام ۱۳۸۱هـ عندما كتب لي زيارة القطر الشقيق تركيا وتمتعت عيناي بمرئیٰ عاصمة الخلافة إستنبول، وصحيح أنه كان في ذهني وأنا أقصدها بل ومن أبرز الدوافع لزيارتها أن أنقب في مكتبات هذه المدينة وأكشف النقاب عن الثمين والنادر من المخطوطات في الحديث، إلا أن هذا التصور الذهني والأمل النفسي باتا ضعيفين إن لم يتبددا؛ لأن وفدا من الجامعة العربية قد زار هذه المكتبات وسبقني إلى البحث والتنقيب عن المخطوطات، فقد أيقنت أن الإخوة الكرام لن يفوتهم ما أطلب، والجوهر جذاب، وإن كان بين طبقات الثریٰ - كما يقولون - فلا شك في أنهم قد صوروا الكثير منها إن لم يكن جميعا - وحدث ما لم أتوقعه - فحباني الله وله الفضل والمنة بعدة مخطوطات نادرة، من بينها هذه الجوهرة التي طالما افتقدها الكثير ''صحيح ابن خزيمة'' ولا أعتقد أن أحدا قد اطلع على هذا الكتاب وصوره قبل تصويري. فلله الحمد أولا وثانيا إذ إليه يرجع الفضل والتوفيق''.

(یہ ۱۳۸۱ھ کی بات ہے کہ پڑوسی ملک ترکی کی زیارت میرے لیے مقدر کر دی گئی، اور ترکی کے دارالخلافہ استنبول کے دیکھنے سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ صحیح بات یہ ہے، کہ میرے ذہن میں اس کی زیارت کا مقصد بلکہ عظیم تر مقصد یہ تھا، کہ وہاں کی لائبریریوں میں خود کھوج کرید

کر کے حدیث کے قیمتی اور نادر مخطوطات کا پتہ لگاؤں، ہاں اتنی بات ضرور ہے، کہ میری دلی تمنا اور تصور ذہنی ذرا ماند پڑ چکا تھا، اگر چہ بالکل ختم نہیں ہوا تھا۔ یہ سوچ کر کہ عرب لیگ کا ایک وفد ان کتب خانوں کا چکر کاٹ چکا تھا، اور شرف زیارت حاصل کر چکا تھا۔ اور مخطوطات کی بحث وتفتیش میں مجھ سے سبقت کر چکا تھا؛ لہٰذا مجھے یقین تھا، کہ ان معزز بھائیوں نے میرے مطلوب کو بھی نہیں چھوڑا ہوگا؛ بلکہ سب اٹھا لے گئے ہوں گے، اور جو ہر اپنے اندر بڑی کشش رکھتا ہے، خواہ زمین کے کئی طبقوں کے نیچے ہو، جیسا کہ مشہور ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، کہ ان معزز بھائیوں نے سارا مواد لے ہی لیا تھا، مگر سب نہیں، اور مجھ کو وہ چیز مل گئی جس کی کوئی اُمید نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے کئی نادر مخطوطات کے حاصل کرنے میں خوب مدد فرمائی، انہی مخطوطات میں یہ نادر ونایاب جوہر بھی تھا، یعنی ''صحیح ابن خزیمہ'' جو بہت سے لوگوں سے چھوٹ گیا تھا، مجھے یقین ہے کہ مجھ سے پہلے کوئی بھی اس کتاب پر مطلع نہیں ہوا، اور نہ میرے فوٹو لینے سے پہلے کسی نے اس کی فوٹو لی تھی؛ لہٰذا اول وآخر اللہ ہی کی تعریف ہے، کیوں کہ فضل وتوفیق اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔)

جن چند مبارک محدثین کرام کے نام نامی کا ذکر شروع میں آچکا ہے، اگر چہ انہی حضرات پر حدیث کے صحت وضعف کے فیصلہ کرنے کی ولایت ختم ہو چکی ہے، اور بہت سارے علماء کی رائے ہے، کہ بعد کے لوگوں کو اب کسی حدیث کے اوپر نئے سرے سے صحت وضعف کے فیصلہ کا اختیار نہیں ہے؛ لیکن محققین کا خیال ہے کہ ہر زمانہ کے وہ علمائے حدیث جن کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت تامہ سے نوازا ہے، ان کو اب بھی حق ہے، کہ احادیث پر صحت وضعف کے اعتبار سے نظر ڈالیں اور فیصلہ فرمائیں۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، سید الطائفہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ اور ہمارے مئوناتھ بھنجن ضلع مئو کے منبع علم حدیث، محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ اس منصب جلیل پر ضرور فائز تھے، انہی کاروان محدثین میں حضرت العلام، مفکر اسلام محبوب محدثین مولانا محمد مصطفیٰ اعظمیؒ بھی شامل تھے؛ کیونکہ کبھی کبھی ضرورت پڑنے پر آدمی اپنا مقام خود بیان کر دیتا ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ سچ بات خود بے اختیار نکلنے لگتی ہے، اور جو چیز اندرون میں ہوتی ہے، وہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ''صحيح ابن خزيمه'' کے مقدمہ کے آخر میں ''منهجي في تحقيق هذا الكتاب'' کے عنوان کے

تحت رقم طراز ہیں:

''اقتصرت في تخريج الأحاديث على الشيء الضروري – دون التوسع في التخريج – فراجعت الصحيحين قبل السنن والمسانيد، فإذا وجدت الحديث في الصحيحين أو في أحدهما اكتفيت على الأغلب بإشارة إلى مكان وجوده في الصحيحين أو أحدهما، وفي هذه الحالة قلما أبحث عنه في كتب أخرى، وفي حالة عدم وجوده في الصحيحين أو أحدهما كنت أراجع السنن والمسانيد، وأحيانا أكتفي بذكر مصدر واحد من المصادر التي خرجته، وحاولت أن أحكم على أحاديث ابن خزيمة تصحيحاً وتحسيناً وتضعيفاً، إن لم يكن ذاك الحديث مخرجاً في الصحيحين''.

(میں نے صحیح ابن خزیمہ کی احادیث کی تخریج میں ضروری مآخذ پر اکتفا کیا ہے، زیادہ توسع سے کام نہیں لیا ہے؛ لہٰذا سنن ومسانید کی مراجعت سے پہلے صحیحین کی مراجعت کی ہے، تو اگر حدیث صحیحین میں مل گئی یا دونوں میں سے ایک میں تو اسی پر اکتفا کیا، اور حدیث کا نشان و پتہ بتا دیا، کہ فلاں جلد وصفحہ پر ہے۔ اس حالت میں کم ہی ایسا ہوا، کہ دوسری کتابوں میں تلاش کرنے کی زحمت کی، صحیحین یا ان میں سے کسی ایک میں حدیث کے نہ ملنے کے بعد ہی میں نے سنن ومسانید کی طرف رجوع کیا ہے، اور کہیں کہیں تو ایک ہی ماخذ پر اکتفا کرلیا ہے، دوسرے ماخذوں کی ضرورت محسوس نہیں کیا۔ میرا ارادہ یہ بھی ہوا کہ اگر حدیث صحیحین میں نہیں ملی تو خود ابن خزیمہ کی احادیث پر ان کی تصحیح، تحسین اور تضعیف کا فیصلہ صادر کروں۔)

چنانچہ اگر کوئی صحیح ابن خزیمہ کا مطالعہ کرے گا، تو خوب جان لے گا، کہ مولانا اس کے اہل تھے، اور بہت سی احادیث پر انہوں نے صحیح، حسن اور ضعیف کا فیصلہ فرمایا ہے، اور اہل علم نے اسے قبول کیا ہے، اور بڑے بڑے علماء نے ان کو خراج تحسین پیش فرمایا ہے، اور اسی کتاب پر ان کو ۱۹۸۰ء میں شاہ فیصل ایوارڈ عطا کیا گیا ہے، جو ایک شان امتیاز رکھتا ہے۔

دوسرا عظیم ترین کارنامہ جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قلم تحقیق افشاں سے انجام پایا، وہ مستشرقین کی ہفوات، بیجا اعتراضات اور تحریفات کا دنداں شکن جواب ہے، جس کو انہوں نے اپنی مایہ ناز تصنیف

''**دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه**'' میں تحریر فرمایا ہے، چنانچہ انہوں نے مستشرقین میں سے امیر کا یتانی، اسپرنگر، روتنیس، پروفیسر جے اور شاخت کے خیالات باطلہ کا خوب رد فرمایا ہے، اور کثیر دلائل سے ثابت کیا ہے، کہ ان کے خیالات غلط ہیں، ان لوگوں نے جان بوجھ کر معاملہ کو الجھایا ہے، اور مغالطہ سے کام لیا ہے، یا قلت مطالعہ اس کا باعث ہوا۔

چنانچہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ کتاب کے ایک ذیلی عنوان ''**الإسناد والمستشرقون**'' کے تحت امیر کا یتانی کا اعتراض اس طرح نقل فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے احادیث جمع کرنے کا بیڑا جس نے اٹھایا، وہ عروہ (م۹۴ھ) ہیں، وہ اسانید استعمال نہیں کرتے، اور قرآن کریم کو چھوڑ کر اپنے کسی کلام کا ماخذ ذکر نہیں کرتے، جیسا کہ طبری کے عروہ سے نقل کرنے میں یہ بات بالکل واضح ہے، اسی وجہ سے کا یتانی یقین رکھتا ہے، کہ عبد الملک کے (۷۰-تقریباً-۸۰) عہد تک سندیں معروف نہیں تھیں؛ لہٰذا موجودہ اسانید کا بہت بڑا جز وایسا ہے، جس کو دوسری صدی ہجری میں بلکہ تیسری صدی ہجری میں وضع کر کے محدثین نے پھیلا دیا ہے۔''

اسپرنگر بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے یہ کہتے ہوئے:

''**إن كتابات عروة إلى عبد الملك خالية من الأسانيد، ولذلك فيما نسب إلى عروة من استعماله للأسانيد لابد أن يكون شيئاً متأخراً نسبياً**''.

(عبدالملک تک عروہ کے حدیثی نوشتے سندوں سے خالی ہیں، اسی وجہ سے وہ تمام کتابیں جو عروہ کی طرف منسوب ہیں، ان میں اگر سندوں کا استعمال ہے، تو وہ بعد میں لگادی گئی ہیں۔)

اسی طرح شاخت وغیرہ بھی عنوان بدل بدل کر یہی اعتراض کرتے ہیں، کہ سندوں کا استعمال دوسری صدی یا تیسری صدی سے شروع ہوا۔ کوئی عبدالملک نام لیتا ہے، تو کوئی کہتا ہے کہ فتنہ کا زمانہ شروع ہوا، تو لوگوں کو سندوں کے دریافت کرنے کا فکر لاحق ہوا؛ لہٰذا اس سے پہلے کی احادیث کی اگر سندیں ہوں بھی، تو وہ بعد میں گھڑ کر شامل کر دی گئی ہیں، اس لیے ان احادیث کا اعتبار نہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں بہت وسعت اختیار فرمائی ہے، اس مختصر مضمون میں سب سما نہیں سکتا، پھر بھی جگہ جگہ سے جوابات کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے، ان شاء اللہ کفایت کرے گا۔

مولاناؒ لکھتے ہیں:

''أما الاقتباسات من كتابات عروة فهي ليست موجودة في تاريخ الطبري فقط؛ لكن كتبا عديدة من كتب السنة اشتملت على كتاباته وهي أقدم من الطبري. وفي إحدى الاقتباسات من الطريق التي استعملها الطبري نجد عروة يذكر مصدره عائشة رضي الله عنها''. (ص: ۳۹۳)

(عروہ کی کتابوں (نوشتوں) کے اقتباسات صرف تاریخ طبری ہی میں نہیں ہیں، بلکہ کتب سنت کی متعدد کتابیں ان کی کتابوں (تحریروں) پر مشتمل ہیں، اور وہ طبری سے مقدم ہیں، اور طبری نے جس طریق کے اقتباسات میں سے کسی ایک کو استعمال کیا ہے، اسی طریق میں ہم عروہ کو پاتے ہیں، کہ وہ مصدر کے طور پر حضرت عائشہؓ کا نام لیتے ہیں۔)

معلوم ہوا کہ مستشرقین اعتراض صرف برائے اعتراض ہی کرتے ہیں، اور خواہ مخواہ کا شک پیدا کرتے ہیں، اور تحقیق مقصود نہیں ہوتی، ورنہ عروہ ہی کی اسانید کا قدیم کتابوں سے پتہ لگاتے، تو ضرور ان کو سندیں بھی مل گئی ہوتیں، اور اعتراض کرنے کی نوبت نہ آتی۔

ایک دوسرے گوشہ سے بھی عروہ کی اسناد کے متعلق بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ومن الناحية الثانية لقد روى كتاب عروة عدة أشخاص منهم: الزهري وعندما نراجع رواية الزهري لكتاب عروة، نجد عروة يذكر فيه الإسناد – أحياناً إسناداً منفرداً، وأحياناً إسناداً مزدوجاً – وهذا يعارض ما ادعاه كايتاني وشبرنجر من أن عروة لم يستعمل الإسناد''. (ص: ۳۹۳)

(ایک دوسرے گوشہ سے بھی غور کرنے کا مقام ہے، کہ عروہ کی کتاب کو کئی اشخاص روایت کرتے ہیں، انہی میں سے امام زہریؒ بھی ہیں۔ ہم جب عروہ کی کتاب کو زہری کی روایت کی طرف مراجعت کر کے دیکھتے ہیں، تو عروہ کو سندیں ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں، کبھی تو وہ ایک ہی سند ذکر کرتے ہیں، اور کبھی دو دو سندیں ذکر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کایتانی اور اسپرنگر کے اس دعوی کے خلاف ہے، کہ عروہ اسناد کا استعمال نہیں کرتے۔)

اسی طرح شاخت بھی ابن سیرینؒ کے اثر کے متعلق اعتراض کرتا ہے، اور وہی بات کہتا ہے، جو

کا یتانی اور اسپرنگر کہہ چکے ہیں، کہ اسناد کی ابتدا دوسری صدی سے پہلے نہیں ہوئی، بلکہ تیسری صدی میں اس کا آغاز ہوا، اس لیے جتنی روایتیں ابن سیرین کی طرف منسوب ہیں، وہ سب موضوع ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام اعتراضوں کے جواب کے لیے کثیر تعداد میں ان روایتوں کو جمع کر دیا ہے، جن میں سندیں موجود ہیں، ہم ان میں سے نمونہ کے طور پر چند روایتوں کو نقل کرتے ہیں:

''قال أبو يوسف : حدثنا محمد بن إسحاق، سئل عبادة بن الصامت عن الأنفال، فقال فينا أصحاب محمد أنزلت ''يسئلونك عن الأنفال'' الآية. انتزعه الله منا حين اختلفنا وساء ت أخلاقنا، فجعله الله إلىٰ رسول الله ﷺ يجعله حيث يشاء''. (ص: ۳۹۹)

(امام ابو یوسف نے فرمایا: ہم سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا، کہ عبادہ بن صامت سے انفال کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا، کہ سورہ انفال ہم اصحاب محمد ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ہمارے آپس کے اختلاف اور ہمارے اخلاق کے برے ہو جانے کی وجہ سے ہم سے چھین کر رسول اللہ ﷺ کی طرف محول کر دیا، کہ خود رسول اللہ ﷺ جہاں چاہیں خرچ کریں۔)

''قال أبو يوسف : أخبرنا محمد بن إسحاق والكلبي أن رسول الله ﷺ نزل وادياً، فقال: من يحرسنا في هذا الوادي الليلة، فقال رجلان: نحن، فأتيا رأس الوادي وهما مهاجري وأنصاري فقال أحدهما لصاحبه : أي الليلة أحب إليك؟ فاختار أحدهما أوله والآخر آخره فنام أحدهما وقام الحارس يصلي''.

(امام ابو یوسف نے فرمایا: ہم کو خبر دیا محمد بن اسحاق اور کلبی نے، کہ رسول اللہ ﷺ ایک وادی میں اترے، تو فرمایا، کہ اس وادی میں رات کے وقت کون ہماری پہرہ داری کرے گا، تو دو آدمیوں نے کہا کہ ہم، چنانچہ وہ دونوں وادی کے سرے پر پہنچ گئے، دونوں میں ایک مہاجری تھا دوسرا انصاری۔ ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ رات کا کون سا حصہ تم کو پسند ہے اول شب یا آخر شب، تو ان میں ایک نے اول شب لے لیا، اور دوسرے نے آخر شب، تو جس نے آخر شب لیا تھا وہ سو گیا اور دوسرا نماز پڑھنے لگا۔)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بحث کرتے ہوئے بہت سی باسند روایتیں جمع کر کے مخالفین پر حجت تمام کر دی ہے، مگر یہ بھی بتاتے چلتے ہیں کہ فقہاء ومحدثین کبھی کبھی سندوں کو حذف بھی کر دیتے ہیں؛ بلکہ متن میں سے بھی کم کر دیتے ہیں۔ مقصد اختصار ہوا کرتا ہے، یا یہ کہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارا مخاطب پہلے سے پوری سند جانتا ہے، اور پورے متن سے واقف ہے، اور دوسرے موقع پر وہی حضرات سندوں کو بھی ذکر کرتے ہیں اور پورا متن بھی بیان کرتے ہیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''قول الشافعيؒ في ''الرسالة'' سن رسول الله ﷺ أن لا قطع في ثمر ولا كثر ولم يذكر الإسناد مطلقاً، بينما يذكر في محل آخر إسناداً متصلاً حيث يقول: أخبرنا مالك عن يحيىٰ بن سعيد عن محمد بن يحيىٰ بن حبان عن رافع بن خديج أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: لاقطع في ثمر ولا كثر''. (ص: ۴۰۳)

(امام شافعیؒ نے ''الرسالۃ'' میں فرمایا کہ رسول اللہؐ نے سنت قرار دیا ہے کہ پھل میں قطع بھی نہیں ہے اور کثر بھی نہیں۔) مولانا فرماتے ہیں کہ اس میں سند کو بالکل ذکر نہیں کیا ہے، مگر اسی حدیث کو ایک دوسرے مقام پر جب ذکر کرتے ہیں، تو مکمل سند متصل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ہم کو خبر دیا مالک نے وہ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، وہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے، وہ رافع بن خدیج سے، کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ پھل میں قطع بھی نہیں اور کثر بھی نہیں۔

یہ طریق محدثین کا زمانۂ قدیم سے چلا آ رہا ہے، کہ موقع بہ موقع ارسال کر دیا جاتا ہے، تدلیس بھی ہو جاتی ہے، ارسال بھی اور بلاغاً بھی بیان کر دیا جاتا ہے، مگر محدثین علیہ الرحمۃ تقریباً سب کو سند متصل سے بھی ثابت کر دیتے ہیں؛ مگر مستشرقین کے دلوں میں چونکہ چور ہوا کرتا ہے، لہٰذا وہی روایتیں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جن میں سندیں نہیں ہوتیں، حالانکہ گذر چکا ہے کہ وہی بے سند روایت دوسرے مقام پر باسند مذکور ہوتی ہے، مگر مستشرقین ان کا نام و پتہ نہیں بتاتے۔

مذکورہ دونوں کتابوں کے علاوہ مولانا مرحوم کی ''**منهج النقد عند المحدثين، نشأته وتاريخه**'' بھی انتہائی اعلیٰ پیمانہ کی کتاب ہے۔ احادیث پر محدثین کس کس انداز میں نقد و جرح کرتے ہیں، تعدیل و توثیق کے اُصول و ضوابط کیا ہیں، اور رواۃ کے ساتھ امامانِ فن کس بے رحمی کے ساتھ پیش آتے ہیں؛ تاکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی غلط بات کی نسبت نہ ہو سکے، اور جو قول رسول یا فعل رسول ہم

تک پہنچے وہ بالکل منقح ہو کر پہنچے، اس کی معرفت کے لیے یہ کتاب بے حد معلوماتی ہے۔ مولانا مرحوم نے دیگر کتابوں کی طرح اس میں بھی موضوع کا پورا حق ادا کیا ہے اور کوئی گوشہ بھی ذکر کیے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب عرب کی کئی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس کتاب کا رُخ اپنے موضوع پر حاوی ہونے کے ساتھ ساتھ مستشرقین ہی کی طرف ہے۔ بڑی باریکی کے ساتھ مولانا مرحوم نے اس میں مستشرقین کے دلائل باطلہ کا رد، براہین قاطعہ کے ساتھ کیا ہے، مطالعہ کرنے والے خوب خوب ان شاء اللہ محظوظ ہوں گے، اور اعتراف کریں گے، کہ مولاناؒ بہت پایہ کے محدث تھے، بلکہ وقت کے استاذ المحدثین ومحبوب محدثین تھے۔

مولانا مرحوم نے ایک اہم ترین کارنامہ یہ بھی انجام دیا، کہ قرآن مجید جو نازل ہونے کے وقت سے آج تک جوں کا توں نسلاً بعد نسلٍ کسی ایک شوشہ ونقطہ کی تبدیلی کے بغیر تواتراً چلا آ رہا ہے، اس پر بھی مستشرقین نے از راہ تعصب اعتراضات کی بوچھار کی ہے۔ کبھی اس کی ترتیب پر اعتراض کیا، اور کبھی آیات کے بے جوڑ ہونے پر نقطہ چینی کیا، اور کبھی نامکمل ہونے کا دعوی کیا وغیرہ۔ مولانا مرحوم نے قدیم مخطوطات کے ۱۹/ نسخے تلاش بسیار کے بعد حاصل کیے، سب کو ایک دوسرے سے ملایا اور ثابت کیا کہ ان میں سرمو فرق نہیں ہے۔ اس طرح مستشرقین کے بے جا اعتراضات اور ان کے ہفوات کی فضائے آسمانی میں دھجیاں اڑا دیں، **فالحمد لله رب العالمين**. اس کتاب کا نام ''**النص القرآني الخالد عبر العصور**'' ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی جملہ خدمات کو تلقی بالقبول سے نوازے، اور اپنی طرف سے بہترین جزا نصیب فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمائے۔ مولاناؒ نے یہ سارے کام کر کے تمام مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا فرمایا، اور مستشرقین کو ان کے آخری انجام تک پہنچایا۔ **فجزاه الله خير الجزاء في الدنيا والآخرة...**

بسم الله الرحمن الرحيم

براءة جائزة الملك فيصل العالمية
للدراسات الإسلامية

إن هيئة جائزة الملك فيصل العالمية بعد اطلاعها على نظام جائزة الملك فيصل العالمية المصادق عليه من مجلس أمناء مؤسسة الملك فيصل الخيرية بالقرار رقم ٩٨/٦٦/١١ وتاريخ ١٣٩٨/٨/١٠ هـ، وعلى محضر لجنة الترشيح والاختيار لجائزة الملك فيصل العالمية للدراسات الإسلامية بتاريخ ٢٦ صفر ١٤٠٠هـ، تقرر منح :

الدكتور محمّد مصطفى الأعظمي

جائزة الملك فيصل العالمية للدراسات الإسلامية لهذا العام ١٤٠٠ هـ، تقديراً لجهوده في حقل الدراسات التي تناولت السنّة النبويّة والمتمثلة فيما يأتي :

١- إن كتابه «دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه» يُعَدّ عملاً أكاديمياً جيداً يفصح عن جهد علمي محمود ودفاع صادق للسنّة النبوية مع الالتزام بالمنهج العلمي في البحث، والدفاع عن السنّة الشريفة بتصديه لآراء المستشرقين ومناقشتها مناقشة علمية ورد شبهاتهم ونقد آرائهم بالأدلة الدامغة، وإسقاط الروايات الضعيفة التي اعتمدوها والكشف في وضوح عن خطأ فهمهم لبعض الروايات العربية. وبذلك يقف كتابه في المقدمة مع الدراسات المعاصرة الجيدة في تاريخ الحديث ويسهم بنصيب موفور في خدمة السنّة النبوية من ناحية تاريخها وتدوينها وتصنيفها ودرء شبهات المغرضين.

٢- إن كتابه «صحيح ابن خزيمة» الذي نشره وحققه يعد من أهم الكتب بعد صحيحي البخاري ومسلم، وقد بذل جهداً كبيراً في مقابلة نسخته الفريدة بكتب الأحاديث الأخرى وصوّب أخطاءها وخرّج أحاديثها وأبان الحكم عليها ما لم تكن في الصحيحين أو أحدهما، الأمر الذي يدل على تمكّنه من علم الحديث حتى أخرج عملاً علمياً كبيراً اقتضى جهداً ضخماً أضاف به إلى المكتبة الحديثية جديداً، فحقّق بذلك أملاً تطلع إليه الكثيرون من المعنيين بالسنّة النبويّة.

٣- إن مشروعه «الكمبيوتر واستعماله في خدمة السنّة النبوية» يقدم تجربة فعلية أولية باللغة العربية في استخدام الحاسب الآلي في حقل الدراسات الحديثية، وذلك عمل ضخم يستنفد لاستكماله الكثير من الوقت والجهد، ولا شك أن عمله هذا عندما يكتمل سيكون له نفع عظيم يتمثل في إيجاد الموسوعة الحديثية وهي عمل ضخم تمس الحاجة إليه.

وإن هيئة الجائزة إذ تمنحه ذلك فإنها ترجو الله له السداد والتوفيق في خدمة السنّة النبوية الشريفة

والله ولي التوفيق

صدرت في الرياض بتاريخ الثامن والعشرين من ربيع الأول ١٤٠٠ هـ
الموافق ١٢ فبراير ١٩٨٠ م

رئيس هيئة الجائزة

پروانہ شاہ فیصل عالمی ایوارڈ برائے دراسات اسلامیہ

بحق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ

ترجمانی: نائب مدیر

شاہ فیصل عالمی ایوارڈ کمیٹی نے قواعد وضوابط برائے اجرائے ایوارڈ پر مطلع ہونے اور مؤسسۃ الملک فیصل الخیریۃ کے ممبران کی تصدیق کے بعد اپنی قرارداد نمبر ۱۱/۶۸/۹۸ مؤرخہ ۱۰/۸/۱۳۹۸ھ نیز ایوارڈ کی نامزدگی کے ریکارڈ کے معائنہ کے بعد، ۲۶/صفر ۱۴۰۰ھ کو ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کو سال رواں ۱۴۰۰ھ کا شاہ فیصل عالمی ایوارڈ برائے دراسات اسلامیہ، عطا کیے جانے کا فیصلہ صادر فرمایا۔

یہ انعام، آنموصوف کو سنت نبویہ کے میدان میں دراسہ وتحقیق سے متعلق درج ذیل عظیم خدمات کی قدر دانی کے طور پر عنایت کیا گیا:

۱ - موصوف کی کتاب ''دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه'' ایک نہایت عمدہ اکیڈمک ورک ہے، جو آنموصوف کی قابل تعریف علمی کد وکاوش اور فن سے متعلق عظیم جد وجہد کا ثمرہ نیز سنت مطہرہ سے آپ کی سچی محبت کا مظہر ہے، یہ کتاب، بحث وتحقیق کے علمی منہج کا مکمل شاہکار ہے، علاوہ ازیں، یہ کتاب، احادیث نبویہ سے متعلق مستشرقین کے باطل آرا وخیالات کا علمی مناقشہ، اُن کے شبہات واعتراضات کا بھرپور رد اور ان کے دلائل وآرا کا علمی نقد، نا قابل تردید دلائل وبراہین کی روشنی میں پیش کرتی ہے، نیز مستشرقین نے جن کمزور اور ضعیف روایات کا سہارا لے کر اپنے باطل خیالات کی مضبوط عمارت کھڑی کی تھی، اُسے زمین بوس کر دیتی ہے، مزید براں یہ کتاب، مستشرقین کی طرف سے بعض عربی رسم ورواج سے متعلق اُن کی غلط فہمیوں کو بھی اُجاگر کرتی ہے۔

انہی خصوصیات کے مدنظر، یہ کتاب حدیث پاک کی تاریخ کے باب میں، عصر حاضر میں، عمدہ کتابوں کی صف اول میں کھڑی ہے، یہ کتاب حدیث پاک کی تاریخ، اس کی تدوین، اس کی تصنیف وتالیف، علاوہ ازیں حدیث پاک پر اعتراضات کرنے والوں کے رد وابطال کے سلسلہ

میں زبردست کردار کی حامل ہے۔

۲ - آپ کی تحقیق و تعلیق سے آراستہ، شائع شدہ کتاب ''صحیح ابن خزیمة'' بلاریب، صحیحین- بخاری و مسلم- کے بعد اہم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے، کتاب کے اکلوتے نسخہ کا حدیث کی دوسری کتابوں سے مقابلہ و تصحیح کرنے میں آپ نے انتھک محنت اور زبردست کوشش صرف کی ہے، چنانچہ اس نسخہ میں موجود اخطاء کی تصحیح، اس کی حدیثوں کی تخریج، نیز جو حدیثیں صحیحین یا اُن میں سے کسی ایک میں نہیں ہیں، اُن پر حکم لگانے کی خدمت بھی آپ نے انجام دی ہے۔ یہ وہ اُمور ہیں جن سے علم حدیث میں آپ کی کامل دسترس کا پتہ چلتا ہے، آنموصوف نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ایک زبردست علمی خدمت انجام دے کر کتب احادیث کے ذخیروں میں ایک ایسی نئی کتاب کا اضافہ فرمایا، جس کے حصول کی بہت سے شائقینِ سنت نبویہ کو خواہش اور تمنائیں ہوا کرتی تھی۔

۳ - ''کمپیوٹر کا استعمال - احادیث نبویہ کی خدمت میں'' آپ کا یہ پروجیکٹ علوم حدیث کے میدان میں، کمپیوٹر کو عربی زبان میں استعمال کرنے کا، یقیناً سب سے پہلا عملی تجربہ ہے، یہ ایک نہایت بھاری بھرکم کام ہے، جس کے لیے بے پناہ وقت اور زبردست محنت درکار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس وقت یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا، اس کا نفع نہایت عالی شان اور فائدہ زبردست ہوگا۔ اس عمل کے نتیجہ میں احادیث نبویہ کا ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا وجود میں آجائے گا، جو وقت کی ناگزیر ضرورت ہے۔

شاہ فیصل ایوارڈ کمیٹی، جس وقت آپ کو اس انعام سے نواز رہی ہے، اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہے کہ احادیث نبویہ کی خدمت میں موصوف کے ساتھ، درستگی و صواب اور توفیق ایزدی ہمہ وقت شامل حال رہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عنایت فرمانے والے ہیں۔

صدر کمیٹی برائے شاہ فیصل ایوارڈ

تاریخ اجراء: ۲۸ر ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

موافق: ۱۲ر فروری ۱۹۸۰ء

بہ مقام: ریاض (سعودی عربیہ)
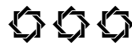
باسمہ تعالیٰ

پیغام

یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ سہ ماہی مجلّہ ''نوائے دارالعلوم'' مئو، جناب مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ صاحب قاسمی ازہری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات کے تعارف وتذکرہ پر مشتمل اپنا خصوصی شمارہ شایع کر رہا ہے۔ بلاشبہہ مدرسہ دارالعلوم مئو کا یہ فیصلہ قابل ستائش ومبارک باد ہے اور یہ حق بھی دارالعلوم مئو کو حاصل ہے؛ کیونکہ جناب ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس ادارہ کے نامور فرزندوں میں سے ایک تھے، کسی بھی نامور شخصیت کی علمی ترقی اور ناموری میں اس کی بنیادی درسگاہ کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی رحمہ اللہ نے مشرقی یوپی کے ایک قصبہ میں آنکھ کھولی، وہیں اپنی تعلیم کا آغاز کیا؛ لیکن اپنے شوق، لگن اور مسلسل جہد سے اس مقام تک پہونچے کہ علمی دنیا میں نمایاں عالمی شخصیات میں شمار کیے جانے لگے۔

ان کی حیات اور تعلیمی وتصنیفی گوشہ کی تفصیلات کی اشاعت سے اہل علم کو کچھ کر گذرنے کا حوصلہ ملے گا اور اگر کسی حوصلہ مند نے ان کی زندگی کو مشعل راہ بنا کر کامیاب علمی سفر طے کر کے نمایاں حیثیت حاصل کر لی تو یہ مرحوم کے لیے عملی خراج عقیدت ہوگا اور صدقہ جاریہ بھی ہوگا۔

اللہ کرے مجوزہ خاص شمارہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی علمی شہرت کے شایان شان شایع ہو اور لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۸/۶/۱۴۳۹ھ = ۷/۳/۲۰۱۸ء

۞ ۞ ۞

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مکتوب گرامی
حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری)

دیدہ ور صاحب نظر، چمن سے رخصت!
حق مغفرت فرمائے، عجب باکمال مرد تھا!

بندہ ناچیز نے مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی علیہ الرحمہ کا نام تو بہت سنا ہے؛ لیکن نہ تو ان سے ملاقات کا شرف کبھی حاصل ہوسکا اور نہ ہی ان کی تصانیف سے استفادہ کا موقع کبھی ہاتھ آیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھ سے مقدم طالب علم تھے، **والفضل للمتقدم**، پھر وہ باہر رہے اور میں باہر نہیں نکلا، اس لیے ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا۔

تاہم اتنا کہنے میں مجھے کوئی تأمل نہیں کہ ڈاکٹر اعظمی مرحوم، دارالعلوم دیوبند کے ان چیدہ فرزندوں میں سے ایک تھے، جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ احادیث نبویہ کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا، بالخصوص مستشرقین اور مغربی دانشوروں نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ پر مسلمانوں کے اعتماد کو متزلزل کرنے کی جو ناپاک کوششیں کر رکھی تھیں، ڈاکٹر اعظمی نے انہیں بیخ وبُن سے اکھاڑ پھینکا، اس سلسلے کی ان کی مشہور ومعروف تالیف ''**دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه**'' اپنے موضوع پر ایک شاہکار کتاب ہے، نیز موصوف نے ایک دوسری اہم انگریزی تصنیف "The History of The Quranic Text, From Revelation to Complication" لکھ کر قرآن کریم کی حقانیت کو آشکارا کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات جلیلہ کو شرف قبول بخشیں اور انہیں اعلیٰ علیین میں بلند مقام پر فائز فرمائیں، آمین۔

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالنپوری
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند
۲۹/ذی القعدہ ۱۴۳۹ھ=۱۲/اگست ۲۰۱۸ء

عکس مکتوب گرامی عالی جناب
مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

muhammad_taqi@cyber.

From:	<Ishtiaque Ahmad <ishtiaqueazami@gmail.com
Sent:	Wednesday, March 07, 2018 6:33 AM
To:	Mufti Taqi Usmani
Subject:	یاددہانی برائے تحریر مضمون بر ڈاکٹر محمد مصطفی الأعظمی رحمہ اللہ

باسمہ سبحانہ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بندہ کی صرف ایک ملاقات ہوئی، اسکے علاوہ ان کے بارے میں کوئی مفصل معلومات بندہ کو نہیں ہیں، اسلئے ان پر لکھنے کیلئے اپنے آپ کو نااہل پاتا ہوں۔ البتہ آپ جو نمبر شائع کرینگے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں کامیاب فرمائیں، بندہ بھی انشاء اللہ اس سے استفادہ کریگا۔

والسلام

۶-۷-۳۹

باسمہ سبحانہ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بندہ کی صرف ایک ملاقات ہوئی، اسکے علاوہ ان کے بارے میں کوئی مفصل معلومات بندہ کو نہیں ہیں، اسلئے ان پر لکھنے کیلئے اپنے آپ کو نااہل پاتا ہوں۔ البتہ آپ جو نمبر شائع کرینگے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں کامیاب فرمائیں، بندہ بھی انشاء اللہ اس سے استفادہ کریگا۔

والسلام

محمد تقی عثمانی

۶-۷-۳۹

پیغام

اللہ تعالیٰ جس طرح افراد واشخاص کا انتخاب فرماتے ہیں، اسی طرح بعض علاقوں کو بھی امتیازی حیثیت سے نوازتے ہیں؛ چنانچہ یوں تو ہندوستان کے چپہ چپہ میں بڑے بڑے اہل علم پیدا ہوئے؛ لیکن اعظم گڈھ کے خطہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہاں سے حدیث وسیرت کی بڑی اہم شخصیتیں پیدا ہوئیں، جن کے کام کو پوری دنیا میں سراہا گیا، اوران کی عظمت وعبقریت کو تسلیم کیا گیا، ماضی قریب میں بھی ایسی متعدد شخصیتیں اس خطہ سے اُٹھیں، جنہوں نے ہندوستان کا نام روشن کیا ہے، اور جن کی خدمات کو عالم اسلام میں رشک کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

ان مایہ ناز ہستیوں میں ایک ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نوراللہ مرقدہ (۱۳۵۰ھ-۱۴۳۹ھ) ہے، انہوں نے تین جہتوں سے حدیث کی بہت ہی یادگار خدمت انجام دیں، اول: سنت نبوی کا دفاع، اور مستشرقین کی جانب سے پیدا کیے گئے شبہات کے کافی وشافی جوابات، جس پر اُن کی کتاب ''**دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه**'' اپنی مثال آپ ہے، دوسرے: حدیث کے نادر مخطوطات، بالخصوص صحیح ابن خزیمہ کو مخطوطات کے دفینہ سے باہر نکالنا اور اہل علم کے لیے قابل استفادہ بنانا، تیسرے: سب سے پہلے حدیث کو کمپیوٹرائز کرنے کا کام، جس نے طالبان علوم حدیث کے لیے ایک نئی دنیا کا دروازہ کھول دیا۔

یہ بات بے حد مسرت انگیز ہے کہ مشرقی ہند کی معروف دینی درسگاہ دارالعلوم مئو کا ترجمان ڈاکٹر صاحب پر خصوصی شمارہ شائع کر رہا ہے، یقیناً یہ ہندوستان کی علمی برادری کی طرف سے ایک فرض کفایہ کی ادائیگی ہے، میں اس موقع پر دارالعلوم مئو، اس کے ذمہ داران، اس مجلّہ کے مرتبین اور بالخصوص رفیق گرامی حضرت مولانا اشتیاق احمد اعظمی کی خدمت میں بہت بہت مبارک باد پیش کرتا ہوں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے، ڈاکٹر صاحب کے درجات کو بلند فرمائے اور اُمت میں ان کی مثالیں پیدا فرمائے۔
ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم.

۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۴۰ھ — **خالد سیف اللہ رحمانی**

۱؍اکتوبر ۲۰۱۸ء — (خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

ڈاکٹر عبدالعلی عبدالحمید اعظمی (حفظہ اللہ) مقیم لندن، کا ڈاکٹر اعظمیؒ کو خراج عقیدت

محترم مولانا اشتیاق عمری صاحب، حفظہ اللہ

السلام علیکم

یاد آوری کا شکریہ۔ دکتور مصطفیٰ اعظمی کی فات کی خبر سے بڑا صدمہ پہنچا، عالم اسلامی کا ایک زبردست عالم ہم سے جدا ہو گیا۔ اگر چہ میں اور مرحوم دونوں مئو سے تعلق رکھنے والے تھے، مرحوم سے میرا تعلق واجبی سا تھا۔ صرف دو مرتبہ ملاقات کا اتفاق ہوا؛ لیکن اس کے بعد کوئی رابطہ نہیں رہا۔ ان کے انتقال کی خبر آپ کے ای میل سے ہوئی۔ ان حالات میں مجھ کو ان کے بارے میں لکھنے سے معذور سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

(ڈاکٹر) عبدالعلی
سابق پروفیسر اسلامک اسٹڈیز، مسلم کالج، لندن
وسابق استاذ کرسی: برک بک کالج، لندن یونیورسٹی
Birkbeck College,
University of London

(۱۶ر فروری ۲۰۱۸ء)

مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ - دنیائے علم وتحقیق کی عظیم شخصیت

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

عالم اسلام کی عظیم شخصیت، نامور محقق اور مشہور محدث مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ مؤرخہ ۲ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ، مطابق ۲۰ دسمبر ۲۰۱۷ء کو سعودی عرب کی دار الحکومت ریاض میں دار فانی سے رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا نے بیسویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی میں مئو کی مردم خیز سرزمین پر ۱۹۳۰ء میں آنکھیں کھولیں، ابتدائی تعلیم اور عربی میں جلالین ومختصر المعانی تک کی تعلیم دار العلوم مئو سے حاصل کرنے کے بعد دار العلوم دیوبند کا رخ کیا، اور دورۂ حدیث کے بعد مزید دو سال قیام کر کے علمی استفادہ جاری رکھا، اور وہاں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، علامہ ابراہیم بلیاوی، مولانا اعزاز علی، مولانا سید فخر الحسن مرادآبادی وغیرہ سے بھرپور استفادہ کیا، اس کے بعد جامعہ ازہر مصر گئے، جہاں ان کا ایم، اے میں داخلہ ہوا، اور وہاں علم کی تحصیل میں مشغول ہو گئے، وہاں دو سال تحصیل علم کے بعد قطر میں غیر عربی داں حضرات کو عربی کی تعلیم دی، مزید وہاں کے ایک مکتبہ قطریہ کے انچارج کی حیثیت سے کام کیا، ان کے علمی ذوق اور تحقیق ومطالعہ کی اہمیت میں اضافہ ہوا، یہاں تک کہ انہوں نے بلاد غرب کا سفر کیا اور کیمبرج یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کی، اس کے بعد بتوفیق الٰہی جامعہ اُم القریٰ میں استاذ اُصول حدیث کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا، اور کچھ ہی سال بعد جامعۃ الملک سعود ریاض کے کلیۃ التربیۃ میں ایک مدت تک حدیث شریف کی خدمت انجام دی، اسی کے ساتھ مختلف پہلوؤں سے حدیث اور رجال حدیث پر تحقیقی کام کیا، جس کی بنیاد پر وہ شاہ فیصل ایوارڈ سے سرفراز کئے گئے، ان کی مشہور تصنیفات میں: **دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه، صحيح ابن خزيمة، ومنهج النقد عند المحدثين: نشأته وتاريخه، كتاب التمييز للإمام مسلم، كُتَّابُ النبي ﷺ** وغیرہ کتابیں ان کے ذوق علم

وتحقیق کی دلیل ہیں، ان کا سب سے اہم کارنامہ احادیث نبویہ کو کمپیوٹرائز کرنے کا ہے، جس پر آپ نے پوری دنیائے علم وتحقیق کی طرف سے خراج تحسین حاصل کیا، اور مملکت کے سینئر استاذ کا درجہ بھی حاصل ہوا۔

مولانا محمد مصطفیٰ اعظمی سے میرا تعلق بہت پرانا ہے، ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں اپنے داخلہ کے لیے وہاں گیا تو اس وقت ان سے ملاقات ہوئی، اس وقت وہ دورۂ حدیث میں تھے، انہوں نے ہمارا ایک بڑے بھائی کی شان سے استقبال کیا، اور پوری رہنمائی کی، وہ دارالعلوم کے نمایاں طالب علم شمار کئے جاتے تھے، انہیں اپنے اساتذہ کا اعتماد بھی حاصل تھا، پابندی سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، میری اس کے بعد بارہا ملاقات ہوئی، اور تعلقات میں اضافہ ہوتا رہا، ریاض میں بھی ان سے ملاقات کا موقع ملتا، اور مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال ہوتا، بلاشبہ وہ ایک علم دوست انسان تھے، اور مقصدیت کی روح سے ان کی زندگی لبریز تھی، وہ ہمہ وقت اپنے وقت کو مفید اور کارآمد بنانے میں مصروف رہے، اور اس سلسلہ میں کوئی کمی نہیں آنے دیتے، انہوں نے اپنی علمی تصنیفات کے ساتھ شاگردوں کا ایک جم غفیر چھوڑا، جو ان کے مشن کو آگے بڑھانے میں نہایت خلوص کے ساتھ مشغول ہیں، آج بھی عالم عربی میں ان کے شاگرد بڑے عہدوں پر فائز ہوکر حدیث شریف اور دیگر علمی اور ادارتی کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔

ان سے ہمارے خاندانی تعلقات بھی تھے، اور برادر معظم حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمیؒ سے مخلصانہ تعلق رکھتے تھے، اور جب بھی وہ اپنے وطن آتے تھے، تو وہاں کے علماءِ مدارس اور بڑی شخصیتوں سے ملاقات کرتے، عوام میں وہ بہت زیادہ مقبول تھے۔

مئو کی عظیم علمی شخصیت اور محدث کبیر حضرت العلامۃ مولانا الشیخ حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمہ اللہ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، دارالعلوم مئو کے اساتذہ اور وہاں کی شوری کے ارکان ان کو اپنی آنکھوں پر بٹھاتے تھے، نیز دیگر مدارس کے اہل علم ودانش حضرات ان کی عزت افزائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے، اور ان کی ہمہ جہت علمی شخصیت سے فائدہ اٹھاتے تھے، انہوں نے اپنے مادر علمی مدرسہ دارالعلوم مئو کو ہر اعتبار سے ترجیح دی، اور علمی تعاون کے ساتھ مادی تعاون میں کوئی کمی نہیں ہونے دی، کئی جائدادوں کو اس مدرسہ پر وقف کر کے اپنی ذمہ داری پوری کی، ایک بڑی مسجد بھی ریلوے اسٹیشن کے علاقہ میں تعمیر کرائی، اس کے ساتھ ایک

دوسری مسجد بھی رضائے الٰہی میں مزید اضافے کے لئے تعمیر کرا کے لوگوں کو ممنون کیا اور ان شاء اللہ آخرت کے اپنے توشے میں اضافہ کرنے کی توفیق حاصل کی۔

مفتاح العلوم کے بافیض مدرسہ سے بھی گہرا تعلق رکھنے میں کامیاب تھے، وہاں کے کبار علماء اور اساتذہ سے مخلصانہ اور طالب علمانہ تعلق رکھ کر مدارس کے ماحول میں ایک مثال قائم کی۔

ان کی وفات کو عالمی سطح پر علم وتحقیق کی دنیا کا بڑا خسارہ تصور کیا گیا، بلاشبہ ان کی وفات سے علم حدیث کا گوہر تابندہ دنیا سے رخصت ہو گیا، کاروانِ تعلیم کا حدی خواں جاتا رہا، اللہ تعالی ان کی خدمات کو قبول فرمائیں اور اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائیں، اور غیب سے اس علمی خلا کو پر فرمائیں، **وما ذلك على الله بعزيز.**

بقیہ صفحہ (۳۴) کا:

چکڑالوی میدان میں آئے اور پورا ایک فرقہ ہی اہل قرآن کے نام سے بنا ڈالا۔ اس خود ساختہ شریعت کا سب سے بلند بانگ پیغمبر غلام احمد پرویز بن کر آیا، اور پھر حدیث کے خلاف ایک مستقل محاذ جنگ کھول دیا، اردو میں بہت سی کتابیں اور رسالے اس مقصد سے شائع کرتے رہے، اور ہر امکانی جدوجہد صرف کر دی کہ حدیثوں کو خزف ریزوں کا انبار ثابت کر دیں۔ آج سے نصف صدی بیشتر یہ فتنہ شباب پر تھا اور تقسیم ہند سے پہلے تک کہیں نہ کہیں اس فتنہ کو ہوا دینے والے افراد موجود تھے؛ لیکن جس طرح برسات گزر جانے کے بعد لاکھوں کروڑوں کیڑے مکوڑے جو روشنیوں پر جمگھٹ لگا کر اس کو مدھم کر دینا چاہتے ہیں موسم گزرتے ہی اپنی موت آپ مر جاتے ہیں، اسی طرح یہ فتنہ بھی اپنی موت آپ مر گیا۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ

مولانا نعمت اللہ معروفی اعظمی، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ کا شمار عالم عرب کے مشہور ومعروف اور ہمارے ملک کی مایہ ناز علمی شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ مولانا جس گھرانے میں پیدا ہوئے اوران کی نشو ونما ہوئی وہ بظاہر ترقی کے مادی اور مالی وسائل سے محروم تھا؛ مگر نامساعد حالات کے باوجود اپنے عزم وحوصلہ، اوراپنی کوشش وجدوجہد سے ایسے بلند علمی مقام پر پہنچے جو کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ مولانا نے اپنے شہر کے معروف ومشہور مدرسہ ''دارالعلوم مئو'' میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، اور آخر میں دارالعلوم دیوبند پہنچے اور وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد ان کا طائر ہمت عام شاہراہ سے ہٹ کر نئے میدان اور منزل کی تلاش وجستجو میں نکل گیا، اور ایسے حالات میں انہوں نے جامعہ ازہر مصر میں تعلیم حاصل کرنے کا عزم کرلیا۔ ترقی کے ظاہری و مادی وسائل موجود نہ ہوتے ہوئے بھی ''جامعہ ازہر'' میں تعلیم حاصل کرنا، اس میں داخلے کے شرائط کو پورا کرنا، غیر ملک میں ہونے کی وجہ سے ان تمام قانونی مرحلوں سے گزرنا آسان نہیں تھا؛ لیکن ان کی ہمت، ان کے عزم اور حوصلے سے ان کو کامیابیاں حاصل ہوتی گئیں، اور بالآخر وہ جامعہ ازہر میں داخل ہوگئے۔ ان کے طائر ہمت کی بلندی اور اس کے ساتھ غیر معمولی جدوجہد، ہی نے ان کو علم وتحقیق کے اس ممتاز مقام تک پہنچادیا، جہاں تک کم ہی لوگوں کو پہنچنا نصیب ہوا کرتا ہے۔

انہوں نے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلامی علوم کی خدمت کا جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے اس کی ایک طویل فہرست ہے، مگر جس نے مجھ کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ ان کی اہم تصنیف ''**منهج النقد عند المحدثين**'' ہے، یہ کتاب ان کے علمی وفکری بلندی کا شاہکار ہے۔ یہ فن جرح وتعدیل کی تاریخ اور حضرات محدثین کے طریقہ جرح وتعدیل میں ایک اہم کتاب ہے۔ جرح وتعدیل کا فن مسلمانوں کا ایجاد کردہ ایک اہم اور عظیم الشان فن ہے۔ جس طرح حدیث اور علم الحدیث، اس کی

تاریخ، تدوین درجہ بدرجہ کیسے وجود میں آئی ؟ کثرت سے اس پر کتابیں لکھی گئی ہیں اور مدارس میں حدیث کی کتابوں کا درس دیتے وقت ابتداءِ سال میں اساتذہ و معلمین اس کو بیان بھی کرتے ہیں، مگر علم جرح وتعدیل کس قدر اہم اور مہتم بالشان ہے؟ یہ کس طرح وجود میں آیا؟ اور حدیث کے دو جز سند اور متن، اسناد کی جرح وتعدیل اور اس کے متن کا نقد ایک ساتھ وجود میں آیا یا باری باری ؟ اسی طرح جرح وتعدیل اور نقد کرنے والے عام محدثین ہیں، جس طرح حدیث کی تدوین میں عام محدثین کو دخل ہے یا ایک خاص طبقہ ہے، جو اس کام کو انجام دیتا تھا ؟ اور پھر ان کی جرح وتعدیل اور نقد زبانی روایات تک محدود تھیں یا ان کو قید تحریر میں بھی لایا گیا؟ اور قید تحریر میں لایا گیا تو کب؟ جب تک ان سب باتوں کی تفصیل نہ ہو، فن جرح وتعدیل کی جو اہمیت بیان کی جارہی ہے اور اس کو مسلمانوں کا ایجاد کردہ کہا جارہا ہے اور موجودہ زمانہ میں نقد کا جو طریقہ ہے، مسلمانوں کا نقد اور جرح وتعدیل اس سے بہت ہی بلند بالا ہے۔ ان سب کو بصیرت کے ساتھ بیان کرنا اور اس طرح لکھنا کہ دوسروں کو بھی یقین حاصل ہو جائے اور وہ بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہوں، ممکن نہیں تھا۔ جرح وتعدیل کی ضرورت اور حدیثوں کی سند اور اس کے متن پر نقد، بہت مختصر طور پر امام مسلم نے اپنی کتاب ''**صحیح مسلم**'' کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح امام ترمذی نے ترمذی کے آخر میں ''**کتاب العلل الصغیر**'' میں اس سے بھی مختصر طور پر لکھ رکھا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ صاحب کو امام مسلم کی ''**کتاب التمییز**'' کا ایک جز اور ایک حصہ کہیں سے دستیاب ہوا، اس کتاب میں امام مسلم نے احادیث کی جانچ اور اس پر نقد کو تحریر کیا ہے اور پھر بتلایا ہے کہ حدیث پر نقد وجرح کا ہمارا یہی طریقہ ہے۔ اس بنا پر ڈاکٹر صاحب نے محسوس کیا کہ اس کتاب کے مقدمے کے طور پر ایک کتاب لکھی جائے، جس میں حدیث کے لیے جرح وتعدیل اور اس کے نقد کی ضرورت، اور متن حدیث کے اعتبار سے اس کی جرح وتعدیل اور اس کے نقد کی ابتدا اور اسناد کے اعتبار سے اس کی ابتدا کب اور کیوں کر ہوئی ؟ پھر یہ درجہ بدرجہ کس طرح کامل و مکمل ہوئے ؟ اس کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے، کیونکہ عام طور سے یہ بحث کہیں نہیں پائی جاتی تھی۔ سوائے ابن حبان کی ''**کتاب المجروحین**'' کے کہ ابن حبان نے اس کو کسی قدر تفصیل سے اپنی مذکورہ کتاب میں بیان کیا ہے۔

مولانا نے اس کو زمین بنا کر اپنی کتاب ''**منهج النقد**'' میں اس کو مفصل و مرتب لکھ دیا ہے اور اس

پر محدثین کے جرح وتعدیل کے طریقہ کا اضافہ کردیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ اس کے جرح ونقد کا وجود ان مشائخ کی زبانی تھا پھر اس کو قید تحریر میں لایا گیا۔اس کے قید تحریر میں لانے کے ذکر پر اس تاریخ کو ختم کردیا ہے اور انہوں نے پہلے محدثین کے طریقۂ نقد کو بیان کیا ہے اور پھر مغرب نے جو طریقۂ نقد ایجاد کیا ہے اس سے اس کا مقابلہ کر کے ثابت کردیا ہے کہ مغرب کا طریقۂ نقد، محدثین کے طریقۂ نقد کے گرد پا کے برابر بھی نہیں ہے۔مولانا کی اس کتاب کے بعد ان کے متعلقین وتبعین اور تلامذہ نے اس میں کچھ اور اضافہ کیا ہے جو سب کا سب مولانا کے حصہ میں ہی آئے گا۔''کتاب المجروحین'' کے مقدمہ میں یہ مذکور بات ایسی مقبول ہوئی کہ اب کچھ لوگوں نے اس حصہ کو الگ سے شائع کردیا ہے۔

''صحیح ابن خزیمة'' کا کہیں نام ونشان نہیں تھا اور اس کا سراغ کہیں نہیں لگ رہا تھا، لوگ کہتے تھے کہ ابن حجرؒ کے پاس اس کا کچھ جز تھا، اس سے پہلے ابن قیمؒ کے پاس اس کے کچھ اجزاء پائے جانے کی خبر ملتی تھی۔مولانا نے اس کو تلاش کیا اور جدوجہد اور سعی کے بعد اس کا کچھ حصہ ان کو دستیاب ہوا، انہوں نے تحقیق وتعلیق کے ساتھ اس کو شائع کردیا۔اس کی احادیث پر صحیح، ضعیف وغیرہ کا حکم خود اپنی تحقیق سے لگانے کے بجائے ''البانی'' کے لگائے ہوئے حکم کو نقل کردیا ہے۔اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد صحیح ابن خزیمہ کے بارے میں یہ معلوم ہوگیا کہ وہ ہر حدیث پر حکم نہیں لگاتے ہیں، ان کا حال ترمذی کا سا ہے جیسے ترمذی کسی حدیث پر حکم لگاتے ہیں کسی پر نہیں لگاتے۔اس لیے محض صحیح ابن خزیمہ میں مذکور ہونے کی بنا پر اس حدیث پر صحت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا بلکہ یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ اس کے بارے میں ابن خزیمہ نے کیا حکم لگایا ہے۔

علماء احناف واہل حدیث کے درمیان اس مسئلہ میں بڑا اختلاف وبحث ومباحثہ رہا، اس کتاب کے طبع ہوجانے سے وہ مسئلہ حل ہوگیا کہ علماء احناف جو کہتے تھے وہی صحیح ہے کہ وہ کتاب ایسی ہی ہے جیسے ترمذی کی کتاب ''السنن للترمذي'' ہے۔

۲- ڈاکٹر محمد مصطفیٰ صاحب کا دوسرا کمال یہ ہے کہ حدیث کی جمع وتدوین اور اس کی تاریخ پر مستشرقین کے جو اعتراضات ہیں ان کا بلاواسطہ ان کی زبان اور اصل کتابوں سے انہوں نے مطالعہ کیا۔ان اعتراضات کا گہرائی اور باریک بینی کے ساتھ جائزہ لیا۔ان کے اسباب ومحرکات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش

کی اور پھر نہایت تحقیق اور تفصیل کے ساتھ ان کا جواب لکھ کر ان کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے۔ اس موضوع پر اور مستشرقین کے جواب میں اب تک جتنی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ مفصل اور مبسوط ڈاکٹر صاحب کی کتاب ''دراسات في الحديث النبوي'' ہے جو عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہو چکی ہے، بلکہ اصلاً انگریزی زبان ہی میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کو اگر اعتدال پسند مستشرقین نے انصاف کی نظر سے دیکھا اور پڑھا ہوگا، تو ان کو اپنے موقف اور اپنے اعتراضات کی بے وقعتی اور بودے پن پر یقیناً نظر ثانی کرنا پڑا ہوگا، اور ان کو حدیث وسنت کی حجیت وحقانیت کا اعتراف کرنا پڑا ہوگا، بلکہ آپ کے رسالہ کے سپروائزر ڈاکٹر آر. بیری نے اعتراف کے بعد ان کے مقالہ کو سراہا اور ڈگری دیا۔

۳- تیسری بات جس سے ڈاکٹر اعظمی صاحب کی علمی عظمت کا پتہ چلتا ہے وہ کمپیوٹر پر حدیث کی فہرست سازی ہے، جس میں ان کو اولیت حاصل ہے۔ عصر حاضر کے تقاضوں اور دور جدید کے حالات کے پیش نظر ان کے دل میں اس اہم کام کو انجام دینے کا داعیہ پیدا ہوا، اور انہوں نے اس کام کو اس وقت شروع کیا جب شاید کسی کے دل میں اس کی ضرورت کا احساس بھی نہیں پیدا ہوا ہوگا، ڈاکٹر صاحب کا یہ بھی ایک امتیازی اور علمی کارنامہ ہے، جس کی وجہ سے علمی دنیا میں ان کو ایک الگ شناخت حاصل ہے۔

ان معروضات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی اہل علم کو آج بھی بہت سے علمی وتحقیقی میدانوں میں فضیلت وبرتری کا شرف حاصل ہے، اور انہوں نے علم وفن اور تحقیق وجستجو کی نئی نئی جولان گاہوں میں اپنے فضل وکمال کا سکہ جما کر ہندوستان کا نام روشن کیا ہے، اور دنیائے علم وفن نے ان کی علمی عظمت کو تسلیم کیا ہے اور ان کے کارناموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کو ان کی خدمات کے اعتراف میں ''فیصل ایوارڈ'' سے سرفراز کرنا اسی قدر دانی کا بیّن ثبوت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے انتقال سے علمی وتحقیقی حلقوں میں ایک غیر معمولی خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی وفات سے واقع ہونے والے خلا کو اپنے فضل سے پُر فرمائے اور ان کی علمی ودینی خدمات کا اپنے شایانِ شان اجر عطا فرمائے، آمین۔

❁ ❁ ❁

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ کا ایک مثالی کارنامہ

مولانا نظام الدین اسیرؔ ادروی

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ مشرقی اتر پردیش کے ایک ذہین وفطین عالم تھے۔ قدرت نے ان کو بہت صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ خدائے واحد کی عطا کردہ اس عظیم نعمت کی قدر اس طور پر کیا کہ ساری زندگی دینی وعلمی خدمات میں صرف کر دی۔ پچھلے دنوں وہ ہم سے رخصت ہو گئے۔ کسی بھی شخصیت کو جاننے و پہچاننے کے لیے اس کے علمی کارناموں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ موصوف کے مقام ومرتبہ کو سمجھنے کے لیے جب ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ حقیقت بہت واضح طریقے سے ہمارے سامنے آتی ہے کہ موصوف بہت وسیع المطالعہ تھے، اس کی مثال میں ان کی صرف ایک کتاب کو پیش کیا جاتا ہے۔ اہل علم اسی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کا دائرۂ معلومات کتنا وسیع تھا، اور حقائق کی دریافت میں کسی بھی جدوجہد میں کمی نہیں کرتے تھے۔ آج علمی دنیا بہت وسیع ہو چکی ہے۔ آج زمین کی طنابیں کھنچ گئی ہیں اور پوری دنیا سمٹ کر ایک شہر کی طرح ہو گئی ہے۔ دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی انقلاب آتا ہے، کہیں اقتدار کا کوئی فلک بوس محل گرتا ہے تو اس کی دھمک پوری دنیا میں سنائی دیتی ہے۔ کسی خطۂ ارض میں اقتصادی، معاشی، معاشرتی، نظریاتی بے چینیاں کروٹیں لیتی ہیں۔ آگ اور بارود کے دھوئیں میں نئے مستقبل کے سورج کی کرنیں نمودار ہوتی ہیں تو اس کی جھلک یا اس کا پرتو ہر چہار جانب نظر آنے لگتا ہے۔ اسی طرح فکری ونظری انقلاب بھی جب کہیں رونما ہوتا ہے اور تحقیق وتنقید کے نام پر ماضی کے مسلمہ نظریہ یا افکار پر جمود وانکار کی ضرب پڑتی ہے تو پوری دنیا میں اس کی گھن گرج سنائی دیتی ہے اور دل دماغ پر اس کے مثبت ومنفی اثرات ہر جگہ مرتب ہوتے ہیں۔ نقطۂ نگاہ، زاویۂ فکر اور نظریاتی طور پر ذہن وفکر کی دنیا میں دو طبقے پیدا ہو جاتے ہیں، ایک جدید انقلاب کی حمایت یا نظری وفکری نتائج کی تائید کرتا ہے، اور دوسرا شدت سے اس کی مخالفت کرتا ہے۔ یہ شب وروز کا تجربہ اور مشاہدہ ہے، جس طرح ریڈیو اسٹیشنوں سے خبریں نشر کرنے والے کی آواز ہوا کی لہروں پر دوڑتی

ہے اور ہزاروں میل دور تک چند لمحوں میں پہنچ جاتی ہے، اور ہر شخص اس سے نفیاً یا اثباتاً کچھ نہ کچھ متأثر ہوتا ہے، بالکل یہی حال علمی دنیا میں جدید تحقیقات واکتشافات کی برقی رَو کا بھی ہوتا ہے، وہ بھی اتنی ہی تیزی کے ساتھ پوری دنیا میں پہنچ جاتی ہے اور ہر ذہن کو متأثر کرتی ہے اور کبھی کبھی اس کی وجہ سے بہت بڑا اور اہم ذہنی وفکری انقلاب پیدا ہو جاتا ہے، اس کی بہت واضح مثال مصر وشام اور ہندوستان میں فتنۂ انکار حدیث ہے، جو یوروپ کی یونیورسٹیوں کی صدائے بازگشت ہے۔ آج سے پوری ایک صدی قبل مستشرقین نے اسلامیات کو نشانہ بنا کر تنقید وتشکیک کے کئی زہریلے تیر چلائے اور انہوں نے اپنی دانست میں اسلام کو کاری ضرب لگائی ہے؛ کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا کہ عالم اسلام کی مذہبی ودینی فضا میں تموج پیدا ہوا جس طرح تالاب کی ساکن سطح پر کوئی پتھر پھینک کر پیدا ہونے والی لہروں کا تماشہ دیکھتا ہے۔ مستشرقین بھی اسلامی دنیا میں اس تموج کا تماشا دیکھنے میں مصروف رہے، انہوں نے تمام ذخیرۂ حدیث کو ناقابل اعتماد ثابت کرنے پر پورا زورِ قلم صرف کر کے ملت اسلامیہ پر بزعم خویش کاری ضرب لگائی ہے۔

مشہور مستشرق گولڈ زیہر کا کارنامہ:

آج سے ٹھیک ایک سو سال پہلے ۱۸۹۰ء میں اگناس گولڈ زیہر نے اپنا تحقیقی مقالہ جرمن زبان میں Muhammad Anishe Studien کے عنوان سے لکھا اور شائع کیا اور پھر انگریزی میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کر کے ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ گولڈ زیہر کی اس کتاب کی اشاعت سے اسلام دشمن طبقہ میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کے حلقوں میں اس کو مقبولیت حاصل ہوگئی کہ بعد کے دور کے سارے مستشرقین کے نزدیک اس کی یہ کتاب انجیل مقدس کی حیثیت اختیار کر گئی اور اس کو اسلام مخالف طاقتوں نے آسمانی کتاب کا درجہ دے دیا اور اس پر اس یقین واعتماد کے ساتھ ایمان لائے کہ اس میں کسی غلطی کا کوئی امکان ہی نہیں اور اس کے دلائل ناقابل شکست ہیں، اور پوری اسلامی دنیا اس کی تردید سے قاصر رہ جائے گی۔ گولڈ زیہر کی کتاب کے شائع ہونے کے تقریباً ساٹھ سال بعد مشہور اور متشدد یہودی مستشرق پروفیسر شاخت کی علمی سرگرمیاں شروع ہوئیں، اس نے بھی اپنے پیش رو گولڈ زیہر کی طرح اسلامیات کی ایک شاخ احادیث فقہیہ کو اپنا موضوع سخن بنایا اور پورے دس سال اس نے اس موضوع پر مطالعہ کرنے میں صرف کیے اور دس سال کی شبانہ روز محنت کا حاصل اس نے Bringins of Mohammadan

Jurisprudence کی شکل میں علمی دنیا کے سامنے پیش کیا، اس کتاب میں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں، بالخصوص فقہیات کی جتنی روایتیں اور حدیثیں ہیں وہ سب کی سب بلا استثنا جھوٹی اور بعد کے علماء کی مخترعات ہیں، یعنی گولڈزیہر نے احادیث کی صحت میں شک وشبہ کا اظہار کیا تھا، شاخت نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ کہا کہ پورے یقین واعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تمام ذخیرۂ حدیث میں ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے۔ درحقیقت ڈاکٹر محمد مصطفی اعظمیؒ کا وہ تحقیقی مقالہ جو ''دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه'' کے عنوان سے کتابی شکل میں منظر عام پر آیا ہے، مصنف نے اس میں تدوین حدیث کی مکمل تاریخ پیش کی ہے۔ مشہور مستشرقین شاخت اور گولڈزیہر وغیرہ جو احادیث اور اس کی سندوں کو جعلی قرار دیتے ہیں انہیں کے ملک میں انہیں کی یونیورسٹی میں بیٹھ کر یہ مقالہ لکھا ہے اور انہیں کے ذہن ومزاج رکھنے والے پروفیسروں نے مقالہ کو تشفی بخش تسلیم کر کے بڑی مسرت کے ساتھ مقالہ نگار کو ڈگری تفویض کی ہے، مقالہ نگار نے مستشرقین کے تمام اعتراضات کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک کی مدلل تردید کی ہے۔ اور تاریخ سے ایسی شہادتیں پیش کی ہیں کہ ان کی تکذیب کی ان میں ہمت نہیں ہے۔ تاریخ کے مستند حوالوں سے انہوں نے اپنے پورے مقالہ کو بھر دیا ہے، ان کا سب سے بڑا بلکہ بنیادی اعتراض یہ تھا کہ تمام حدیث کی متداول کتابیں اور بالخصوص صحاح ستہ کی جملہ کتابیں پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے دوصدی بعد لکھی گئیں، اتنے زمانے تک کسی شخص کی بات کو حرفاً حرفاً یاد رکھنا ناممکن ہے، بعد کے علماء نے ان حدیثوں کو گڑھ کر ان کے ساتھ فرضی سندیں جوڑ کر حدیث کے موجودہ مجموعوں کو مرتب کیا، اس کے جواب میں مقالہ نگار نے مستند تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ صحاح ستہ یا ان سے کچھ پہلے یا کچھ بعد میں حدیث کے مرتب مجموعوں سے بہت پہلے بھی حدیثوں کے بے شمار مجموعے موجود تھے، یہ غلط اور بے بنیاد اعتراض ہے کہ اس سے پہلے حدیثوں کے لکھنے کا رواج نہیں تھا، مقالہ نگار نے تاریخ کے حوالے سے ایسی مستند شہادتیں ڈھونڈ نکالی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں حدیثوں کے مجموعے موجود رہے؛ چنانچہ تاریخ کے پاس ۹۹ر تابعین اور صغار تابعین وتبع تابعین میں سے ۲۵۲ر اشخاص کے پاس حدیث کے اپنے اپنے مجموعے تھے، اس طرح آغاز اسلام ہی سے احادیث کو جمع کرنے کا طریقہ رائج تھا، اور تاریخ میں ناقابل انکار شہادت موجود ہے کہ کم از کم ۴۰۳ر اشخاص ایسے تھے جن کے پاس لکھی

ہوئی حدیثیں موجود تھی۔

پھراس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو پیش نظر رکھیے کہ ہر محدث اپنے شاگردوں کو حدیث کا درس دیتا تھا اور حدیث کا املا کراتا تھا، جیسا کہ محدثین کے علمی اسفار سے اس کی سیکڑوں شہادتیں ملتی ہیں، اگر ان ۴۰۳رمحدثین کے صرف دس دس شاگرد بھی تسلیم کر لیے جائیں (جبکہ ایک ایک محدث سے حدیثوں کا سماع کرنے والے تیس تیس ہزار تک رہے ہیں) اور وہ سب کے سب حدیثوں کو لکھ لیا کرتے تھے، تو ایسی صورت میں چار ہزار تین سو احادیث کے مجموعے دنیا میں موجود رہے جب صحاح ستہ جیسے احادیث کے مجموعے مرتب کیے جارہے تھے۔ یہ ان حضرات کا ذکر ہے جن کا تذکرہ اتفاقاً تاریخ میں آ گیا ہے، ورنہ ان کے علاوہ ہزاروں وہ شائقین علم حدیث ہیں جن کے علمی قافلے احادیث کو سننے اور لکھنے کے فرض سے ہردم رواں دواں رہتے تھے، ان سب کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی چار ہزار سے زیادہ حدیث کے مجموعے میں سے صحاح ستہ مرتب کی گئیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے اور کس طرح ان کی حدیثیں نا قابل اعتماد ہوگئیں، یہ اتنی بڑی شہادت ہے کہ اس کی تکذیب کی وہی ہمت کر سکتا ہے جس کے دماغ میں علم کی روشنی کے بجائے تعصب کی تاریکی بھری ہوئی ہے۔ کتاب کی پوری ایک جلد انہیں تاریخی حوالوں سے بھری ہوئی ہے، اور دوسرے ضمنی مباحث بھی تدوین حدیث کی تاریخ کے ذیل میں آ گئے ہیں، ہر جگہ تحقیق وتفتیش کا پورا پورا حق ادا کر دیا گیا ہے۔

ہندوستان میں جب انگریزوں کا نیر اقبال طلوع ہوا تو انھوں نے اپنے اقتدار کو مستحکم اور دیرپا بنانے کے لیے کئی حربے اختیار کیے، انہیں حربوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ مسلمانوں سے مذہب کی گرفت کو ڈھیلا کیا جائے، اس مقصد کو لے کر انیسویں صدی کے نصف آخر سے لے کر بیسویں صدی کے نصف اول تک کئی نمایاں افراد سیاست کے بجائے مذہبی قیادت کے لاؤلشکر کے ساتھ ملت اسلامیہ کے دوست نما دشمن بن کر وجود میں آئے۔ انہوں نے حدیثوں کو بازیچۂ اطفال بنا دیا، جس حدیث کو چاہا موضوع کہہ دیا، جس حدیث کو چاہا جھوٹی کہہ دیا، ان کی تلواروں کے وار سے نہ بخاری بچے نہ امام مسلم؛ بلکہ محدثین کی عملاً جسد ملت میں ناسور ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ سرسید احمد خاں ان کے ساتھ مولوی چراغ علی اور غلام احمد قادیانی انگریزی حکومت کے ہی ساختہ پرداختہ تھے، اس کے بعد احمد الدین امرتسری، پھر عبداللہ......

بقیہ صفحہ (۲۶) پر

مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ کے ساتھ میری رفاقت

مولانا مشتاق احمد الاعظمی القاسمی، سابق نائب ناظم دارالعلوم مئو

بندۂ حقیر راقم السطور کی ابتدائی تعلیم، پڑوس میں ایک غریب گھرانے میں ہوئی، جس میں کل تین نفر تھے: ماں، بیٹی اور صاحبزادہ حکیم محمد نظام علیؒ، جنہوں نے دارالعلوم مئو سے غالباً عربی متوسطات کی کتابیں پڑھنے کے بعد حکمت (طب یونانی) کی تعلیم بھی حاصل تھی، فارسی وغیرہ کی استعداد عمدہ تھی، اپنی ہمشیرہ مسماۃ سلیمہ خاتون کو بھی ایک حد تک عالمہ فاضلہ بنا دیا تھا۔ قرآن کریم ناظرہ و فارسی کی چند کتابیں اُن کے یہاں پڑھ کر مدرسہ دارالعلوم مئو میں پرائمری میں داخلہ لیا، پرائمری کے بعض اساتذہ کے اسماءِ گرامی آج بھی ذہن کے کسی گوشہ میں محفوظ ہیں، ہرکیش پورہ کے حافظ محمد شفیع مرحوم کے پاس قرآن کریم ناظرہ دوبارہ رواں کیا نیز حافظ محمد اسماعیل مرحوم کیاری ٹولہ اور منشی عبدالحی مرحوم سے استفادہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ پرائمری کے بعد خیال یہ تھا کہ شعبہ عربی میں داخلہ لوں مگر رفقاء جس میں مقامی میں سے محمد حسن بن حافظ رفیع الدین و محمد غفران بن [ ] ساکنان محلّہ کادی پورہ وغیرہ اور آس پاس مضافات کے طلبہ بھی، جن کا رجحان درجہ منشی میں جانے کی طرف تھا، اُس وقت الہ آباد بورڈ کے امتحانات کی شہرت و قیمت تھی۔ منشی، کامل میں طلبہ اچھے خاصے تھے، اساتذہ بھی ماشاء اللہ ایک سے ایک، بڑے لائق و محنتی تھے۔ مظفر پور، دربھنگہ، چمپارن و دیگر مقامات سے آ کر طلبہ داخلہ لیتے، اس کی بڑی وجہ استاذ مکرم جناب منشی ممتاز احمد صاحب مظفر پوری، گورکھپور کے حافظ عبدالستار صاحب خطاط و خوشنویس، منشی رفیع اللہ گھوسوی اور منشی ظہیر الحق نشاطؔ مرحوم جیسی با فیض شخصیتوں کا وجود مسعود تھا۔

مئو کے طلبہ میں آس پاس کے کچھ، کامل کی تیاری کر رہے تھے، بڑی مسجد کادی پورہ کے منشی فیض الرحمٰن اور منشی حفیظ الرحمٰن دونوں چچازاد بھائی پڑھنے میں اچھے تھے، کامل کے علاوہ درجہ منشی کے امتحان کی تیاری میں کافی طلبہ لگے ہوئے تھے۔ راقم نے بھی منشی کی تیاری شروع کر دی۔ منشی کے ساتھیوں میں اکثر لڑکے اب اللہ کو پیارے ہو چکے، مذکور الصدر دونوں لڑکوں: محمد حسن وغفران کے علاوہ، پہاڑ پورہ کے عبد

السلام بن محمد اسماعیل مرحوم و منشی فیض الحسن (داماد مولانا حکیم محمد فاروق صاحب مرحوم)، ڈومن پورہ کے منشی محمد یوسف، کیاری ٹولہ کے محمد یونس اور بلاقی پورہ کے محمد مصطفیٰ بن حاجی محمد اسحاق، محمد مصطفیٰ گورے بن [ ] اور منشی احسان احمد بن عبد الجبار جیسے مرحومین کے نام اب تک ذہن کے دریچوں میں موجود ہیں، (رحمهم الله رحمة واسعة) ان ہی رفقاءِ درجہ منشی میں سے منشی فیض الحسن بن حافظ محمد مرحوم کی ذات ہے، جو الحمد للہ بقید حیات ہیں۔

مئو کے طلبہ میں امتحان کامل سے فارغ ہو کر منشی فیض الرحمٰن نے تجارتی لائن اختیار کر لی اور منشی ٹیکسٹائل کے نام سے ان کے فرم کو کافی شہرت ملی، دوسرے چچا زاد بھائی منشی حفیظ الرحمٰن شعبہ عربی میں منتقل ہو گئے، منشی کے امتحان سے فارغ ہو کر کچھ طلبہ، شعبہ عربی میں داخل ہو گئے۔ راقم السطور درجات منشی میں عربی کی ابتدائی کتب پڑھ چکا تھا، اس لیے اس کا داخلہ عربی دوم میں ہوا، میرے رفقاء میں ادری، کوپا گنج اور مضافات کے کافی طلبہ تھے، انہی ساتھیوں میں ایک حبیب الرحمٰن ادروی تھے، جو بعد میں ندوی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابتدا ہی سے تمام کتابوں میں میرے ساتھ تھے، ہمارے عربی میں آنے سے ایک سال پہلے، کیاری ٹولہ کے مولوی عبد الرحمٰن صاحب کے صاحبزادے محمد مصطفیٰ نامی طالب علم بھی عربی میں داخل ہو چکے تھے، جو منشی حفیظ الرحمٰن کے رفیق درس رہے۔ محمد مصطفیٰ سے میری پہلی شناسائی، حبیب الرحمٰن ندوی ہی کے واسطے سے ہوئی، کیونکہ محمد مصطفیٰ کے خاندانی بھائی مولوی محمد اختر کی شادی، ندوی صاحب کے گھرانہ میں ہی ہوئی تھی، اس لیے وہ ان سے پہلے سے متعارف تھے۔

عربی شعبہ میں اس وقت کے اساتذہ کی نگاہوں میں اس نو وارد طالب علم نے اپنی ذہانت، محنت، لگن اور مطالعہ میں انہماک و دلچسپی کے باعث، ایسی جگہ بنالی کہ اس کی مثال دور دور تک نہیں مل سکتی، ہر استاذ اسے ہر دل عزیز، اور ہر مدرس اسے اپنا محبوب نظر بنائے ہوئے تھا، اپنی خستہ حالی اور مفلوک الحالی کے باوجود، پڑھنے میں انتہائی جفاکش اور اساتذہ کی باتوں کو بغور سننے اور سمجھنے کی بے پناہ صلاحیتوں کی بنا پر وہ اپنے تمام ساتھیوں پر فائق رہا۔

عربی پنجم تک کی تعلیم دارالعلوم مئو میں مکمل کر کے اوّلاً مدرسہ شاہی مراد آباد گئے، وہاں بھی پہنچ کر چند ہی ماہ میں اپنی ذہانت کا لوہا منوالیا، بعض حاسد طلبہ کی نگاہوں میں کھٹکنے لگے، نتیجتاً ایک ناخوشگوار واقعہ کے پیش آجانے کے بعد درمیان سال میں ہی مدرسہ شاہی چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند چلے گئے، درمیان سال میں

داخلہ ممکن نہ تھا، سماعت کرتے رہے اور انگلش پڑھنے کی بھی سبیل پیدا کر لی، من جانب اللہ ایک افریقی طالب علم، مولوی اسماعیل جو انگریزی زبان میں ماہر، بلکہ ان کی مادری زبان ہی انگریزی تھی، سے ان کی رفاقت ہوگئی، بڑی محنت اور شفقت سے پڑھانا شروع کر دیا، دارالعلوم دیوبند کے صدر گیٹ کے اوپر ان کی رہائش تھی، وہیں جا کر پوری محنت اور لگن کے ساتھ انگلش پڑھنا، لکھنا اور بولنا بھی سیکھ لیا، پھر انگریزی میں ایسی استعداد پیدا کر لی کہ علی گڈھ کے اونلی انگلش کے ہائی اسکول، ایس ایس سی وغیرہ کے امتحانات پے در پے دیتے گئے۔

نئے تعلیمی سال میں داخلہ لے کر سب سے پہلے علوم وفنون کی کتابیں پڑھنا شروع کیں۔اس وقت درجہ بندی نہیں ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے ریکارڈ کے مطابق ۶۸-۱۳۶۷ھ = ۴۹-۱۹۴۸ء میں پہلے سال آپ نے علوم وفنون کی ۱۵ر کتابیں، مختلف اساتذۂ گرامی قدر سے پڑھیں۔

علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ سے: ۱-شرح عقائد جلالی،۲-قاضی مبارک،۳-رسالہ میر زاہد،۴-اُمورِ عامہ کا درس لیا۔مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ کے پاس: ۱-تصریح،۲-اقلیدس،۳-بست باب،۴-شرح چغمنی جیسی ادق کتابیں پڑھیں۔مولانا عبد الخالق صاحب پشاوریؒ کے پاس: ۱-توضیح تلویح،۲-صدرا کے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی، جبکہ حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ سے میبذی، مولانا عبد الاحد صاحبؒ سے شرح عقائد نسفی، مولانا فخر الحسن صاحبؒ سے دیوان المتنبی اور خوشخطی کی مشق حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب دیوبندیؒ کے پاس کرتے رہے۔

آئندہ دوسرے تعلیمی سال ۶۹-۱۳۶۸ھ=۵۰-۱۹۴۹ء میں درج ذیل کتب کا درس اِن حضرات اساتذہ گرامی قدر سے لینے کا شرف حاصل کیا:

علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ: ۱-شمس بازغہ،۲-رسالہ میر زاہد،۳-شرح اشارات۔مولانا فخر الحسن صاحبؒ: ۱-حمد اللہ،۲-مسلّم الثبوت۔مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ: بیضاوی سورہ بقرہ۔مولانا معراج الحق صاحبؒ سے: ۱-دیوان حماسہ،۲-سبعہ معلقہ۔جناب قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ سے: فوائد مکیہ اور مشق قراءت۔ اور مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ سے خوشخطی کی مشق کرتے رہے۔

تیسرے تعلیمی سال ۷۰-۱۳۶۹ھ=۵۱-۱۹۵۰ء میں: ہدایہ اخیرین کا درس، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ (شیخ الادب والفقہ)، مشکوۃ شریف اور نخبۃ الفکر حضرت مولانا جلیل احمد صاحب، جزری اور

مشق قراءت جناب قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ اور خوشخطی کی مشق، مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ کے پاس انجام دیتے رہے۔

چوتھے تعلیمی سال ۷۱-۱۳۷۰ھ =۵۲-۱۹۵۱ء میں بخاری شریف کی دونوں جلدیں اور ترمذی شریف، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ دورہ حدیث کی بقیہ کتابوں میں سے مسلم شریف حضرت علامہ بلیاویؒ سے، ابوداؤد شریف اور شمائل ترمذی حضرت مولانا اعزاز علیؒ (شیخ الادب والفقہ) سے، طحاوی شریف: مولانا مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ سے، نسائی وموطا امام محمد: مولانا سید فخر الحسن سے اور ابن ماجہ: وموطا امام مالک: مولانا ظہور احمد صاحب علیہ الرحمہ سے پڑھیں۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ چونکہ شروع ہی سے نہایت محنتی، جفاکش، بیحد ذہین، ذکی اور وقت کے قدر شناس اور مطالعۂ کتب کے رسیا تھے، مطالعہ کی لذت کوشی کا عالم یہ تھا کہ جو بھی نئی کتاب ہاتھ لگ جاتی، خواہ کتنی ہی ضخیم ہواُسے شروع سے آخر تک پڑھے بغیر دم نہ لیتے۔ عربی زبان کا مشہور مقولہ: ''الوقت أثمن من الذهب''، ہمیشہ پیش نظر رہا، دنیا میں جتنی باکمال ہستیاں، آسمان شہرت کو چھونے اور نقش دوام قائم کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں، ان کی شخصیت کی تعمیر میں وقت کی قدر دانی کا عنصر، بڑا دخیل رہا ہے۔ وہ بڑے خوش قسمت لوگ ہیں جو شب وروز کی ایک ایک ساعت کی پوری پوری قیمت وصول کیا کرتے ہیں اور چند سالوں میں اتنا کچھ کر گذرتے ہیں، جتنا ایک پوری جماعت؛ بلکہ اکیڈمی بھی نہیں کرسکتی۔ ایسی ہی ہستیوں میں ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی - رحمہ اللہ - کی ذات گرامی بھی تھی۔ انہیں راقم نے بڑے قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے، اور جو کچھ کہا گیا ہے وہ تجربہ کی روشنی میں کہا گیا ہے۔ موصوف کا ابتدائی دَور آنکھوں کے سامنے ہے، کیسی مفلوک الحالی، بے کسی اور بے بسی کے عالم میں ان کے شب وروز گذرتے تھے، اس کا نقشہ کھینچنا بھی دشوار اور تصور سے بالاتر ہے۔

جب تک مولانا اعظمی مئو کی سرزمین پر زیر تعلیم رہے، باپ کی پہلی اولاد ہونے کے باعث گھریلو کام کاج میں پورا پورا حصہ لیا کرتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ مدرسہ میں پڑھی ہوئی کتابوں کا مراجعہ اور اگلے روز کے درس کا مطالعہ، ان کے معمولات کا اٹوٹ حصہ تھا۔ دیوبند پہنچنے کے بعد گھریلو کام کاج سے موقع ملا تو پورے انہاک کے ساتھ پڑھائی میں لگے رہے، کسی غیر ضروری کام میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے

دیتے۔علوم وفنون کی اکثر کتابیں چونکہ علامہ بلیاویؒ سے پڑھی تھیں، ان کے درس سے زیادہ متاثر ہوا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ خارج میں بھی استفادہ کے لیے علامہ کے درِ دولت پر حاضر ہوا کرتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد غالباً علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے لیے باضابطہ داخلہ لیا اور جامعہ ازہر میں داخلہ کے لیے کوشش کرتے رہے، غالباً ایک ہی سال ابھی علی گڈھ میں گذارا تھا کہ جامعہ ازہر میں داخلہ کی منظوری آگئی۔ایم اے کو نامکمل چھوڑ کر مصر جانے کے لیے راہیں ہموار کرنے میں لگ گئے۔ جامعہ ازہر میں داخلہ بغیر کسی مالی تعاون (اسکالرشپ) کے ہوا کرتا تھا، حتی کہ پہلی مرتبہ جانے کے لیے بھی ٹکٹ کا نظم طالب علم کو خود کرنا پڑتا تھا، اور پھر وہاں پہنچ کر ہاسٹل کی سہولت تو مل سکتی تھی لیکن خورد ونوش کا انتظام خود ہی کرنا ہوتا تھا، موصوف کے شوقِ علم کو دیکھ کر مئو وغیرہ کے متعدد مخیّر حضرات کے دلوں میں جذبۂ خیر پیدا ہوا، اور آپ کے لیے تعاون پیش کیا، بالآخر مصر کے لیے رختِ سفر باندھا۔ وہاں پہنچ کر ۱۹۵۳ء میں داخلہ کی تکمیل کرکے تین سال خوب محنت وجانفشانی سے پڑھ کر ۱۹۵۵ء میں ''**شهادةُ العالمية مع الإجازة بالتدريس**'' سے سرفراز ہوئے۔

غالباً مصر سے فراغت کے بعد ملازمت کی تلاش میں قطر چلے گئے، ابتداءً غیر عربی داں حضرات کو عربی پڑھانے کے لیے مدرسی پر مامور ہوئے اور اسی کے ساتھ قطر کی پبلک لائبریری میں **أمين المكتبة** کی پوسٹ پر فائز ہوئے۔ یاد آتا ہے کہ مصر جانے سے پہلے ہی راقم کی ہمشیرہ سے شادی ہوچکی تھی۔ جب پہلی بار قطر سے آئے تو اہلیہ کو ساتھ لیتے گئے اور ہر سال جب سالانہ چھٹی ہوتی تو وطن ضرور آتے، اہلِ مئو سے ملنا جلنا ہوتا، دوست واحباب کی محفلیں سجتیں، اپنے تجربات، مشاہدات اور مغربی ممالک کے اسفار کی دلچسپ روداد سنایا کرتے، ہنسی مذاق، تفریحی جملے اور بعض واقعات پر قہقہوں کا سلسلہ کبھی کبھی نصف شب تک جاری رہا کرتا، یہ مجالس اتنی پرلطف اور نشاط انگیز ہوا کرتی تھیں کہ احباب کو سال بھر آپ کی آمد کا انتظار رہا کرتا تھا۔اپنے محسنین سے ہمیشہ ملاقات کیا کرتے تھے، جب ''اعظمی کلینڈر'' میں ساڑیوں پر فنیشنگ کا کام شروع ہوا تو اس کی بالائی منزل پر ایک کمرہ اپنی رہائش کے لیے بنوایا۔سالانہ چھٹی میں آتے تو اب خود وہیں قیام کرتے، دوپہر کا کھانا ہمارے یہاں سے جاتا اور شام کو روزانہ غریب خانہ پر ضرور تشریف لاتے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ماحضر تناول فرماتے۔

اعظمی کلینڈر کا کام کافی سودمند رہا، لیکن ڈاکٹر اعظمی نے اس کی کمائی کا ایک پیسہ اپنی ذات پر لگایا اور

نہ ہی ساتھ لے کر گئے، بلکہ تمام آمدنی وجملہ منافع کی رقم قرب وجوار ومقامی مساجد کی تعمیر، اور بیواؤں، یتیموں اور مساکین کی اعانت ونصرت میں صرف فرمادیا کرتے تھے۔

ادھر کئی سال سے وہ مختلف عوارض میں مبتلا تھے، ۲۰۰۴ء میں وطن مالوف کی آخری آمد کے بعد، ایک بار اہل خانہ کے ساتھ ریاض سے حرمین شریفین کی زیارت کے لیے بذریعہ روڈ جارہے تھے، غالبًا اُدھر سے واپسی میں اِن کی گاڑی کا زبردست ایکسیڈینٹ ہوا، اللہ تعالیٰ نے سبھی لوگوں کو بال بال بچالیا، لیکن کچھ لوگوں کو گہری چوٹیں آئیں، اُن میں ہمشیرہ سب سے زیادہ متاثر ہوئیں اور اسی کے بعد مئو کی آمد موقوف ہو گئی۔ میاں بیوی دونوں ہی مختلف بیماریوں کا شکار تھے، غذا ہمیشہ پرہیز والی استعمال کیا کرتے تھے۔ وفات سے تقریباً دوسال پہلے بہت زبردست بیمار پڑے تھے، تقریباً ڈیڑھ ماہ مسلسل ریاض کے بڑے ہاسپٹل میں ICU میں رہے۔ ہفتوں ہوش نہیں آرہا تھا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے شفادی، باہر آئے اور گھر کی چہار دیواری میں محبوس ہو کر رہ گئے؛ لیکن جب بھی کچھ کام کرنے کی صلاحیت ہو جاتی، اپنی لائبریری میں بیٹھ جاتے، اور تھوڑا بہت کام روزانہ کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو لمحات کام میں گذرتے ہیں اسی کو میں زندگی سمجھتا ہوں۔

عمر کے آخری چند ماہ میں بہت جلد جلد فون سے خیریت معلوم کیا کرتے تھے، شاید کوئی ہفتہ ایسا گذرتا رہا ہوگا کہ ان کی کوئی کال نہ آتی رہی ہو، جمیع اہل خانہ کی خیریت پوچھتے، کلینڈر میں ہونے والے اپنے کام کے بارے میں عزیز گرامی مولانا اشتیاق احمد قاسمی سے گفتگو فرماتے اور اُنہیں ضروری ہدایات دیتے۔

۲۰/دسمبر ۲۰۱۷ء کو وفات سے دوروز قبل بھی کال کی تھی، عزیزم سلّمہٗ مارکیٹ میں کہیں شور وغل والی جگہ میں تھے کہ رِنگ کی آواز سنائی نہ دی، افسوس صد افسوس، یہ آخری کال موصول نہ کی جاسکی، تاہم اس سے صرف دوروز قبل گفتگو اور خیریت معلوم ہوسکی تھی۔ کسی کو یہ اندازہ نہ تھا کہ یہ حوصلہ مند انسان، اس قدر جلد ہم سب کو داغ مفارقت دے جائے گا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، فرحمه الله رحمة واسعة...

ع:

بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

❀ ❀ ❀

پروفیسر جوزف شاخت اور دیگر مستشرقین پر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ کا بلیغ رد

مولانا مفتی انور علی الاعظمی، شیخ الحدیث و پرنسپل، دارالعلوم مئو

اللہ رب العزت نے قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ کیا اور ارشاد فرمایا: **إنا نحن نزلنا الذکر و إنا له لحافظون** [الحجر : ۹] (ہم نے قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) قرآن کریم کی حقانیت کا ہم عجیب وغریب انتظام دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کو یاد کرنا آسان کر دیا اور وہ لاکھوں انسانوں کے سینہ میں اس طرح محفوظ ہے کہ اسے محراب میں کھڑے ہو کر حفاظِ کرام ہر سال سناتے ہیں؛ لیکن یہ بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ قرآن کی حفاظت کا وعدہ حدیث کی حفاظت کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا، کیونکہ کتاب اللہ کے بہت سے احکام کو سمجھنے کے لیے حدیث کی ضرورت ہے۔ اگر احادیث کو الگ کر دیا جائے تو قرآن کا سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس لیے اللہ رب العزت نے اپنے رسول کی زندگی، ان کی سیرت اور ان کی حدیثوں کے محفوظ کرنے کا بندوبست بھی کیا ہے۔ آج چودہ سو سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد حدیث کا ایک طالب علم رسول اللہ ﷺ کی ہزاروں حدیثوں کو اس طرح سنا سکتا ہے کہ اس کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کہیں سند منقطع نہیں ہوگی اور درمیان کا کوئی راوی سلسلۂ سند سے غائب نہیں ہوگا۔ سند صرف اسلام کا امتیاز ہے، دوسرے مذہب کے لوگ اپنے پیغمبر کی ایک بات سند متصل کے ساتھ نہیں سنا سکتے۔

علم حدیث میں سند کی اہمیت:

علم حدیث میں سند کی اہمیت کا اندازہ عبداللہ بن المبارکؒ کے اس جملہ سے ہوتا ہے: **الإسناد من الدین، ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء.** (**مقدمة الصحیح لمسلم : ۱۳**) (سند دین کا حصہ ہے اگر سند نہ ہوتی تو جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا چاہتا کر دیتا۔) سند ایک

ایسی بندش ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی طرف سے گھڑ کر کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا چاہے گا تو محدثین کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

احکام شرع کی سب سے بڑی بنیاد کتاب اللہ ہے، اس کے بعد سنت رسول اللہ ہے اور پھر اجماع اور قیاس ہے۔ مستشرقین نے شریعت کی اس دوسری بنیاد کو مشکوک کرنے کے لیے بڑی کدو کاوشیں کیں اور انہوں نے اپنے مزعومات اور مفروضات کی بنیاد پر حدیث کی سندوں کو سب سے زیادہ نشانہ بنایا۔ یوں تو مستشرقین کی ایک پوری جماعت ہے، جس نے ایک لمبی مدت تک حدیث وفقہ کی کتابوں کا باریک بینی سے مطالعہ کیا اور کتابیں لکھیں، ان میں پروفیسر شاخت کا نام کافی مشہور ہے، جس نے "أصول الفقه المحمدي" (Origins of Muhammadan Jurisprudence) کے نام سے کتاب لکھ کر احادیث کی سندوں کو غیر معتبر ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ جوزف شاخت کی یہ کتاب ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کو قطر میں حاصل ہوئی، جسے ایک معروف امریکی کمپنی نے تقسیم کیا تھا، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا، ان کا بیان ہے کہ اس کتاب کے ہفوات پڑھ کر مجھے شدید حیرانی لاحق ہوئی اور اسی وقت میں نے عزم مصمم کرلیا کہ ان مستشرقین کی قابلیت کا پول میں ان کے گھر میں بیٹھ کر کھولوں گا۔

پروفیسر جوزف شاخت اور ان کے ہمنوا مستشرقین نے حدیث کی سندوں کے بارے میں ایک بے بنیاد بات کہی، مثلاً:

قال شاخت: "إن أكبر جزء من أسانيد الأحاديث النبوي اعتباطي ومعلوم لدى الجميع أن الأسانيد بدأت بشكل بدائي ووصلت إلى كمالها إلى النصف الثاني من القرن الثالث الهجري، وكانت الأسانيد كثيراً تلصق بأدنى اعتناء، وأيّ حزب يريد نسبة آراءه إلى المتقدمين كان يختار تلك الشخصيات ويضمها في الإسناد، وفي الأمثلة التالية نجد مظاهر الاعتباط في الأسانيد وانعدام الثقة فيها. (Origins : 163-164 ، بحواله: دراسات في الحديث النبوي: ٤٢٢)

پروفیسر شاخت کا کہنا ہے کہ احادیث نبویہ کی سندوں کا بڑا حصہ فرضی ہے، کیونکہ سندیں تیسری صدی کے نصف میں اپنے کمال کو پہنچی ہیں، معمولی تعلق سے ایک حدیث کو کسی راوی کی جانب منسوب کردیا

جا تا تھا اور جو گروہ اپنی رائے کو متقدمین کی جانب منسوب کرنا چاہتا تھا، ان شخصیات کا انتخاب کرتا اور اپنی سند میں ان کو شامل کر لیتا۔ پروفیسر شاخت کا مذکورہ نظریہ صد فیصد جھوٹ ہے۔ یہ کہنا کہ سندیں تیسری صدی ہجری کے نصف میں اپنے کمال کو پہنچیں، یہ بالکل بے بنیاد قول ہے۔ سندوں کا آغاز رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے واضح مثالیں دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ احادیث نبویہ میں سندوں کی ابتدا نبی ﷺ کے زمانہ میں ہو چکی تھی اور سندیں پہلی صدی ہجری کے آخر تک اپنے کمال کو پہنچ چکی تھیں۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی لکھتے ہیں:

فالأمر الذي لا شك فيه أن الإسناد بدأ من عهد النبي ﷺ لكن منهج المحدثين في استعمال الأسانيد كان يختلف من شخص إلى آخر خاصة في عهد الصحابة، ويمكننا أن نقول : إن الإيمان بأهمية الإسناد وصل إلى ذروته في نهاية القرن الأول. (دراسات في الحديث النبوي : ٤٢٢)

محدثین جنہوں نے سند کے ایک ایک راوی پر بحث کی ہے اور حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ ہر راوی عادل اور تام الضبط ہونا چاہیے، حدیث کی سند میں کہیں انقطاع نہیں ہونا چاہیے، حدیث میں کوئی علت اور شذوذ نہ ہو، ان تمام شرطوں کے پائے جانے کے بعد محدثین کے یہاں حدیث صحت کے درجہ کو پہنچتی ہے، فن حدیث کی ان تمام باریکیوں کو نکارنا اور یہ دعوی کرنا کہ محدثین اپنی پسندیدہ شخصیات کی جانب اپنی رائے کو منسوب کرتے تھے اور انہیں اپنی سندوں میں فرضی طور پر جوڑ دیتے تھے، یہ علمی دنیا کا بہت بڑا جھوٹ ہے اور تحقیق کے میدان میں ایک بہت بڑا فریب ہے، شاخت اور دوسرے مستشرقین نے اس قسم کی باتیں احادیث نبوی کو مشکوک بنانے کے لیے اپنے من سے پیدا کی ہیں، اور اس کے لیے انہوں نے فقہ کی ان کتابوں کا سہارا لیا ہے جن کا موضوع الگ ہے، فقہ کی ان کتابوں میں محدثین کی طرح نہ سندوں کا اہتمام ہے اور نہ ہی صحیح حدیث کی تمام شرطوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے اپنی متعدد تصانیف میں بالخصوص اپنے پی، ایچ، ڈی کے ،مقالہ (**دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه**) میں مستشرقین کے ایسے بہت سارے اعتراضات کے پرخچے اڑا دیے ہیں اور ان کی علمی خیانتوں کو پورے طور پر واضح کر دیا ہے؛ چنانچہ ایک دفعہ وہ خود کہنے

لگے کہ جب ہمارا یہ مقالہ ہمارے مشرف (سپروائزر) اور ڈیپارٹمنٹ کے دوسرے پروفیسروں کے سامنے پیش ہوا، تو ان لوگوں نے کہا کہ آپ نے ہماری عمارت کو منہدم کر دیا اور ہماری ساری محنت پر پانی پھر دیا۔
ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کے علمی کارناموں میں مستشرقین کا رد ایک اہم ترین کام ہے اور یہ ان کا خاص موضوع ہے، جو ان کی کتابوں میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۸۰ء کے آس پاس دارالمصنفین اعظم گڈھ میں ''اسلام اور مستشرقین'' کے موضوع پر ایک بڑے سیمینار کا انعقاد کیا گیا، ہندوستان اور بیرون ملک کے کافی لوگ مدعو کیے گئے اور ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ایک مجلس میں انہوں نے مولوی عطاء الرحمٰن مرحوم (سابق استاذ دارالعلوم مئو) اور راقم السطور سے اپنے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد نبوی میں شکایت کی کہ آپ نے ہمارے گھر میں یہ سمینار منعقد کیا اور آپ جانتے ہیں کہ میں نے اس موضوع پر کتنا کام کیا ہے، لیکن آپ نے مجھ کو بھلا دیا۔

ہم مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کو ان کی عظیم خدمات پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں اور ان کے بلند حوصلے کو اپنے لیے اور طلبۂ علوم دینیہ کے لیے ایک مثال سمجھتے ہیں کہ غربت اور بے سروسامانی کے بعد انہوں نے اپنی محنت و جدوجہد سے یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں کام کرنے والے بڑے بڑے محققین کی علمی کمزوریاں ثابت کیں اور دارالعلوم مئو اور دارالعلوم دیوبند کا نام روشن کیا، اور حدیث رسول کی عظمت کا دنیا بھر میں ڈنکا بجایا۔ فجزاہ اللہ خیرا الجزاء...

بقیہ صفحہ (۲۱۸) کا:
وہی جوش، وہی ولولہ جو ایک نوجوان مجاہد کو مقصودِ حقیقی کی طلب و جستجو میں ہوتا ہے، کہنے والے نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا ہے: بڑھاپے میں جوانی سے بھی زیادہ جوش ہوتا ہے، بالآخر اسلام کا یہ بے لوث خادم ۲۰؍دسمبر ۲۰۱۷ء کو مالکِ حقیقی کے حضور جا پہونچا، ''طبت حیاً و طبت میتاً'' اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❁ ❁ ❁

عالم بے بدل - ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ

ملت اسلامیہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ خصوصی فضل اور احسان رہا ہے کہ ہر دور کے فتنوں کی سرکوبی کے لیے وہ ایسے مرد میدان کا اہتمام کرتا رہتا ہے جو اسلام کی نصرت اور دفاع اور ملت اسلامیہ کی رہبری کا فریضہ کما حقہ انجام دیتے رہتے ہیں۔ ہماری ملی تاریخ ان ارواح سعیدہ کے کارناموں سے درخشاں اور تابندہ ہے۔

اسی سلسلۃ الذھب کی ایک نمائندہ شخصیت عصر حاضر کے عالم بے بدل ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی (م ۲۰۱۷ء) ہوئے ہیں۔ ہمارے دور کے فتنے متعدد بھی ہیں اور سنگین بھی، یہ مسائل معاشرتی بھی ہیں اقتصادی بھی، سیاسی بھی ہیں اور دینی بھی۔ ڈاکٹر اعظمی کا دائرہ اختصاص منفرد اور وقیع تھا، کہ آپ نے علمی میدان میں مغرب کے برپا کیے ہوئے استشراق کے فتنے کا استیصال ان ہی کی سطح پر ان ہی کے محاورۂ بیان میں اور ان ہی کے مآخذ کی رو سے کیا، اور فضل الٰہی سے اس علمی اور فکری جہاد میں سرخرو رہے۔

مغرب میں استشراق (Orientalism) کی علمی، فکری اور نظریاتی روایت صدیوں قدیم ہے۔ ساتویں سے دسویں صدی عیسوی تک اسلام کی غیر معمولی پیش رفت نے مغرب، بالخصوص کلیسا (Church) کو ششدر کر دیا تھا۔ عیسائیت کے زیر انتظام ملک پر ملک، علاقے پر علاقے، عالم اسلام کا جزو بنتے گئے، خود یوروپ میں اسلام مستحکم تر ہوتا جا رہا تھا۔ اندلس (اسپین) مشرقی اور جنوبی یوروپ، حتی کہ فرانس تک میں اسلام اپنے قدم جما چکا تھا، اپنی اخلاقی، روحانی، تمدنی، مادی اور عسکری برتری کے بدولت اسلام کا اقتدار چہار سو قائم ہو رہا تھا، اس دور میں اسلام کی حیثیت بلاشبہ فاتح عالم کی تھی۔ اس پس منظر میں ارباب کلیسا اور اہل مغرب نے استشراق کی حکمت عملی وضع کی جو بیک وقت جارحانہ بھی تھی اور مدافعانہ بھی۔ اس حکمت عملی کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ تقریر، تحریر اور ہر ممکن ذریعے سے اسلام کی تصویر مسخ کی جائے، قرآن مجید، حدیث نبوی، سیرت طیبہ، اسلامی نظریۂ حیات اور مسلمانوں کے طرز زندگی اور کردار کو

ایسے نفرت انگیز، مضحکہ خیز اور انسانیت دشمن پیرائے میں پیش کیا جائے، کہ عوام کے لیے اسلام مطلق باعث کشش نہ رہے، اور عوام اپنے آبائی رسوم ورواج اور مذہب پر بدستور قائم رہیں۔ اسلام کے خلاف مغرب کے اسی متعصب اور تنفر کا ایک مظہر صلیبی جنگیں (Crusades) ہیں، جو گیارہویں سے تیرہویں صدی تک برپا رہیں۔ مغرب اس عسکری محاذ پر ناکام رہا؛ البتہ اس کے جلو میں اسلام دشمنی کی روایت راسخ تر ہو گئی اور اہل مغرب کے قلب وذہن میں جاگزیں ہوگئی۔

گیارہویں، بارہویں صدی کی زبانی رزمیہ شاعری، عوامی سطح کے ڈراموں، کلیسا کے خطبوں اور دینی ادب پر استشراق کا عفریت سوار ہے۔ ان مقررین اور مفکرین کے مطابق اسلام کی کوئی اصل بنیاد نہیں ہے، یہ درحقیقت عیسائیت کا ایک ناکام چربہ ہے۔ سیرت طیبہ عبارت ہے اقتدار کے لیے تگ ودو سے، قرآن مجید بائبل سے ماخوذ، بے ربط اور بے معنی کلام ہے۔ اسلام محض نفسانیت، تشدد اور جہالت کا ملغوبہ ہے۔

حیرت انگیز امر یہ ہے کہ صدیوں تک ان ہی قابل نفریں مقدمات پر سینکڑوں نہیں، ہزاروں تصانیف انگریزی اور دیگر یوروپی زبانوں میں شائع ہوتی رہیں اور قارئین کے دل ودماغ کو مسموم کرتی رہیں۔

استشراق کی اس فتنہ پرور روایت کی ایک مثال انگریزی تراجم قرآن مجید ہیں۔ پہلا مکمل انگریزی ترجمہ Alexender Ross کا ہے جو ۱۶۴۹ء میں شائع ہوا، مترجم کی دریدہ دہنی کہ عنوان ہی میں قرآن مجید کا مصنف رسول اکرمؐ کو قرار دیا ہے۔ مزید ستم ظریفی یہ کہ ان کی دانست میں اسلام اور مسلمان صرف ترکی تک محدود اور محصور ہیں، کہ قرآن مجید کو انہوں نے ترکوں کی مذہبی کتاب بیان کیا ہے، موصوف کا مقصود اس ترجمے سے یہ ہے کہ قارئین کو اسلام/قرآن مجید کے خطرہ سے محفوظ اور مامون رکھا جائے؛ اسی باعث آغاز تصنیف میں ان کا مقدمہ تحریر ہے، جس میں قارئین کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ قرآن مجید جیسی غیر معتبر کتاب سے خبردار رہیں۔ خود موصوف کے پایۂ استناد کا یہ حال ہے کہ یہ عربی سے قطعاً نابلد تھے؛ لیکن قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کی جسارت کی۔ ان کا ترجمہ براہ راست عربی سے نہیں؛ بلکہ ۱۶۴۷ء میں فرانسیسی میں شائع Du Ryer کے ترجمے کی محض انگریزی میں نقل ہے، اضافہ صرف ان کے اسلام کے خلاف ہفوات کا ہے۔ Ross کے عربی زبان سے ناواقف ہونے اور فرانسیسی ترجمے کو انگریزی قالب دینے کی

شہادت متعدد مغربی فضلاء نے دی ہے۔ دوسرا انگریزی ترجمہ ۱۷۳۴ء میں Goerge Sale کی کاوش ہے۔ موصوف کلیسا کے عہدے دار تھے، آپ نے بائبل کا ترجمہ عربی میں اس غرض سے کیا کہ ان کے مطابق حق سے ناواقف عربوں کو عیسائیت کی دعوت دی جائے، ان کا انگریزی ترجمہ بھی اسی مشنری ذہن کا شاخسانہ ہے کہ اس میں اسلام/قرآن مجید کو صریحاً دجل وفریب سے تعبیر کیا گیا ہے، فتنہ انگیزی کا عالم یہ ہے کہ قرآن مجید میں مستعمل لفظ ''عبد/عباد'' پر حاشیہ یہ چڑھایا ہے کہ چونکہ اسلام صرف چند غلاموں نے قبول کیا تھا اس لیے محاورۂ تخاطب قدرۃً عبد ہے۔ ''یا أیھا الناس'' کے معروف قرآنی خطاب کا ترجمہ شیطنت کے ساتھ انہوں نے ''اہل مکہ'' کر کے قرآن مجید کے آفاقی اور زمان ومکان سے ماوراء پیغام کو صرف مکہ شہر تک محدود رکھنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ موصوف کے ترجمے کے بعض فاش معائب یہ ہیں:

- قرآن مجید کی ترجمانی کے بجائے اپنی اسلام دشمن آراء کا اظہار اور تلقین۔
- جابجا قرآنی الفاظ اور تراکیب کو حذف کرنا تاکہ قرآن مجید کے بارے میں منفی تاثر شدید تر ہو۔
- اسلامی عقائد اور احکام کی عیسائی دینی محاورۂ بیان میں پیش کش تاکہ قارئین کو یقین ہو کہ اسلام عیسائیت کی محض معمولی نقل ہے اور اس کا اپنا کوئی امتیاز نہیں۔
- ترجمے میں غیر قرآنی آراء کی شمولیت تاکہ اس کا پیغام مسخ ہو، موصوف کا معاندانہ اور مناظرانہ انداز فکر ان کے دیباچے کے ان الفاظ سے بالکل عیاں ہے:

''جو لوگ عیسائیت کے دشمن ہیں یا اس کی تعلیمات سے بالکل ہی لاعلم ہیں صرف وہی افراد اسلام جیسے جہل سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ اشد ضروری ہے کہ اس جہل کا پردہ فاش کیا جائے، یہ امتیاز عیسائیوں کے پروٹسٹینٹ (Protestant) فرقے کو حاصل ہے کہ اس نے قرآن کی تردید کی، مشیت الٰہی نے یہ سعادت اس فرقے کے لیے مخصوص کی''۔

بغض وعناد اور جہالت سے مملو یہ ترجمہ مغرب میں غیر معمولی طور پر مقبول ہوا، دیگر یوروپی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے، ان تک اس کے ۱۷۰ سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، امریکہ میں اس کی طباعت بار بار ہوئی۔

اگلے قابل ذکر انگریزی مترجم قرآن مجید John Meadows Rodwell ہیں۔ Sale کی مانند آپ کا بھی براہ راست تعلق کلیسا سے تھا کہ آپ ایک اہم دینی عہدے پر فائز تھے، البتہ Sale کے

برخلاف انہوں نے ایک مختلف حکمت عملی استعمال کی۔ان کے ترجمے کے عنوان اور مندرجات کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ قرآن مجید کا موجودہ مصحف صحیح اور مستند نہیں ہے؛ بلکہ اپنی ترتیب اور تدوین کے لحاظ سے ہر درجے ناقص اور قابل اصلاح ہے، وہ قرآنی سورتوں کی نزولی ترتیب پر مصر ہیں اور اسی لحاظ سے انہوں نے مصحف کو از سر نو مرتب کرنے کا ''کارنامہ'' انجام دیا۔اس لاطائل سعی کے علاوہ انہوں نے قرآن مجید کے مندرجات کو بھی استہزاء اور استخفاف کا نشانہ بنایا ہے۔ان کا یہ ترجمہ ۵۰ سے زائد مرتبہ شائع ہوا اور قارئین کو گمراہ کرتا رہا۔

Edward Henry Paluner نے ۱۸۸۰ء میں اگلا انگریزی ترجمہ پیش کیا، اس میں ہدف قرآن مجید میں مستعمل عربی زبان ہے، ان کے بقول قرآنی عربی، ادبی محاسن، سلاست اور فصاحت سے عاری ہے۔ان کو شدید اعتراض قرآنی تراکیب اور محاورات پر بھی ہے، غرضیکہ قرآن مجید کی تصنیف کے لیے انہوں نے ایک نیا پیرایہ اختیار کیا، گو یہ مقصود تمام مترجمین میں مشترک ہے کہ قرآن مجید پر ایمان اور اعتقاد کو کمزور کیا جائے۔Palner کے علم وفضل کی سطح یہ ہے کہ مغربی فضلاء نے ان کے ترجمے میں درآئی ۷۰ سے زائد سنگین غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔

ان کے بعد Richard Bell نے انگریزی ترجمۂ قرآن مجید کے میدان میں طبع آزمائی کی اور اپنی توجہ مصحف کی ترتیب نو پر مرکوز رکھی۔متن قرآن مجید کی جمع اور تدوین کے بارے میں انتہائی مسموم اور گمراہ کن آراء پیش کرنا ان کا طرۂ امتیاز ہے، ان کے بقول مقامی مصلحتوں کے پیش نظر قرآن مجید کے مصنف رسول اکرمؐ نعوذ باللہ اپنا پیغام تبدیل کرتے رہے، مآخذ سے مواد نقل کرتے رہے اور پھر آپ کے اقوال تحریف، اضافے اور نظر ثانی کا شکار رہے، اور اسی باعث قرآن مجید غیر مربوط اور غیر منظّم ہے، اس کے مندرجات میں کوئی باہمی تعلق نہیں، آپؐ کی بعض یادداشتیں جو صرف وقتی استعمال کے لیے تھیں وہ غلطی سے مصحف میں شامل ہوگئی ہیں۔غرضیکہ غیر منطقی، بے سروپا ہرزہ سرائی Bell کی تصنیف کی امتیازی صفت ہے، وہ آیات قرآنی کی صحت کے قائل نہیں۔اپنی دیگر تصانیف میں بھی انہوں نے اسلام کے یہودیت اور عیسائیت کے جعلی اور مضحکہ خیز ایڈیشن ہونے کا الزام بڑے شدومد سے عائد کیا ہے۔

۱۹۵۶ء میں عراق نژاد یہودی مصنف نسیم جوزف داؤد (NJ. Dawood) کا ترجمہ شائع ہوا۔ اپنے پیش رووں کی طرح ان کا بھی اصرار اسی امر پر ہے کہ قرآن مجید بائبل سے مستعار اور ماخوذ ہے، البتہ

یہودی الاصل ہونے کے باعث ان کے غیظ وغضب کا اصل نشانہ سیرت طیبہ ہے۔ترجمۂ قرآن میں یہ مضمون بہ تکرار ملتا ہے کہ رسول اکرمؐ کی سرکردگی میں مدینہ میں یہود ظلم وستم کا مستقلاً شکار رہے کہ اسلام اصلاً ایک پرتشدد جنگجویانہ طرز حیات ہے۔یہ ترجمہ مغرب کے معروف اشاعتی ادارے Pebguin سے شائع ہوا،اور ہر مغربی کتب خانہ اور کتب فروش کے ہاں دستیاب ہے۔

ان تراجم کے پہلو بہ پہلو سولہویں صدی سے اب تک تسلسل کے ساتھ ہزاروں تنقیدی اور بظاہر علمی مقالے اور کتابیں قرآنیات پر اسی مذموم مقصود کے تحت شائع ہوتی رہی ہیں کہ قرآن مجید کی عظمت اور وقعت کو کسی نہ کسی طور پر مجروح کیا جائے۔بائبل کے چربہ ہونے کا الزام جب فرسودہ ہو گیا تو مستشرقین نے ایک نیا شوشہ چھوڑا ہر چند کہ یہ شوشہ عجیب وغریب ہونے کے باعث بالکل ہی ناقابل یقین ہے؛لیکن اس سے بڑھ کر عجوبہ یہ ہے کہ مغربی جامعات میں اور قرآنیات کے شعبے میں آج یہی مقبول اور مروج ہے۔ اس کے مطابق قرآن مجید، سیرت طیبہ، صحابہ کرام، احادیث نبوی، مسلمانوں کی اجتماعی اور ملی زندگی کا دسویں صدی تک کوئی وجود ہی نہ تھا۔دسویں صدی میں جب مسلمان معاشی اور سیاسی طور پر مستحکم ہو گئے تو اپنے تشخص کے لیے انہیں ضرورت ایک پیغمبر، ایک مذہبی کتاب، بعض مثالی کرداروں کی محسوس ہوئی اور اسی باعث انہوں نے یہ فرضی، افسانوی شخصیات، قرآن مجید کے نام سے موسوم کتاب، روزہ نماز کے نام کی عبادات، رسول اکرمؐ اور صحابہ کرام کی خیالی شخصیات، اور اپنے مصالح اور مفادات کے ضامن اقوال کو احادیث نبوی کے طور پر تراش لیا، اور ان کو تاریخی سند فراہم کرنے کی کوشش کی، ورنہ درحقیقت قرآن مجید، رسول اکرم، احادیث، صحابہ کرام، اسلامی طرز حیات کا کوئی وجود نہ تھا، یہ محض تخیل کی کارفرمائی ہیں اور یہ افسانے تین سو سال بعد گڑھے گئے۔ ع:

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

یہ مکتبۂ فکر Revisionist School کے طور پر معروف ہے، اس کے سرخیل لندن یونیورسٹی کے پروفیسر John Wansborough (م۲۰۰۲ء) تھے، ان کے شاگردان رشید اس دور میں مغربی جامعات میں اس نظریے کی اشاعت میں منہمک ہیں۔

مختصراً، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کے پیش نظر قرآنیات کے بارے میں یہ علمی منظر نامہ تھا کہ مغرب کی اسلام دشمن نظریاتی یلغار کے باعث اس کے انتہائی ناقص اور گمراہ کن انگریزی ترجمے تھے۔بغض وعناد سے

مملوایسی مغربی تصانیف تھیں جوقرآن مجید کے وجود تک کی منکر، اس کی صحت کی شاکی، اس کے پیغام اور اس کے حیات بخش نظریۂ حیات تک کی مخالف تھیں۔ اس ہمت شکن پس منظر اور طاغوتی قوتوں کے غلبے کے باوصف جرأت ایمانی سے سرشار ڈاکٹر اعظمی نے استشراق کے اس فتنے کے استیصال کا بیڑا اٹھایا، یہ کارعظیم وسعت مطالعہ، انگریزی زبان وبیان پر قدرت، اسلامی ماخذ پر عبور اور فن تحریر اور تصنیف میں مہارت کا متقاضی تھا۔ نصرت الٰہی سے ڈاکٹر اعظمی ان تقاضوں سے قابل رشک اور قابل داد طور پر عہدہ برا ہوئے، جس کی شاہدان کی شاہکار تصنیف ہے، جس کا مرکزی عنوان ہے:

"The History of the Quranic Text : From Revelation to Compilation" ('متن قرآن مجید کی تاریخ: تنزیل سے تدوین تک')

اس کا ذیلی عنوان بھی بڑا معنی خیز ہے:

"A Comparative Study with the Old and New Testament" ('عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید سے تقابلی مطالعہ')

اولاً یہ معرکۃ الآراء تصنیف ۲۰۰۳ء میں انگلستان سے شائع ہوئی، ۲۰۰۸ء میں اس کی جامع تر، وقیع تر طبع ثانی ہوئی۔ یہ تاریخ جمع اور تدوین قرآن مجید پر روایتی کتاب ہرگز نہیں، تحقیق کے جملہ جدید لوازمات کا حق ادا کرتے ہوئے موصوف نے اس موضوع کے مالۂ وماعلیہ کو ایسا روشن کیا ہے کہ اس کے جلو میں ماقبل اسلام عرب کا منظر نامہ، سیرت طیبہ کے درخشاں پہلو، صحابہ کرام کا مثالی کردار اور اوائل اسلام کی تاریخ اور معاشرت بھی اپنی تمام تر دلکشی اور رعنائی کے ساتھ قارئین کے سامنے آجاتی ہے۔ موصوف کے اعلیٰ معیاری محقق ہونے کی صرف ایک مثال سرسری طور پر پیش ہے کہ اسلامی تاریخ کے غیر مسلم مآخذ پر بھی ان کے ہاں ایک باب ملتا ہے، جو ان کے ذوق تحقیق، علمی معرفت اور اپنے موضوع سے اشتغال پر دال ہے۔ عنوان کی مناسبت سے اس تصنیف کا مرکزی نکتہ قرآن مجید کے متن کی صحت، جمع اور تدوین ہے۔ فاضل مصنف نے اس بنیادی موضوع کے احاطے کا حق ادا کر دیا ہے۔ گیارہ ابواب میں اس موضوع کے ہر ہر پہلو کو کھنگالا، جانچا اور پرکھا ہے اور ہر بیان کے مآخذ سے ثابت اور عیاں یہ مآخذ عربی/اسلامی بھی ہیں اور مغربی/غیر مسلم بھی یہاں حوالے عبرانی، سریانی، نبطی آثاریات کے بھی ہیں، اور بحث رسم الخط، حروف تہجی، اعراب حتیٰ کہ نقاط پر بھی ملتی ہے۔ عمیق اور انیق تحقیق کی ایک روشن مثال... اس ضمن میں مستشرقین کے متعصّبانہ

اعتراضات کی مسکت تردید بھی ہے اور قرآن مجید کے بے غبار پایۂ استناد اور صحت کا استناد بھی، مصحف کی تدوین کے مختلف مرحلوں اور اس میں فعّال صحابہ کرام کا تذکرہ ایسا مفصل اور مستند ہے گویا یہ تاریخی منظر آپ کے سامنے ہے۔ مصاحف اور قراءت میں برائے نام جزوی اختلافات کا تشفی بخش تذکرہ بڑا ایمان افروز ہے۔

اس بیش قیمت تصنیف کا آخری حصہ بھی نقد و نظر کا شاہکار ہے، یہ مشتمل ہے بائبل کے دونوں اجزاء یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب مقدسہ علی الترتیب عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کے دیدہ ریزی کے ساتھ تجزیے پر۔ مسلمان علماء اور فضلاء کے ہاں بالعموم بائبل سے بے اعتنائی کا رویہ پایا جاتا ہے کہ قرآن کریم کے حامل ہونے کے باعث وہ دیگر تحریف شدہ مذہبی کتابوں سے بے نیاز ہوتے ہیں، ڈاکٹر اعظمی نے مستشرقین کی شرانگیزی کا یہ منفرد جواب دیا ہے کہ ان کی کتب مقدسہ میں در آئے فاش واقعاتی مغالطوں اور مفادات کے پیش نظر تحریفات کی پوری روداد بے نقاب کر دی ہے۔ یہاں بھی ہر بیان اور ہر نکتے کو علمی انداز میں اور ماخذ سے برآمد شہادتوں کی بنیاد پر ثابت کیا ہے۔ اسی طرح مستشرقین کے تسامحات، صریح کذب بیانی اور حقائق کی پردہ پوشی کو بھی طشت از بام کیا ہے۔ ان کی توجہ کے اصل ہدف ہم عصر نام نہاد محققین ہیں، جنہوں نے باطل مقدمات صغریٰ اور کبریٰ کی بنیاد پر اور پُر فریب انداز میں قرآن مجید کے استخفاف کی کوشش کی ہے۔ مستشرقین کے اصل اغراض اور مقاصد، ان کی بدنیتی، ان کی استعماریت پسندی اور اس ضمن میں صہیونی ذہن کی ڈاکٹر اعظمی نے خوب قلعی کھولی ہے۔

غرضیکہ جمع قرآن کی بے غبار تاریخ پیش کرنے اور اس باب میں مستشرقین کے عائد کردہ الزامات اور اعتراضات کی مدلل تردید کے طور پر ڈاکٹر اعظمی کی یہ تصنیف ایک بے نظیر علمی کارنامہ ہے۔ قرآن مجید کی خدمت مختلف طریقوں سے اپنے اپنے طور پر ہمارے علماء اور فضلاء نے خوب کی ہے؛ لیکن قرآن مجید کے دفاع اور اس کی حقانیت کو سربلند کرنے کی ایسی سعادت صرف ڈاکٹر اعظمی کو حاصل ہوئی، یہ تصنیف موصوف کے لیے باعث اجر، مسلمانوں کے لیے ایک وقیع علمی اور فکری رہنما اور غیر مسلموں کے لیے قرآن مجید کی صداقت جانچنے کے لیے آئینہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں مقام دے۔ (آمین)

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کی نادرۂ روزگار تصنیف

''النص القرآني الخالد – عبر العصور''

پر ایک طائرانہ نظر

ڈاکٹر اشتیاق احمد الاعظمی القاسمی، نائب مدیر مجلّہ

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی – رحمہ اللہ – کی زندگی کی یہ آخری شاہکار تصنیف ہے، جس میں انہوں نے نص قرآنی میں از ابتداءِ نزول تا ایں دم (وإلى قيام الساعة، إن شاء الله)، کسی قسم کے ادنیٰ تغیر وتبدل نہ ہونے کو ثابت کیا ہے۔ قرآن کریم کے کلمات والفاظ میں عدم تغیر کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے مروجہ نظری طریقے کو چھوڑ کر غیر نظری؛ بلکہ بصری اور مرئی طریقہ اپنایا ہے، جس میں کسی بحث وتحقیق کی حاجت ہے، نہ استدلال واستناد کی؛ بلکہ یہ طریقہ اسی طرح معقول ومُسلّم ہے، جس طرح دو، دو، چار اور چار، چار، آٹھ کا ہونا۔ اس نظریہ اور تھیوری (Thury) کی بنیاد حساب وریاضی پر ہے۔ ڈاکٹر اعظمی کو بچپن سے ہی ریاضی اور حساب سے بے پناہ دلچسپی تھی اور جب تک اسکولی لائن کی پڑھائی کا دور تھا تو آپ کا سب سے چہیتا اور پسندیدہ مضمون، ریاضی ہی تھا؛ بلکہ جب انگریزی اسکول سے رُخ موڑ کر اسلامی علوم کے حصول کی باری آئی، تب بھی فن ریاضی اور منطق وغیرہ سے استفادہ جاری رہا؛ چنانچہ اس کا اظہار اپنی اس کتاب کی ''تمهيد'' میں یوں فرماتے ہیں:

> ''لقد كنتُ مولعاً بالرياضيات منذ طفولتي، فقد كانت المادة الوحيدة التي نالت اهتمامي طوال سنوات الدراسة وحتى عندما حول القدر مسار حياتي إلى حقل الدراسات الإسلامية، ظللتُ قادراً على الاستفادة من المبادئ الأساسية للرياضيات والمنطق فيما أقوم به من أعمال''. (النص القرآني : ۱)

(مجھے بچپن ہی سے فن ریاضی (حساب) سے بے حد دلچسپی تھی، چنانچہ پورے دوران تعلیم، یہی وہ تنہا مضمون تھا، جس پر میری پوری توجہ مرکوز رہی، حتیٰ کہ جب بہ تقدیر ایزدی اسلامیات کی طرف میرا رُخ مڑ گیا، تب بھی ریاضی اور منطق کے بنیادی اُصولوں سے اپنے کاموں میں استفادہ کی پوری قدرت حاصل رہی۔)

فن ریاضی کے ہی اُصولوں کو سامنے رکھ کر آپ نے اس کتاب کو مرتب فرمایا ہے، جس میں ریاضیات کی طرح محض آنکھ سے حساب کے حل کی شکل کو دیکھ کر یہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے کہ اسے صحیح اور درست طور پر حل کیا گیا ہے یا نہیں، اس کی صحت کے اثبات کے لیے کسی تعلیق وتبصرہ کا سہارا نہیں لینا پڑتا، چنانچہ اسی تمہید میں آگے آپ رقم طراز ہیں:

''**وينهج هذا الكتاب نفس منهج الدليل / الإثبات البصري، حين يناقش إقامة الدليل على سلامة النص القرآني بدون اللجوء إلى كلمات**''. (النص القرآني: ۱)

(جب قرآنی نصوص کی صحت اور سلامتی اور اس کے محفوظ ہونے پر دلیل پیش کرنے کی نوبت آئی، تو اس کتاب میں اُسی منہج وطریقہ یعنی اثبات بصری کو بروئے کار لایا گیا ہے، جس میں کسی طرح کے کلمات وبیان کا سہارا لے کر استدلال کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔)

فن ریاضی کے اُصولوں کو سامنے رکھ کر آپ نے جس طرح قرآنی نصوص میں کسی قسم کے تحریف وتبدل نہ ہونے کو ثابت فرمایا ہے، یہی طریقہ آپ، اس سے قبل اپنی چند اور کتابوں میں بھی اپنا چکے ہیں، چنانچہ یہی اُصول آپ کی انگریزی کتاب "Quranic Text From Revelation to Complation" اور اسی کے عربی ترجمہ ''**النص القرآني من الوحي إلى الجمع**'' میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے، کہ یہ کتاب بھی وحی سے لے کر جمع قرآن کریم کے دوران کسی قسم کی تبدیلی نہ ہونے کو مضبوط بصری دلائل سے ثابت کرتی ہے، ٹھیک اسی طرح آپ نے حدیث نبوی کے دو مجموعوں کی صحت کو ثابت کرنے کے لیے اسی طریقہ کو اپنایا ہے، حدیث اور سیرت نبوی پر مشتمل پہلی کتاب ''**مغازي عروة بن الزبير**'' ہے، جو سیرت نبوی کے بیان پر مشتمل اسلامی دنیا کی اوّلین کتاب شمار ہوتی ہے۔ اسی سلسلے میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

''**هذه ليست تجربتي الأولى في جمع النصوص حيث صدر لي عملان**

سابقان على هذا العمل، جاء الكتاب الأول منهما ..... ألا وهو مغازي عروة ابن الزبير". (النص القرآني : ٥)

(نصوص کو اکٹھا کر کے (اس کی صحت کو ثابت کرنے کا) یہ میرا پہلا تجربہ نہیں ہے، بلکہ اس سے پہلے میرے دو کام سامنے آ چکے ہیں، ان میں پہلی کتاب مغازی عروۃ بن الزبیر (متوفی ۹۳ھ) ہے۔)

اور دوسری کتاب "موطأ إمام مالك" ہے، جس کے جمع وترتیب میں اسی اُصول کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ "أما الكتاب الثاني فقد ألفته أثناء عملي على موطأ الإمام مالك". (النص القرآني: ٥)

بہر حال یہ کتاب ایک آپٹیکل کیٹلاگ (Optical Catalog) بصری کیٹلاگ ہے، جو قرآن کریم کے ۱۹ ر قدیم نسخوں کا جامع رجسٹر ہے، جس میں قرآن کریم کی صرف ایک سورہ، سورہ اسراء پر توجہ مرکوز کی گئی ہے، ان اُنیس مخطوطوں میں موجود سورہ اسراء کے کلمات کو اکٹھا کرنے میں کولیٹ (Collete) طریقہ کار کو اپنایا گیا ہے، Collete کے لغوی معنی "الضمّ" (ملانا، اکٹھا کرنا) ہے، جس میں کلمات کو یکے بعد دیگرے، پہلو بہ پہلو ملایا اور اکٹھا (Set) کیا جاتا ہے؛ تاکہ قاری اور دیکھنے والے کی نگاہ ہر ہر کلمہ، ہر ہر حرف اور ہر ہر آیت پر الگ الگ اور جدا جدا پڑ سکے، پھر اُسے یہ سمجھنے میں دقت نہ ہو سکے کہ قرآن کریم کی آیات وکلمات جو چودہ سو برس سے نقل ہوتے چلے آ رہے، ان میں مختلف ادوار میں لکھے گئے مصاحف کے مخطوطوں میں حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، اگر دیکھنے میں کچھ فرق محسوس ہو رہا ہے تو وہ صرف ہر دَور کی کتابت اور لکھاوٹ کا فرق ہے۔

سورہ اسراء سے کام کے آغاز کی وجہ یہ ہے کہ مخطوطات خواہ کسی فن کے ہوں، ان کے درمیانی اجزا بیشتر محفوظ ہوا کرتے ہیں؛ جبکہ زیادہ تر شروع اور آخر کے اجزا یا تو غائب ہوتے ہیں یا کٹے پھٹے ہوا کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں ان سے استفادہ ممکن نہیں ہوا کرتا، چونکہ سورہ اسراء، قرآن کریم کا درمیانی حصہ ہے، اس لیے اس کا خورد برد سے محفوظ ہونا زیادہ قرین قیاس ہے اور اسی وجہ سے ڈاکٹر اعظمیؒ نے جن اُنیس مخطوطات کا انتخاب فرمایا ہے، سورہ اسراء بالخصوص ان میں سب سے محفوظ ہے۔ سورہ اسراء کے وجہ انتخاب کو وہ یوں بیان فرماتے ہیں:

"وقد اخترت سورة الإسراء بسبب الظاهرة المعروفة بأن المخطوطات أكثر

عرضةً لفقد الأجزاء من الأطراف أكثر من الوسط". (النص القرآني : ٧)

سورہ اسراء میں ہر ایک کلمہ کو علیحدہ علیحدہ کیے جانے پر ان کی کل تعداد ۱۵۵۹ / ہے، جسے اس کتاب کے ۱۵۰ / صفحات پر الگ الگ انڈیکس بنا کر پیش کیا گیا ہے، صفحہ نمبر ا / سے صفحہ نمبر ۱۵۰ / تک ہر ہر صفحہ پر ایک سطر میں الگ الگ کیے گئے کلمات کی جتنی تعداد آسکی ہے، انہیں درج کر کے دکھایا گیا ہے۔ سب سے اوپر پہلی سطر میں "**مصحف المدينة المنورة**" کو بااعراب نقل کیا گیا ہے اور اسی مصحف کو سارے درج ذیل مخطوطات سے موازنہ کے لیے معیار اور بنیاد بنایا گیا ہے؛ کیونکہ "**مصحف المدينة المنورة**" کے نسخے مدینہ منورہ میں واقع "**مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف**" سے چھپ کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں، شاید ہی دنیا میں کوئی علاقہ ہو جہاں یہ مصاحف نہ پہنچے ہوں، شاہ فہد رحمہ اللہ کی زندگی کا یہ زبردست کارنامہ ہے کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں قرآن کریم چھاپنے کا ایک زبردست پریس ۱۹۸۵ء میں لگوایا ہے، جس میں سالانہ ۱۰ / ملین (ا / کروڑ) کی تعداد میں قرآن کریم مختلف سائزوں میں چھپتا اور پوری دنیا کے مسلمانوں میں مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ اب تک اس پریس سے ۱۶۰ / انواع کے تقریباً ۱۹۳ / ملین نسخے چھپ کر عالم اسلام میں پھیلائے جا چکے ہیں، جس میں قرآن کریم کے مختلف ۴۴ / عالمی زبانوں میں تراجم کے علاوہ سنت رسول اللہ ﷺ سے متعلق بھی بہت سی بحوث اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ راقم الحروف کو مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد تقریباً ایک سال، اس پریس میں خدمت کا موقع مل چکا ہے۔ پریس، دنیا کی جدید ترین ٹکنالوجی سے لیس ہے، جس کی نظیر کم ہی دیکھنے کو مل سکتی ہے۔

پھر ہم اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں، ڈاکٹر اعظمیؒ نے اسی "**مصحف المدينة المنورة**" کو موازنہ کے لیے Base بنایا ہے، پہلی سطر میں علیحدہ علیحدہ کلمات بااعراب دکھائے گئے ہیں، جب کہ اسی مصحف مدینہ کو ٹھیک انہی کے نیچے ہر ہر کلمہ کو اعراب اور نقطوں سے صاف کر کے پیش کیا گیا ہے، کیونکہ قرن اول میں قرآنی مصاحف بغیر اعراب (حرکات) اور نقطوں ہی کے لکھے جاتے تھے، یہ اس لیے کیا گیا، تاکہ موازنہ میں دشواری پیش نہ آسکے۔

سورہ اسراء میں مجموعی ۱۵۵۹ / کلمات میں سے صرف ۱۹۶ / کلمات ایسے ہیں جن کے ہجے اور لکھاوٹ میں فرق پایا گیا ہے۔ ڈاکٹر اعظمیؒ نے ان تمام ۱۹۶ / کلمات کو جن کی کتابت کا اسلوب، مصحف المدینہ کے بالمقابل مختلف رہا ہے، ان کا پورا انڈیکس سیریل وائز پیش کیا ہے اور یہ بھی بتانے کی پوری سعی

کی ہے کہ کس مخطوطے میں اس کلمہ کی لکھاوٹ مصحف المدینہ سے مختلف ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۳۶۳ر کلمات سورہ اسراء میں ایسے ہیں جن کی لکھاوٹ اور تحریر ہر مخطوطے اور ہر دور میں یکساں رہی ہے، جس کو ۱۵۰ر صفحات پر مشتمل علیحدہ علیحدہ پوری سورہ اسراء میں پھیلے ہوئے کلمات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۱۹۶ر کلمات، جن کی کتابت میں فرق پایا گیا ہے، اس کو مثال سے سمجھا جاسکتا ہے، مثلاً سورہ اسراء کا پہلا کلمہ ''سُبْحٰن''، جو مصحف مدینہ اور یجنل میں یوں ہی لکھا ہے جیسا ابھی آپ نے دیکھا، اس کی حرکات اور نقطے مٹانے کے بعد، مصحف مدینہ اسکلٹون (Madina Skeleton) میں یوں ملے گا ''سبحں''، جبکہ مصحف مدینہ کے علاوہ ۱۸ر مصاحف (مخطوطات) میں سے چار میں اس کی کتابت ''سبحان''، یعنی ''ح'' کے اوپر الف کھڑا کے بجائے ''ح'' کے بعد ''الف'' کے ساتھ ملتی ہے اور ان چار مخطوطات کے نام: **۱ – حکیم أوغلو، ۲ – ابن البواب، ۳ – یاقوت اور ٤ – بیر تیفنیال** ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدیم سے قدیم قرآنی مخطوطات میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں دکھائی جاسکتی، اگر کچھ فرق ہے تو وہ لکھاوٹ اور کتابت کا ہے جو کہ عہد بہ عہد بدل سکتی ہے اور واقعتاً اس قسم کی تبدیلی ہر زبان کی لکھاوٹ میں ہوا کرتی ہے۔

بطور مثال اوپر ایک کلمہ ''سُبْحٰن'' کا ذکر کیا گیا، اسی طرح بقیہ ۱۹۵ر کلمات اور بھی ہیں جن میں اسی طرح کی معمولی لکھاوٹ کی تبدیلی ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے، جسے آپ زیر نظر کتاب ''**النص القرآني الخالد**'' کے صفحہ نمبر ۲۶ر تا ۳۶ر پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں، پھر ایک دوسرے انڈیکس میں انہی کلمات کو ابجدی ترتیب کے ساتھ انہی فروق کو پیش کیا گیا ہے، مثلاً جتنے کلمات کا آغاز ''اَ'' سے ہوا ہے ان سب کو (ا) رقم مسلسل اور ان کی آیتوں کے نمبر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، مثلاً سب سے پہلے اس سورہ اسرا میں (ا) پر ہمزہ سے شروع ہونے والا کلمہ مصحف مدینہ میں ''**اسرآء یل**''، جو آیت نمبر ۲، ۴، ۱۰۱ر اور ۱۰۴ر میں کل چار بار آیا ہے۔ اس کلمہ کی شکل، حرکات و نقط کے حذف کے بعد یوں رہ جاتی ہے: ''**اسریل**''، اس کی کتابت چھ مخطوطات میں ''**اسرآئل**''، ملتی ہے، وہ چھ مخطوطے یہ ہیں: **۱ – نور عثمانية 23، ۲ – ابن مقلة، ۳ – حکیم أوغلو 1، ٤ – ابن البواب، ٥ – یاقوت، ٦ – بیر تیفنیال ۲.**

بطور نمونہ زیر نظر کتاب کے کچھ مشمولات پیش کیے گئے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مصنف نے ان چیزوں کے بارے میں ایک ایک کلمہ کو بغور ملاحظہ فرمایا ہے اور نہایت باریکی کے ساتھ ادنیٰ سے

ادنیٰ فرق کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن جو کچھ فرق چند مخطوطات میں ملا ہے وہ اصلاً کلمہ کی حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، بلکہ صرف کتابت میں کہیں ''الف'' کو کھڑا لکھا گیا ہے اور کہیں کسی دَور میں باقاعدہ ''الف'' لکھا گیا ہے۔ ۱۹۶/کلمات میں جو فروق نظر آتے ہیں وہ زیادہ تر اسی نوعیت کے ہیں۔

مصنف نے جن مخطوطوں کو سامنے رکھ کر یہ بصری کیٹلاگ تیار فرمایا ہے، مناسب ہے کہ اُن مخطوطات کے بارے میں کچھ معلومات، قارئین کی نظر کر دی جائیں، تاکہ کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگانے میں آسانی ہو سکے، خود مصنف علام نے تمہید میں اِن کا تعارف کرایا ہے، بالاختصار اسے پیش کیا جاتا ہے:

۱- مصحف المدينة المنورة (Madina Original): اس کے بارے میں قدرے تفصیلی معلومات پچھلے صفحات پر گذر چکی ہیں۔

۲- مصحف المدينة المنورة (Madina Skeleton): مصحف المدینہ میں موجود حرکات و نقط کے حذف کے بعد برائے موازنہ پیش کیا گیا ہے؛ تاکہ مابعد کے مخطوطات، جن پر ان کے کاتبوں نے اعراب (حرکات) کے بغیر لکھا تھا، اُس سے موازنہ کرنے میں سہولت پیدا ہو سکے۔

۳- برٹش لائبریری کا مخطوطہ (British Library): جس پر or 2165 نمبر پڑا ہوا ہے۔ راجح قول کے مطابق اس مخطوطہ کی عمر پہلی صدی ہجری کے نصف کی ہے، قدیم کتبات کے پڑھنے کا ایک ماہرفن ''فون کارابا سیک'' نے اس کی عمر کا اندازہ آٹھویں صدی ہجری کے اوائل کا لگایا ہے، جس کا مطلب بقول اس کے یہ ہوا کہ اس کا تعلق پہلی صدی ہجری کے آخر یا دوسری صدی ہجری کے آغاز سے ہے، جبکہ ایک دوسرے ماہرفن ''غرو ہمان'' نے اسے پہلی صدی ہجری کا بتایا ہے، ایک اور قدیم کتبات کے ماہرفن ''یاسین دوتون'' نے اسے اُموی خلیفہ ولید (۸۶-۹۶) کے دَور سے پہلے کا بتایا ہے یعنی یہ مخطوطہ ۸۵ھ سے پہلے کا ہے۔

بہرحال، یہ مخطوطہ بڑے سائز کے ۱۲۱/اوراق پر مشتمل ہے، جو قرآن کریم کے ۵۳٪ حصے پر محیط ہے۔ یہ خط حجازی میں لکھا ہوا ہے، ہر صفحہ میں ۲۳/ سے لے کر ۲۴/سطریں ہیں، ہر صفحہ کا سائز 31.5*21.5cm ہے۔

۴- مصحف مخطوط صنعاء: مصنف علام نے اپریل ۱۹۹۶ء میں یمن کے نیشنل میوزیم کی زیارت کے موقع پر اس مخطوطہ کی تصویر خود لی تھی، اس مصحف مخطوط میں سورہ اسراء کا ابتدائی دسواں حصہ

موجود ہے، بقیہ کی تلاش میں کافی تگ و دو کی گئی، لیکن کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔

۵- مصحف مخطوط سمرقند: یہ کافی مشہور مخطوط مصحف ہے، جس کی نسبت خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کی طرف کی گئی ہے۔ طاشقند میں یہ موجود ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم اس کی ایک روشن تاریخ ہے۔ اصلاً یہ مصحف دمشق میں تھا، تیمور لنگ نے ۱۴۰۱ء میں جب دمشق کو لوٹا تو اسی دوران اسے سمرقند لے گیا، پھر ۱۸۶۸ء میں روس نے سمرقند کو تاخت و تاراج کیا تو اسے سان پٹرسبرگ کے شاہی کتب خانہ میں منتقل کردیا، جہاں یہ مصحف پچاس برس تک باقی رہا، پھر وہاں سے جنرل علی اکبر توبشی باشا نے پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد، اپنے پیرس فرار ہونے سے پہلے، اِسے ترکستان منتقل کردیا، پھر وہاں سے ۱۹۸۹ء میں ازبکستان کی مجلس اسلامی کے تحویل میں اسے دے دیا گیا۔

یہ مصحف بڑی سائز کے ۳۵۳/اوراق پر مشتمل ہے، ہر ورق میں ۱۲/سطریں ہیں اور ہر ورق کا سائز 68*53cm ہے، خط کوفی میں بغیر حرکات ونقط کے اسے لکھا گیا ہے۔

۶- مصحف ٹوپکاپی (Topkapi): یہ مصحف بھی جامع قرآن خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان بن عفانؓ کی طرف منسوب ہے، جو اسطنبول کے ٹوپکاپی میوزیم میں ۴۴/۳۲نمبر کے ساتھ محفوظ ہے، یہ مصحف بھی خط کوفی میں مکمل قرآن کریم پر مشتمل ہے، جس میں صرف دو صفحے مفقود ہیں، اس کا سائز 41cm*46 ہے، مکتوب نص قرآنی کی مساحت 32cm*40 ہے، ہر صفحے میں اکثر و بیشتر ۱۸/سطریں ہیں، اس مخطوط کی قدامت کا اندازہ جناب سیرین صاحب نے دوسری صدی کے اواخر کا لگایا ہے۔

۷- مصحف منسوب بہ علی، رام پور: یہ مصحف مخطوط، حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے، جو مکتبہ رضا، رام پور، یوپی میں موجود ہے۔ یہ کافی ضخیم ۳۵۰/اوراق پر مشتمل ہے، ہر صفحہ کا سائز 28.7*22.2 انچ ہے، اس کی کتابت بھی خط کوفی میں ہے۔

اس مخطوط کی زیارت اور حصول کی راہ ہموار کرنے کے لیے ڈاکٹر اعظمی رحمہ اللہ نے ۲۰۰۰ء میں وطن مالوف مئو سے رام پور کا سفر اختیار فرمایا تھا، اس سفر میں راقم السطور اور ڈاکٹر افضال احمد علیگ (BUMS, MD) کو بھی رفاقت حاصل تھی، ان دنوں رضا لائبریری کے ذمہ دار اعلیٰ، مئو ہی کی ایک شخصیت، جناب وقار الحسن صدیقی مرحوم کی تھی اور لائبریرین جناب ڈاکٹر ابوسعد اصلاحی اعظمی تھے اور آج بھی یہ اسی پوسٹ پر فائز ہیں۔ ان دونوں شخصیتوں کی وجہ سے نہ صرف لائبریری کے نوادرات کی زیارت سے ہم سب

مشرف ہوئے؛ بلکہ بعد میں ڈاکٹر ابوسعد اصلاحی کی بدولت، زیر نظر مخطوط منسوب بہ سیدنا علیؓ اور مخطوط ابن مقلہ جس کا ذکر آگے آرہا ہے کی سلائڈ کا پیاں حاصل کرنے کے لیے راقم نے رام پور کے کئی اسفار بعد میں کیے، اور الحمد للہ جملہ مطلوبہ اشیاء ڈاکٹر اعظمی کو حاصل ہوگئیں، ڈاکٹر ابوسعد اصلاحی کا ذکر اور شکریہ کھلے دلوں سے زیر نظر کتاب میں بھی ہے اور اس سے قبل Quranic Text میں بھی ادا کیا گیا ہے۔

۸و۹- تونس کے دو مصاحف مخطوط: زیر نظر کتاب میں انہیں استعمال کیا گیا ہے، جن میں سے ایک کا نمبر ''تونس 114''، جب کہ دوسرے کا نمبر ''تونس 41'' ہے۔ یہ دونوں مصاحف، تونس کے شہر ''رقادہ'' کے اندر ''**متحف الفن الإسلامي**'' میں محفوظ ہیں، اور ان مصاحف کا اصل تعلق **مکتبة جامع القيروان** سے ہے۔

۱۰ تا ۱۴- یہ پانچ مصاحف مخطوط اسطنبول کے مکتبہ سلیمانیہ کی نگرانی میں ہیں: (۱)، (۲) **حكيم أُغلو** 1، 2، (۳)، (٤) **نور عثمانيه** 23، 27، اور (٥) **بير تيفنيال** 2، ان میں سے اول الذکر دو مصاحف، حکیم اُغلو علی باشا کی مسجد میں، اور اس کے بعد کے دو مصاحف، نور عثمانیہ مسجد میں اور مؤخر الذکر مصحف، مسجد بیر تیفنیال (والدہ سلطان عبدالحمیدؒ) اسطنبول میں ہے۔ مصحف نورعثمانیہ 27، خط کوفی میں سنہرے کاغذ پر مکتوب ہے، جسے دوسری صدی ہجری کے دوران کا لکھا ہوا کہا جاتا ہے۔ اس مصحف کی تصویر اسطنبول کے علاوہ جامعہ جون ہوبکنز (John Hopkins University) کی ویب سائٹ پر بھی موجود ہے، ڈاکٹر اعظمی نے اسی ویب سائٹ سے اسے ڈاؤن لوڈ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: **وقد قمت بتحميل سورة الإسراء التي أعمل عليها من موقع جامعة جون هوبكنز.** اس سنہرے قرآن کو درج ذیل ویب سائٹ پر قارئین بھی دیکھ سکتے ہیں: http://goldkoran.mse.jhu.edu

۱۵- مصحف مكتبة الملك فهد: یہ مخطوط دو تہائی قرآن کریم کا حامل، ۱۵٦/اوراق پر مشتمل ہے، جو کنگ فہد لائبریری، ریاض، میں محفوظ ہے۔ بعض اندازوں کے مطابق اِسے تیسری صدی کا مخطوط قرار دیا گیا ہے، جبکہ ڈاکٹر اعظمی کا اندازہ ہے کہ اس کی کتابت تیسری صدی ہجری سے بہت پہلے کی ہے، اسے دوسری صدی ہجری کے آغاز یا وسط کا قرار دینا راجح ہوگا، ڈاکٹر اعظمی رقم طراز ہیں:

''**وتشير إحدى التقديرات إلى أنه كتب في القرن الثالث الهجري، غير أن تقديري الشخصي أنه كتب في مرحلة أكبر من ذلك، من المرجح أن تكون في**

بدايات أوسط الثاني الهجري". (النص القرآني : ۲۲-۲۳)

۱۶- مصحف مخطوط ابن مقلہ : ابن مقلہ (۲۷۲ھ-۳۲۸ھ) خلافت عباسیہ کا ایک قائد اور اس کے دور کے مشہور خطاطوں میں ایک تھا، یہ تین عباسی خلفاء کے دور میں وزیراعظم کے عہدہ پر فائز رہ چکا ہے۔ دنیا کے بہت سے مصاحف مخطوط اس کی طرف منسوب ہیں، زیرنظر مخطوطہ، رضا لائبریری رام پور، یوپی، الہند میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ نسخہ وہیں سے ملا ہے، جس کا ذکر (۷) میں آچکا ہے، اس میں کل ۲۱۶/اوراق ہیں، جس میں سے ہر ایک کی سائز 12.4*9.5 انچ ہے۔

۱۷- مصحف مخطوط ابن البَوّاب: ابن البواب (م ۴۱۳ھ) اپنے زمانہ کا مشہور خطاط تھا، جو ابن مقلہ جیسے مشہور زمانہ خطاط سے متاثر تھا، اس کا حافظ قرآن ہونا بھی مشہور ومعروف ہے۔ اُس کے قلم سے لکھے گئے ۶۴/قرآنی مخطوطے مشہور ہوئے ؛ لیکن اُن میں سے فی الوقت دو ہی مخطوطے زمانہ کے خورد برد سے محفوظ بچ سکے ہیں، اُنہی میں سے ایک زیرنظر مخطوط نسخہ ہے، جو آئرلینڈ کے ڈبلن شہر کے چیسٹر بیٹی لائبریری (Chester Beaty Library) میں محفوظ ہے، جس کی کتابت کا سن ۳۹۱ھ ہے، مذکورہ لائبریری میں اس کے کیٹلاگ پر K16 نمبر پڑا ہوا ہے۔ یہ مصحف مکمل قرآن کریم پر مشتمل ہے، جس میں ۲۸۶/ورق، اور ہر ورق کا سائز 17.5cm*13.5 ہے، ہر صفحہ میں ۱۵/سطریں ہیں، ۱۹۷۱ء میں اس کی شاندار True Copy کرکے شائع کردی گئی ہے، جسے اب بھی گفٹ سینٹروں سے قیمتاً حاصل کیا جانا ممکن ہے۔ (**وفي عام ۱۹۷۱م صدرت صورة رائعة طبق الأصل ، يمكن شراؤها حتى الآن من محلات بيع التحف.** (أيضاً :۲۳)

۱۸- مصحف مخطوط ياقوت مستعصمي: یاقوت مستعصمی (۶۹۸ھ) بھی اپنے دور کے مشہور اور ماہر فن خطاطوں میں سے ایک تھے اور آخری خلیفہ عباسی معتصم باللہ کے امین تھے۔ اِنہوں نے عربی زبان کے چھ بنیادی خطوط کو ترقی دی، اِن کے ہاتھوں لکھے گئے قرآن کریم کے متعدد نسخے دنیا میں مشہور ومعروف ہوئے، اُن ہی میں سے زیرنظر مخطوط بھی ہے، جو سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد میں محفوظ ہے۔

کتاب ہذا کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جو ص ۱/تا ۳/پر مشتمل ہے، جبکہ ص ۴/تا ۲۴/پر تمہیدی

گفتگو ہے، جس میں کتاب سے متعلق تمام تفصیلی معلومات موجود ہیں، پھر ص ۲۶/تا ۳۶/ایک انڈیکس ہے جس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ دوسرا انڈیکس ص ۳۷/تا ۴۷/ہے، اس کے بارے میں بھی پہلے لکھا جا چکا ہے، ص ۴۸/ پر ایک اور انڈیکس ہے جو مخطوطات میں سورہ اسراء کے مختلف کلمات کی مصحف مدینہ سے مطابقت کو فیصدی میں دکھاتا ہے، مصحف مدینہ سے زیادہ سے زیادہ مطابقت 96.4% ہے اور کم از کم 92.5% مطابقت درج کی گئی ہے۔

ص ۴۸/ہی پر پھر یہ بتایا گیا ہے کہ جامع قرآن حضرت عثمان غنیؓ نے مدینہ منورہ کے باشندوں کو رسم عثمانی کے مطابق تعلیم دینے کے لیے حضرت زید بن ثابتؓ کو مقرر فرمایا تھا، پہلی صدی ہجری کے اختتام پر مدینہ منورہ ہی میں قرآن کریم کے قاری کی حیثیت سے حضرت نافع مدنیؒ کا ظہور ہوا، جنہوں نے ۷۹/قرّاء سے قراءت سیکھی تھی، اُن میں سے ہر ایک کو رسول اکرم ﷺ سے بہ نفس نفیس قرآن سیکھنے کی سند حاصل تھی، پھر اُن کا شمار قراءت سبعہ کے اُن سات قاریوں میں سے ایک کے طور پر ہوا، جن کی قراءت پر ابن مجاہدؒ نے اپنی کتاب ''**كتاب السبعة**'' میں اعتماد کیا ہے۔

حضرت ابن مجاہدؒ جو اپنے زمانہ میں علم القراءات کے ماہر فن استاذ تھے، انہوں نے ہی مکمل متواتر قراءت - جو سلف سے منقول تھیں - کو سات قراءتوں میں مرکوز کیا تھا، قراءت سبعہ کے اعتبار سے سورہ اسراء میں کل ۲۲/مقام پر اختلاف رُونما ہوا ہے، اُن تمام اختلافات کو ایک انڈیکس میں دکھایا گیا ہے۔ (دیکھئے: انڈیکس ۳/ص: ۴۹-۵۰)

صفحہ ۵۱/ پر بحرین کی ایک معاصر قاریہ جناب محترمہ ''**سوسن عيسىٰ سلطان الذواوي**'' کے سلسلۂ سند کا شجرہ نقل فرمایا ہے، جس میں ۴۵/واسطوں سے اُن کی قراءت کا سلسلہ جناب نبی اکرم ﷺ تک جا پہنچتا ہے۔ اسی شجرہ پر ڈاکٹر اعظمی رحمہ اللہ نے اپنے ''**مقدمة الكتاب**'' کو ختم فرمایا ہے۔

پھر صفحہ ۱/ سے سورہ اسراء کے کلمات مقطوعہ کے لوحات (تختیاں) بعنوان: ''**لوحات سورة الإسراء**'' کا بیان ہے۔ پہلے صفحہ پر ۱۹/مصاحف کے اندر ''**بسم الله الرحمن الرحيم**'' کی کتابت کے نمونے مندرج ہیں، جبکہ صفحہ ۲/کی پہلی سطر میں مصحف المدینۃ سے منقول سورہ اسراء کے یہ اجزاء: ''**سُبحٰن الذي أسرى بعبده ليلاً من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصىٰ**'' مندرج ہیں، اس کے

نیچے وہی کلمات، دوبارہ، ایک دوسرے کے ٹھیک نیچے تمام حرکات ونُقط کو صاف کر کے پیش کیا گیا ہے، اور پھر ایسے ہی ہر نئی سطر میں ایک دوسرے مخطوطہ کی کتابت کو پیش کیا گیا ہے اور سب مخطوطات کی ترتیبِ ذِکری وہی ہے، جس ترتیب سے گذشتہ صفحات میں اُن کا تعارف کرایا گیا ہے۔ لوحات کا یہ سلسلہ ۱۴۶ ر صفحات پر پھیلا یا ہوا ہے۔ (بطور نمونہ لوحہ ۲ ر اِس صفحہ کے بعد ناظرین کے ملاحظہ کے لیے پیش ہے)

پھر اس کتاب کا انگریزی ایڈیشن بائیں طرف سے شروع ہوتا ہے۔ انگریزی نام:

Ageless Quran - Timeless Text, A Visual Study of Sura 17 Across 14 Centuries and 19 Manuscripts.

ہے، پھر جو کچھ اُمور عربی زبان میں پیش کیے گئے تھے، وہ سبھی انگریزی میں مندرج ہیں، پہلا عنوان "Preface" کا ہے، جبکہ دوسرے صفحہ کے بعد اگلا عنوان "Introduction" کا ہے، جو صفحہ ۱۷ ر تک چلا گیا ہے۔ بعد ازاں وہ تمام انڈیکس انگریزی میں بھی پیش کیے گئے ہیں، جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے اور یہ چیزیں صفحہ ۱۸ ر سے ۴۴ ر تک ممتد ہیں، پھر سورہ اسراء کے لوحات بعنوان: "Plates of Sura Isra" آجاتے ہیں، جنہیں عربی اور انگریزی دونوں کے قارئین، اپنے اپنے مطالعہ کے آخر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب، بیک وقت عربی وانگریزی دونوں زبانوں میں ۲۴۸ ر صفحات کو حامل اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔ کتاب کا سرورق بھی بڑا معنی خیز ہے؛ کتاب کا نام ''**النص القرآني الخالد – عبر العصور – دراسة مقارنة لسورة الإسراء بين تسعة عشر مصحفا من القرن الأول إلى الخامس عشر**'' پورے سرورق کو گھیرے ہوئے ہے؛ لیکن بائیں طرف، اوپر سے ایک باکس میں ''بیت اللہ'' دوسرے باکس میں ''مسجد اقصیٰ'' اور نیچے تیسرے باکس میں ''آسمان مع کہکشاؤں'' کے فوٹو دیئے گئے ہیں، جو اسراء ومعراج کے واقعہ کے ترتیب وار غماز ہیں۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عظیم انوکھی کاوش کو شرف قبول بخشیں اور قرآن کریم میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والوں کے لیے مشعل راہ اور سبب ہدایت بنائیں۔ آمین یا ربّ العالمین...
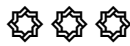
سورہ اسراء کے ابتدائی کلمات مقطعہ کا لوحہ، بطور نمونہ

حضرت مولانا ڈاکٹر پروفیسر محمد مصطفیٰ اعظمی کا سانحہ ارتحال

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری

آج ۲۰ر دسمبر کو اچانک یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہمارے دوست ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف رخصت ہوئے ،إنا لله و إنا إليه راجعون. ابھی اس پہلے مفتی عبداللہ کے سانحۂ وفات پر میں لکھ چکا ہوں کہ اچانک یہ دوسرا حادثہ سننے میں آیا۔ڈاکٹر صاحب اس ناچیز سے چار پانچ سال بڑے تھے،انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ سے دورۂ حدیث پڑھا تھا،ان کی پیدائش مئو اعظم گڈھ میں ہوئی،مئو پہلے اعظم گڈھ کا جز تھا اب وہ مستقل ضلع بن گیا ہے، لیکن اعظم گڈھ کی طرف نسبت کر کے اپنے کو اعظمی لکھتے تھے جیسا کہ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اپنے نام کے ساتھ لکھتے تھے،گرچہ وہ مئو کے رہنے والے تھے۔اقبال سہیلؔ کا یہ شعر ع:

اس خطۂ اعظم گڈھ پر مگر فیضان تجلی ہے یکسر
جو ذرّہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

گرچہ جناب سہیلؔ صاحب کے شعر میں تعمیم ہے،لیکن اس تعمیم میں تخصیص کی جاسکتی ہے، بلاشبہہ بعض ایسی شخصیات اس سرزمین پر پیدا ہوئی ہیں جو اپنے فن میں ایک امتیازی شان کی مالک تھیں،ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی مرحوم بھی انہی شخصیات میں سے ہیں،ان سے میری ملاقات مکہ مکرمہ میں آج سے ۴۴ر سال قبل ہوئی تھی،جب وہ جامعہ اُم القری میں استاذ بن کر آئے تھے۔انہوں نے طالب علمی کے زمانہ میں بیحد مشقت برداشت کی،دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد جامعہ ازہر مصر کے لیے انہوں نے سفر کیا اور ۱۹۵۵ء میں وہاں سے شہادۃ العالمیہ یعنی ایم اے کی ڈگری حاصل کی پھر اپنے وطن مئو واپس آ گئے،جلد ہی انہوں نے قطر میں ملازمت اختیار کی،وہاں پبلک لائبریری میں لائبریرین کی حیثیت سے ملازم ہو گئے جہاں مخطوطات کے جمع کرنے کی سعی کی جارہی تھی،اس طرح عربی مخطوطات پر وسیع اطلاعات ان کو ہوتی رہیں،انہوں نے متعدد مخطوطات پر کام بھی کیا،۱۹۶۴ء میں وہ قطر سے لندن چلے گئے اور ۱۹۶۶ء میں کیمبرج سے پی ایچ ڈی کی سند لی،قطر کے زمانے سے ہی انگریزی زبان میں مہارت پیدا کرنے کی کوشش کی،دوبارہ وہاں سے واپس آکر انہوں نے قطر لائبریری میں ۱۹۶۸ء تک کام کیا،اس کے بعد جامعہ اُم

القری مکہ مکرمہ آ گئے، وہاں بطور مدرس کے تدریس کی ذمہ داری سنبھالی، ۱۹۷۳ء سے ۱۹۹۱ء تک انہوں نے ملک سعود یونیورسٹی ریاض میں استاذ حدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، اس دوران انہوں نے بہت سے طلبہ کی پی ایچ ڈی اور ایم اے کے رسالوں پر اشراف بھی کیا اور متعدد کتابیں بھی لکھیں، ان ہی خدمات کی وجہ سے انہیں ۱۹۸۰ء میں ملک فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ان کی اہم کتابوں میں "دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه" ہے، اسی طرح صحیح ابن خزیمہ پہلی مرتبہ ان کی تحقیق سے چار جلدوں میں شائع ہوئی، وہ پہلے شخص ہیں کہ احادیث کی عربی عبارتوں کو کمپیوٹرائز کیا، انہوں نے اپنی بہت سی تصنیفات میں مستشرقین کے اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے، ۱۹۸۱ء میں ان کو سعودی نیشنلٹی مل گئی تھی، ان کی اکثر کتابیں عربی وانگریزی میں بھی شائع ہوئی ہیں، اور اخیر میں صحیح بخاری کا مخطوطہ جناب یعقوب نظامی صاحب کے تعاون سے انہوں نے بیروت سے شائع کیا۔ بہر حال ان کا سانحۂ ارتحال ایک بہت بڑا حادثہ ہے۔ وہ اپنے میدان میں فرد فرید تھے، اس ناچیز کا جب صحیح بخاری کا نسخہ مولانا احمد علی صاحبؒ کے حاشیہ کے ساتھ پندرہ جلدوں میں شائع ہوا تو اس کے بے حد متمنی تھے اور بار بار تقاضہ کرتے رہے، چنانچہ ان کو جب بھجوایا تو بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا، انہوں نے فون پر فرمایا کہ نسخہ سلطانہ جو علمائے ازہر کی نگرانی میں قاہرہ سے شائع ہوا ہے اس میں علماء نے علامہ رضی الدین صغانی متوفی ۶۵۰ھ کے نسخہ کو نظر انداز کر دیا ہے، حالانکہ وہ یونینی سے متقدم ہے، اس نسخہ سے حافظ عینی و کرمانی سب نے فائدہ اٹھایا ہے، بعض اعتبار سے یہ یونینی پر بھی فائق ہے، شاید اس وجہ سے کہ ان کی پیدائش لاہور میں ہوئی تھی اور الحمدللہ آپ کو وہ نسخہ مل گیا اور آپ نے بھی اور مولانا احمد علی صاحبؒ نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ابھی ایک ہفتہ پہلے میں نے فون کر کے ان کی خیریت معلوم کی، ایک علمی سوال بھی کیا، میں نے ان سے عرض کیا کہ آج کل سیرت پر کچھ لکھ رہا ہوں اس میں حلیمہ سعدیہ کی وفات کیا کوئی قابل اعتبار مصدر نہیں مل رہا ہے جس کا میں حوالہ دے سکوں، کہا گیا کہ ۸ھ میں وصال ہوا ہے لیکن موثوق مصدر نہیں مل رہا ہے، انہوں نے کہا کہ ان شاءاللہ میں بعد میں جواب دوں گا، لیکن وہ راہیٔ دار بقا ہو گئے۔ بہر حال یہ ناچیز ان کی مغفرت کے لیے دعا کرتا ہے، اس حادثہ پر بہت ہی رنجیدہ ہے اور ان کے صاحبزادگان اور خاندان کے افراد کو سلام مسنون کے بعد تعزیت پیش کرتا ہے، اپنے یہاں جامعہ اسلامیہ میں بھی ایصال ثواب کی تاکید کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علوم و کتابوں کو تا دیر باقی رکھے اور لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچائے، آمین۔

۞ ۞ ۞

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ

ایک مایہ ناز عالم دین، ممتاز محقق اور بلند پایہ مصنف

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی

حدیث اور قرآنیات کے مایہ ناز عالم، ممتاز محقق اور بلند پایہ مصنف ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کا ۲۰ر دسمبر ۲۰۱۷ء کو ریاض میں ۸۷ر سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون. ان کی پوری زندگی دم واپسیں تک کتاب اللہ اور حدیث نبوی کی خدمت کے لیے وقف رہی۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی ۱۹۳۰ء میں مئو، ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے، جسے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی جیسے محدث جلیل کے مولد ومنشا ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم مئو میں ہوئی۔ اس سلسلے میں مختصر قیام مدرسہ قاسمیہ شاہی، مرادآباد میں بھی رہا۔ درسیات کی تکمیل کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۲ء میں وہاں سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا، مسلم یونیورسٹی میں انہوں نے ریسرچ میں داخلہ لیا تھا اور ان کی تحقیق کا موضوع ''شیخ محمد بن عبدالوہاب'' تھا؛ لیکن اس کی تکمیل سے پہلے وہ قطر چلے گئے، قطر سے وہ مصر گئے، جہاں انہوں نے ۱۹۵۵ء میں جامعہ ازہر سے فراغت حاصل کی۔ علامہ یوسف القرضاوی نے ان کے انتقال پر اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ مصر میں قیام کے دوران ان کی اخوان سے قربت ہوگئی تھی اور اس کی پاداش میں کچھ دنوں کے لیے سنت یوسفی بھی ادا کی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ قطر گئے اور وہاں قطر پبلک لائبریری میں لائبریرین کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ قطر میں یہ قیام ان کی زندگی کا رخ متعین کرنے کے سلسلے میں فیصلہ کن ثابت ہوا۔ غالبًا یہیں انہوں نے جوزف شاخت (Joseph Franz Schacht 1902-1969) کی کتاب "Origins of Muhammadan Jurisprudence" پڑھی اور یہ ان کی زندگی کا فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا۔ یہ کتاب اور اس نوع کی مستشرقین کی دوسری کتابیں، بے شمار لوگوں نے پڑھی ہوں گی، ان کی

ناانصافیوں پر گہرے رنج وغم کا احساس بھی لوگوں کو ہوا ہوگا؛ لیکن اس فتنہ کو روکنے، اس کا جواب دینے اور اس کے خلاف اسلام کے دفاع کا ایسا شدید داعیہ شاید ہی کسی اور کے اندر پیدا ہوا ہوگا، یہ توفیق ایزدی ہے اور صرف اسی کا مقدر ہوتی ہے، جسے بارگاہ رب العزت سے عطا ہو۔ یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس فیصلہ تک پہنچنے سے پہلے طویل غور وفکر کے مراحل سے گذرے ہوں گے اور اپنا لائحۂ عمل متعین کرنے سے پہلے دستیاب مواقع اور امکانات کا جائزہ لیا ہوگا۔ ان کے پس منظر کے ایک شخص کے لیے بظاہر کیمبرج یونیورسٹی پہلی ترجیح نہیں ہوسکتی تھی۔ غالبًا جب انہوں نے اپنا مقصد زندگی طے کرلیا ہوگا تو اس پر اس نقطۂ نظر سے بھی غور کیا ہوگا کہ اسے کس طرح زیادہ بہتر طریقہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ریسرچ کے لیے مغربی دنیا کی صف اول کی ایک یونیورسٹی کا انتخاب محض اتفاق نہیں ہوسکتا۔ فطری طور سے اُن میں یہ خواہش مضمر رہی ہوگی کہ مستشرقین جس اسلوب، انداز اور معیار سے گفتگو کرتے ہیں اور اپنی تحقیقات میں جن آلات ووسائل کا استعمال کرتے ہیں، ان سے پوری آگاہی اور ان میں پوری مہارت حاصل کی جائے اور ان کا جواب انہی کی سطح ان ہی کے منہج اور ان ہی کے علمی وتحقیقی اسلوب اور انداز میں دیا جائے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو بہترین کوششیں بھی محض رائیگاں ثابت ہوتی ہیں۔

کیمبرج میں انہوں نے اپنی تحقیق کے لیے "Studies in Early Hadith Literature" کا موضوع منتخب کیا۔ یہ موضوع بہت غور وفکر کے بعد منتخب کیا گیا ہوگا۔ اس کا مقصد جوزف شاخت اور اس قماش کے مستشرقین نے علم وتحقیق کے نام پر دجل وفریب کا جو بازار سجا رکھا تھا، اس کا پردہ فاش کرنا اور تدوین حدیث کی بے داغ تاریخ کو دنیائے علم ودانش کے سامنے اس طرح پیش کرنا تھا کہ اس سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ جوزف شاخت نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں جو بے سروپا باتیں کہیں اور جن کی بازگشت مغربی دانش کے ایوانوں میں اس وقت گونج رہی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کوئی الہامی کتاب نہیں ہے اور حضور اکرم ﷺ کے نام کی کوئی حقیقی شخصیت نہیں رہی ہے، جو احادیث فقہی احکام کے استنباط کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں، وہ بے اصل ہیں اور انہیں مسلمانوں نے دوسری اور تیسری صدی کے دوران گھڑا ہے اور ان کو حدیث کے نام سے رواج دے دیا ہے، امام مالکؒ کی نافعؒ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی، اس لیے ''**مالك عن نافع عن عبد الله بن عمر عن رسول الله ﷺ**'' جسے اہل علم سلسلۃ الذہب کے نام سے یاد کرتے ہیں، بے اصل ہے۔ اس طرح کی ہفوات جن پر کوئی صاحب

شعور انسان، یقین نہیں کرسکتا؛ لیکن مغرب کے دانش کدوں میں ان کی بڑی مانگ رہی ہے۔ اسلام، تاریخ کی پوری روشنی میں ظہور پذیر ہوا۔ قرآن مجید کا ایک ایک حرف اور حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک ایک پہلو، اس اہتمام سے محفوظ ومنضبط کیا گیا کہ انسانیت کی تاریخ میں اس کوئی مثال نہیں ہے اور کسی بھی انصاف پسند انسان کے لیے اس میں شک وشبہہ کی کوئی گنجائش نہیں؛ لیکن مستشرقین نے روز روشن کی طرح اس واضح حقیقت کو جس طرح جھٹلانے اور چھپانے کی کوشش کی ہے، وہ بڑی عبرت ناک ہے۔

اس پس منظر میں ڈاکٹر اعظمی نے اپنی ریسرچ کے لیے ایک اعلیٰ درجہ کی مغربی یونیورسٹی میں اس موضوع کا انتخاب کیا اور وہاں رائج منہج تحقیق کو برتتے ہوئے، اسی زبان، اسلوب اور انداز میں جو وہاں معروف ومعتبر تھا اور اسی علمی اور تحقیقی سطح پر تدوین حدیث کی تاریخ کو اس طرح ثابت کر دیا کہ اس سے انکار ممکن نہیں رہا؛ البتہ ہٹ دھرمی کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں۔ اس نہایت اہم کتاب کا عربی ترجمہ کسی قدر اضافہ کے ساتھ ''دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه'' کے نام سے شائع اور مقبول ہوا۔ ریسرچ کی تکمیل کے بعد وہ قطر واپس آئے لیکن جلد ہی سعودی عرب منتقل ہو گئے۔ کلیۃ الشریعہ، مکہ مکرمہ میں کچھ دنوں قیام کے بعد وہ جامعۃ الملک سعود سے وابستہ ہو گئے اور اخیر تک وہیں رہے۔ یونیورسٹی نے ان کی تحقیقات کے اعتراف میں ان کو وہ وسائل اور سہولتیں فراہم کیں جن کی اس طرح کے کام کرنے والوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ انھوں نے بھی اس کا پورا حق ادا کیا اور اس موضوع پر اتنا وسیع، بلند پایہ اور گراں قدر لٹریچر فراہم کیا جس کی تکمیل کے لیے اداروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ۱۹۸۰ء میں خدمت حدیث کے لیے انہیں فیصل ایوارڈ تفویض کیا گیا۔ ان کو سعودی شہریت بھی تفویض کی گئی۔ ۱۹۹۱ء میں ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی وہ زندگی کے آخری لمحہ تک کتاب الٰہی اور حدیث رسولؐ کی خدمت اور دفاع میں مصروف رہے اور اسی حال میں اپنے رب سے جا ملے۔

فن حدیث میں انھوں نے نہایت متنوع اور گراں قدر لٹریچر یادگار چھوڑا ہے۔ ان کی کتابوں کے محتویات پر تفصیلی گفتگو تو یہاں ممکن نہیں البتہ قاری کی دلچسپی کے لیے یہاں ان کی کتابوں کی فہرست پیش خدمت ہے۔ ان کی ابتدائی دو کتابوں کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے جن کو ان کی تصانیف میں اساسی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے علاوہ درج ذیل کتابیں ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔ ان میں سے ہر کتاب اپنے موضوع پر نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

كُتاب النبي ﷺ، منهج النقد عند المحدثين، المحدثون من اليمامة، دراسة منهجية في علم الحديث، Studies in Hadith Methodology.

أصول الفقه المحمدي للمستشرق شاخت – دراسة نقدية یہ شاخت کی کتاب کا تنقیدی مطالعہ ہے۔اسی کتاب نے ڈاکٹر اعظمی کو مستشرقین کی دسیسہ کاریوں کے مقابلہ میں حدیث کے دفاع کی ناگزیر ضرورت کی طرف متوجہ کیا تھا۔اس کتاب میں انہوں نے شاخت کے ایک ایک اعتراض کا بھرپور جواب دیا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ انہوں نے فن حدیث کے کئی اہم متون کی ترتیب وتدوین کا فریضہ بھی انجام دیا ہے،ان میں درج ذیل متون شامل ہیں: **موطأ إمام مالك، صحيح ابن خزيمة، سنن ابن ماجه، كتاب التمييز للإمام مسلم، مغازي رسول الله لعروة بن الزبير.**

ڈاکٹر اعظمی کی علمی وتحقیقی کاوشوں کا میدان بنیادی طور پر فن حدیث رہا ہے؛ لیکن قرآنیات کے موضوع پر بھی ان کی خدمات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔حدیث کی طرح قرآن مجید بھی ابتدا ہی سے مستشرقین کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر کسی طرح کتاب اللہ کی محفوظیت کے سلسلے میں مسلمانوں کے دل ودماغ میں شبہہ پیدا کرنے میں کامیاب ہوجائیں تو ان کا کام بہت آسان ہو جائے گا۔اس مقصد کے حصول کے لیے شروع ہی سے ان لوگوں نے بڑی کاوش کی ہے اوران کے بہترین تخریبی دماغوں نے اس سلسلہ میں علم وتحقیق کے نام پر دجل وفریب کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔چنانچہ ضرورت تھی کہ عہد جدید کے انداز اور معیار پر اس موضوع کا مطالعہ کیا جائے۔اس چیلنج کو بھی ڈاکٹر اعظمی نے قبول کیا اور اس موضوع پر ان کی کتاب "The History of Quranic Text, From Revelation to Complition - A Comprative Study with the Old and New Testments" کو دستاویزی حیثیت حاصل ہے۔مستشرقین کے دوہرے معیار اوران کی بدنیتی کو ثابت کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی اور صورت نہیں ہوسکتی تھی کہ تدوین قرآن کی تاریخ بیان کرنے کے علاوہ قرآن اور بائبل کی تدوین کا تقابلی مطالعہ بھی کیا جائے۔یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کا ایک تہائی حصہ عہد نامہ قدیم اورعہد نامہ جدید کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

مستشرقین قرآن مجید کو کلام الٰہی نہیں مانتے۔وہ اسے حضور کریمؐ کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ان کا یہ

بھی اصرار ہے کہ متن قرآن مجید کی روایت کا تمام تر انحصار زبانی روایت پر رہا ہے۔ چنانچہ وہ عہد رسالت سے متعلق کتابت قرآن کی روایات کو نا قابل قبول قرار دیتے ہیں۔ آنحضورؐ کی وفات اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مصاحف کی تیاری اور تقسیم کے درمیان بہ مشکل پندرہ سال کا عرصہ ہے۔ مستشرقین کے خیال میں متن قرآن میں تبدیلیوں کی راہ پانے کے لیے یہ عرصہ کافی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بائبل کے جو حصے صدیوں تک زبانی طور پر ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے رہے یہ حضرات اس کے استناد میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔

یہ کتاب تین غیر مساوی حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ متن قرآن سے متعلق ہے، دوسرا عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید سے متعلق، تیسرا اور آخری حصہ استشراق سے متعلق۔ واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر اعظمی کی خواہش تھی کہ اس کتاب کا اُردو ترجمہ دار المصنّفین سے شائع ہو۔ اس موضوع پر راقم حروف سے ان کی ٹیلی فون پر ایک طویل گفتگو ہوئی۔ ہم کو افسوس ہے کہ ہم ان کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکے۔ اس وقت ترجمہ جس صورت میں تھا، اس کا چھاپنا مناسب نہیں تھا۔ اب پروفیسر عبدالرحیم قدوائی نے اس کتاب کا از سر نو ترجمہ کر دیا ہے۔ اُمید ہے کہ جلد اُردو داں لوگوں کے لیے اس سے استفادہ کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

انتقال سے کچھ ہی پہلے متن قرآن کے مطالعہ کے تعلق سے ان کی ایک اور کتاب شائع ہوئی ہے، اس کا نام ''**النص القرآني الخالد عبر العصور**'' ہے۔ اس میں مختلف ادوار کے قرآنی مخطوطات کی روشنی میں سورہ بنی اسرائیل کا خصوصی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ متن قرآن ہر طرح کی تبدیلی اور تحریف سے مکمل طور پر پاک ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ انہوں نے عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں لکھا ہے۔ انگریزی مقدمہ کا عنوان ہے "Ageless Quran - Timeless Text". قرآن مجید اور حدیث نبویؐ کی ان غیر معمولی خدمات کے علاوہ ڈاکٹر اعظمی عالم اسلام کی وہ پہلی شخصیت ہیں، جس نے حدیث کی خدمت کے لیے کمپیوٹر کا استعمال کیا۔ اس کام کی ابتدا انہوں نے پچاس سال پہلے ۱۹۷۰ء کے دہے میں کی تھی۔ اس پہل کی وجہ سے حدیث کا بڑا حصہ کمپیوٹر پر آچکا ہے اور اس سے استفادہ بہت آسان ہو چکا ہے۔

میدان تحقیق حدیث کے ایک ممتاز مرد میداں
علامہ مولانا مصطفیٰ اعظمی کے چند دائمی سدا بہار علمی تحفے

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

ذہن ہندی کا نطق اعرابی سے رشتہ بہت پرانا ہے اور دنیائے اسلام میں علوم اسلامیہ اور دوسرے علوم کی جو بھی ترویج و ترقی ہوئی اس میں نطق اعرابی کے ساتھ ساتھ ذہن ہندی کی کارفرمائیاں، محنتیں، تجربات اور تحقیقات وافادات ضرور شامل رہے ہیں، ان علوم میں سب سے بڑی اہمیت علوم دینیہ اسلامیہ کی ہے، جس میں تفسیر وحدیث اور ان کے متعلقات بطور خاص شامل اور مقصد اہل علم وکمال رہتے تھے، علمائے ہند نے جن علوم وفنون کو اپنی توجہات اور محنتوں کا خاص محور ومرکز بنایا اور اس میں دنیائے اسلام کو نئے نئے مباحث وعنوانات پیش کئے، ان میں سے علم حدیث نبوی شریف غالباً سب سے ممتاز اور نمایاں ہے۔ اگر سندھ اور گجرات کی بات کی جائے تو جیسے ہی ان علوم کا چرچا اور ابتدائی سفر شروع ہوا، ویسے ہی سندھ وگجرات کے علماء نے ان سے وابستگی حاصل کی اور ان کی خدمت کا ارادہ فرمالیا، جیسے جیسے ان علوم کا ارتقا ہوتا رہا، ان میں نئی نئی شاخیں، کونپلیں اور پھل نمودار ہوتے رہے، ویسے ویسے یہاں کے علماء اس کی کیفیات، لطافت، معنویت اور خدمت کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے رہے، ان علاقوں سے گذر کر علم کا سفر اور تیز رفتار ہوا جو ملک کے مختلف حصوں میں اثر انداز اور سایہ فگن ہوتا چلا گیا، جس میں ہندوستان ملک کے شمال وجنوب، پہاڑی اور میدانی تمام علاقے شامل تھے، کبھی یہاں سے خدمت حدیث کا شجر پھوٹا، کبھی وہاں سے ارشادات نبوی کی نعمت ودولت تقسیم ہوئی، اسی طرح ہوتے ہوتے حدیث نبوی کی خدمت اور شرح وتحقیق سے وابستگی پورے ملک کا ایک اختصاص اور ایسا امتیاز بن گیا تھا کہ دور آخر کے دنیائے عرب کے بڑے بڑے صاحب نظر اور اہل علم یہ کہنے پر مجبور ہوئے:

''ولولا عناية إخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر، لقُضي

عليها بالزوال''.

(کہ اگر ہمارے ہندوستانی علماء کی اس وقت علم حدیث کی طرف خاص توجہ اور اس کی حفاظت وخدمت کا اہتمام نہ ہوتا، تو یہ علم گویا مٹ گیا ہوتا)۔

یہ اس دور کے دنیا کے ایک بڑے فاضل، محقق، صاحب قلم اور دیدہ ور شخصیت، علامہ رشید رضا، مصری کے الفاظ ہیں۔ علامہ رشید رضا کی یہ پوری عبارت لائق مطالعہ ہے، جوانہوں نے دارالعلوم دیوبند کی حاضری کے موقع پر اس کی خدمات سے متاثر ہوکر ارشاد فرمایا تھا:

''لولا عناية إخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر، لقُضي عليها بالزوال من أمصار الشرق فقد ضعُفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة، حتى بلغت منتهى الضعف في أوائل هذا القرن الرابع عشر''. (مقدمة مفتاح كنوز السنة، اے فنسك. ترجمة عبد الباقي، سہیل اکیڈمی لاہور)

(اگر ہمارے ہندوستانی بھائیوں، علماء ہند کی اس زمانہ میں علوم حدیث کی طرف توجہ نہ ہوتی تو بلاشبہ یہ اہم علم دیار مشرق سے مائل بہ زوال ہوجاتا، کیوں کہ یہ علم حدیث مصر، شام، عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری کے بعد سے روبہ زوال ہونا شروع ہوگیا تھا، یہاں تک کہ اس کی علمی کمزوری اور زوال چودہویں صدی ہجری [بے توجہی اور شایان شان علمی ترقی اور پذیرائی نہ ہونے کی وجہ سے] انتہا کو پہنچ گیا تھا۔)

ہندوستانی علمائے کرام نے خدمت حدیث کی قدیم علماء اور محدثین کرام کی روایات کو اور معمول وطریق کو اسی طرح سینہ سے لگائے رکھا، جس طرح ان کے استاذوں اور علمائے کبار نے لگایا تھا۔

جس وقت [۱۹۲۸ء] میں یہ بات کہی گئی تھی اور اس کی عالم اسلام میں مجموعی طور پر تصدیق کی گئی تھی کہ یہ بات صحیح ہے اور بعد کے دور نے بھی اس کی اسی طرح اور مکرر تصدیق کی۔ کیوں کہ علمائے ہند ہر دور میں خدمت حدیث کے متواتر ومسلسل نمونے پیش فرماتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے یہاں ایسے علماء پیدا ہوتے رہے، جن کے ذریعہ سے حدیث وشروحات حدیث کی ایسی ایسی تحقیقات وتعلیقات وجود میں آئیں کہ تمام پڑھنے دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور پوری دنیائے علم ان سے فیضیاب ہوئی۔

اس سلسلۂ خدمت حدیث سے ہندوستان کے بڑے اور مشہور صوبہ یوپی [جس کو پہلے صوبہ متحدہ واودھ اور موجودہ تعبیر میں، اترپردیش کہا جاتا ہے] کے مشرقی اور مغربی دونوں حصے، اللہ کے فضل وکرم سے خدمت واشاعت حدیث کے ہر ایک پہلو سے روشن ہوئے، جگمگائے اور تابناک رہے۔

مغربی یوپی کے علماء نے بھی اس کاروان اور خدمت حدیث میں بھرپور شرکت فرمائی اور مشرقی یوپی کے اصحاب کمال اور حدیث نبوی شریف کے عالی مرتبہ فاضلین نے بھی، اس گلستاں میں خوب نئے نئے گل بوٹے لگائے اور اس کو زیادہ سے زیادہ منور، سرسبز و پربہار بنانے کی کوشش فرمائی۔

یہاں تفصیل کا موقعہ نہیں، لیکن قریبی دور میں جن بہت بڑے اور چوٹی کے علماء نے علم کی سوغات تقسیم کی اور حدیث نبوی شریف پر محنتیں فرما کر، اپنی لیاقت وصلاحیت اور عمدہ قلم سے اعلیٰ درجہ کی نگارشات اور ایسی تحقیقی یادگاریں چھوڑیں کہ جن سے امت کو علم حدیث نبوی کی نئی دولت ملی، ان کے دلوں کے چراغ روشن ہوئے اور اس موضوع کے نامعلوم گوشوں کی دریافت ہوئی اور ان کی بصیرت افروز خدمات سے بے شمار احادیث کی تحقیق وتعلیق امت کے لیے دستیاب اور حدیث کے بہت بڑے ذخیرہ پر، گراں قدر اضافہ ثابت ہوئیں۔

یہاں اگر یوپی کے مغربی اور مشرقی ان دونوں خطوں کے پرانے علمائے کرام، خادمان حدیث اور ان کے مصنفات کا اجمالی تذکرہ بھی کیا جائے تو بات بہت دور چلی جائے گی، اس لئے میں اپنی معروضات، یہاں صرف ایک بڑی اور فقید المثال شخصیت کے حوالہ سے پیش کروں گا۔

برصغیر ہند میں سے خصوصاً یوپی کے، ہمارے قریب العہد بلند پایہ محدثین، شراح وخدام حدیث نبوی میں چار شخصیات بہت ممتاز، سرفہرست اور صف اول کے محدثین اور شارحین حدیث میں شامل ہیں، جس میں دو، مغربی یوپی سے ہیں دو مشرقی یوپی سے، اول مغربی یوپی کے رہنمایان قافلۂ حدیث کا تذکرہ اور بعد میں مشرقی یوپی کے ارباب کمال کا، جو یہ ہیں:

الف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی [وفات: رجب ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲ء]

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی ذات گرامی فرط شہرت سے محتاج تعارف نہیں، حضرت شیخ کی چند معروف وممتاز تصانیف یہ ہیں:

(۱) أوجز المسالك على مؤطا الإمام مالك

(۲) الكوكب الدري على جامع الترمذي

(۳) لامع الدراري على صحيح البخاري

(٤) الأبواب والتراجم على صحيح البخاري

(٥) التقرير الرفيع لمشكوٰة المصابيح

ب: حضرت مولانا محمد یونس جون پوری شیخ الحدیث مظاہر علوم، سہارنپور [وفات: شوال ۱۴۳۸ھ۔ جولائی ۲۰۱۷ء]

حضرت مولانا کی شخصیت بھی اس آخری دور میں فن حدیث میں ایک بہت بڑا مرجع اور عرب وعجم میں یکساں عالی مرتبہ تھی، مگر حضرت مولانا کی بہت کم چیزیں اب تک چھپی ہیں، جو چھپی ہیں ان میں سے ممتاز یہ ہیں:

(۱) نبراس الساري إلى رياض البخاري شرح وتعليق على صحيح البخاري.
۳ رجلدیں چھپی ہیں۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ دس جلدوں میں مکمل ہوگا۔

(۲) الفيض الجاري في درس البخارى. [دو جلدیں] چھپی ہیں۔ اس کی بھی اور کئی جلدیں متوقع ہیں۔

(۳) مونس القاري في دروس البخاري. [صرف ایک پہلی جلد آئی ہے اور کئی جلدیں متوقع ہیں]

(۷) كتاب التوحيد. صحیح بخاری کی کتاب التوحید کی نہایت فاضلانہ، درسی تقریر۔ مرتبہ: مولانا محمد ایوب صاحب سورتی

(٥) اليواقيت الغالية في الأحاديث العاليه [چار جلدیں] احادیث شریفہ کے مختلف عنوانات ومباحث پر فقید المثال تصنیف ہے۔

(٦) نوادر الحديث [مرتبہ: مفتی محمد زید مظاہری]

(۷) نوادرالفقه. [مرتبہ: مفتی محمد زید مظاہری]

ج: محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی [وفات: رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ/ مارچ ۱۹۹۲ء]

حضرت مولانا کا نام نامی، اس دور میں تحقیق وتصحیح متون حدیث میں سند کا درجہ رکھتا ہے۔

(۱) تدوین وتصحیح وتعلیق، مصنف عبدالرزاق۔[دس جلدیں مکمل]
(۲) تصحیح وتعلیق، مصنف امام ابن ابی شیبہ۔[ناتمام]صرف چار جلدیں چھپی ہیں۔
(۳) كتاب الزهد [إمام عبد الله بن المبارك]
(۴) المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية [شيخ الإسلام حافظ ابن حجر] چار جلدیں۔ طبع اول، کویت
(۵) كشف الأستار عن زوائد البزار على الكتب الستة. [چار جلدیں] طبع اول ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء [دار الرسالة العلمية، بيروت]

د: اس سلسلہ کی آخری شخصیت جنہوں نے تصحیح کتب اور تحقیق فن حدیث کے سلسلہ میں نئے چراغ روشن کئے اور ایسے متعدد کام بلکہ کارنامے انجام دیئے، جو وقت کا تقاضہ اور مستقبل کے لئے بڑی سوغات ہیں، وہ مولانا علامہ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے، جو[یکم ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ۔۲۰ر دسمبر ۲۰۱۷ء] کو سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ افسوس ہے کہ میں مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کی زیارت ودید سے محروم رہا، لیکن علامہ کی تحریرات وتعلیقات اور مرتبہ کتابوں سے دور اور بے خبر نہیں تھا، جہاں تک یاد ہے، علامہ مصطفیٰ کی تصانیف ومؤلفات عالیہ میں سے، سب سے پہلے صحیح ابن خزیمہ کی زیارت اور ورق گردانی کا موقعہ ملا تھا، اس کے بعد "دراسات في الحديث النبوي الشريف" سے نگاہیں منور وروشن ہوئیں، اس کے بعد علامہ کی اور خدمات وتحریرات، موقع بہ موقع دیکھنے کا موقعہ ملتا رہا۔

بلا تأمل کہا جا سکتا ہے کہ عصر حاضر میں ہندوستان کے جن چند بڑے علماء کو خدمت حدیث کی اور اس وادی میں نئے نشانات اور سنگ میل قائم کرنے کی قدرت نے توفیق عطا فرمائی، اس میں شیخ مصطفیٰ اعظمی کا اسم گرامی بھی سرفہرست اور زندۂ جاوید شخصیات میں شامل اور سدابہار نافع مصنفات کے حوالہ سے، یاد رہے گا۔ فرحمه الله ورضي عنه.

شیخ مصطفیٰ اعظمی نے جس زمانہ میں تعلیم حاصل کی اور خدمت وعمل کے میدان میں اترے، اس وقت ہندو پاکستان کیا، بلکہ عرب ملکوں کی علمی مجلسوں میں بھی، مستشرقین کے اسلام پر اعتراضات اور ان کے پیدا کئے ہوئے شبہات وسوالات کا بہت چرچا تھا، وقفہ وقفہ سے نئے نئے اعتراضات اور نئی تنقیحات، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دین اسلام، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور خصوصاً احادیث

کے نادر الوجود ذخیروں اور اس کی معتبر کتابوں پر طرح طرح سے الزامات کی برسات تھی، خوب چھینٹیں اڑائی جارہی تھیں اور ہر چیز کا وقار واعتبار [معاذ اللہ] ختم کرنے کی کوشش وسازش، مغرب اور یورپ کے دانشوروں اور مصنفین کا بہت بڑا مقصد تھا۔ اگر چہ ہمارے یہاں ان کے جوابات اور تنقید کی راہ کھل چکی تھی اور اس پر تحریرات ومضامین کا سلسلہ رواں تھا، اس سلسلہ میں کئی عمدہ کتابیں سامنے آئی تھیں، ہندوستانی مصنفین، خصوصاً علامہ شبلی نعمانی، مولانا مناظر احسن گیلانی وغیرہ نے بھی اس عنوان پر خاص توجہ کی تھی اور اپنی کتابوں میں بہترین علمی مواد فراہم کیا تھا، جس سے بعد کے لوگوں نے بہت رہنمائی حاصل کی اور فائدے اٹھائے، لیکن میرے خیال میں ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب نے اس مسئلہ کو، جس اعلیٰ علمی انداز میں لیا اور سمجھا، وہ اپنے آپ میں بڑا سنگ میل اور اس موضوع میں تغیر اور انقلاب کا ایک نیا راستہ ہے، جس سے بعد کے لوگوں کو بہت روشنی ملی اور اس موضوع پر اس طرح کام ہوا کہ وہ تمام اعتراضات، مستشرقین کی وہ سب تحقیقات جن پر ان کو بڑا ناز تھا، کم درجہ ثابت ہوکر رہیں اور علمی مجلسوں میں ان کی علمی، استدلالی کمزوری اور مستشرقین کے ذہن کی نارسائی اور دانستہ مغالطہ دینے کی کوششوں کا عموماً، راز فاش ہوتا چلا گیا اور ان کی طرف سے وہ توجہ اور التفات بھی ختم ہوگیا، جس کو لوگ پہلے ایک اعزاز سمجھتے تھے اور ان کے پڑھنے پڑھانے کا اہتمام کرتے تھے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب نے خود مغربی بڑے علمی اداروں میں بیٹھ کر، مغربی مستشرقین کی تحریفات وتحریرات کو موضوع گفتگو بنایا اور ان کے علمی استدلالات کی کمزوریوں کو، اس طرح واضح اور بے غبار کردیا، کہ ان اعتراضات میں نہ کوئی جان رہی، نہ ان پر توجہ دینے کی کوئی ضرورت باقی رہی۔

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے ایک بڑا اور کہنا چاہئے کہ وقت کے لحاظ سے ایک نرالا کام یہ کیا، کہ مغرب کے ہتھیاروں سے، ان ہی کے میدان میں اتر کر مقابلہ کیا اور خوب کامیاب ہوئے۔ ڈاکٹر اعظمی نے جیسا کہ ڈاکٹر اشتیاق ظلی صاحب نے لکھا ہے کہ قطر کے پہلے زمانۂ قیام [۱۹۵۵ء تا ۱۹۶۴ء] میں، سخت اسلام دشمن مستشرق، جوزف شاخت (Joseph Franz Schacht) کی سیرت نبوی پر معروف مگر مغالطہ انگیز بلکہ زہر آلود کتاب (Jurisprudehce) پڑھی اور شاید اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ شاخت اور دوسرے مستشرقین کے حدیث شریف سے متعلق تحریرات واعتراضات کا بھرپور جواب دیا جائے، ایسا جواب جو ان لوگوں کی بولتی بند کردے اور ان کے نام نہاد استدلالات کی حقیقت واضح کرکے، ان کے

دلائل کا تانا بانا اور حقیقت وسچائی کو اس طرح واضح کردے، جس سے معلوم ہو جائے کہ سچ کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ اس کاوش کے نتیجہ میں مغرب کے اسلام پر علمی حملوں میں بہت بڑی کمی آئی اور چوں کہ یہ مقالہ کیمبرج میں بیٹھ کر، رہ کر اعلیٰ ترین علمی دلائل کے ساتھ لکھا گیا تھا، جس کے علمی وزن، معتبر دلائل اور تحریر کی سنجیدگی، ہر ایک نے اپنا الگ اثر قائم کیا اور مغرب ومشرق دونوں خطوں کے اہل علم کی نگاہ میں اپنا مقام بنالیا۔ یہ مقالہ جس کا عنوان یہ ہے: "Studies in Early Hadith Litrature" چھپا اور علمی دنیا میں اس کی دھوم مچ گئی، اس کی نہایت پذیرائی ہوئی اور ہر طبقہ کے اہل علم نے اس سے خوب رہنمائی حاصل کی اور بے شمار فائدہ اٹھایا۔

اس مقالہ کے لیے ڈاکٹر اعظمی کی محنت، جانکاہی، دقت نظر اور وسعت مطالعہ کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس مقالہ کی تالیف وترتیب میں تینتالیس[۴۳] غیر مطبوعہ مراجع، مخطوطات سے اخذ واقتباس کیا گیا، بنیادی، اسلامی اور تاریخ وادب کی عربی کی دوسو تیرہ[۲۱۳] اور انگریزی کی پندرہ[۱۵] مصنفات سے مراجعت اور استفادہ ہوا ہے، یعنی تقریباً پونے تین سو کتابوں کا جوہر اور ان کی اطلاعات کا حاصل، اس مقالہ میں جمع کردیا گیا ہے۔

اس مقالہ کی پہلی پذیرائی، ڈاکٹر اعظمی کے استاذ اور نگران کار (Superviser) ممتاز مستشرق اور فاضل، پروفیسر اے جے آربری[Professor A.J.Arberry] نے کی، آربری نے اس کی تعریف کی اور اس کو اول درجہ کا مقالہ قرار دیا اور لکھا ہے کہ:

In this field Dr Azmi has done pioneer work of the highest value, and he has done it according to the exact standards of scholarship. The thesis which he presented, and for which cambridge conferred on him the degree of P h.D, is in my opinion one of the most exciting and original investigations in this field of modern times. - *Professor A. J. Arberry*

اس مقالہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ مغربی دانشوروں اور مستشرقین کے قلم سے اسلام، سیرت پاک اور حدیث نبوی شریف پر جو نئی نئی تحریریں چھپتی رہتی تھیں اور پرانے اعتراضات کو نئے اسلوب میں پیش کئے جانے کا جو شوق تھا، اس پر پانی سا پڑ گیا اور اس موضوع کی تحریروں کا آنا اگر چہ ختم تو نہیں ہوا، لیکن ان کا وہ وزن، ان کی وہ پذیرائی اور وہ اہمیت جاتی رہی۔ مولانا مصطفیٰ اعظمی کے اس مقالہ اور تحقیق کا،

دنیائے اسلام میں استقبال بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا، کہ اس کو اس عہد کی اہم ترین علمی خدمات اور بلند تصانیف میں شمار کیا گیا اور بالآخر ایک وقت وہ بھی آیا کہ اسی خدمت کی وجہ سے، ڈاکٹر اعظمی کو دنیائے اسلام کے ممتاز ترین علمی ایوارڈ ''جائزة الملك فيصل العالمية'' سے نوازا گیا اور سعودی عرب کے شاہ خالد الفیصل نے ۲۶ رصفر ۱۴۰۰ھ [۱۹۸۰ء] کو اس اعزاز سے سرفراز کیا، جس سے اس کتاب کی وقعت و پذیرائی میں بہت اضافہ ہوا، بعد میں مصنف اور مقالہ نگار، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اپنے اس انگریزی مقالہ کو: ''دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه'' کے نام سے عربی میں منتقل کیا، جو دو جلدوں میں المکتب الاسلامی، بیروت سے ۱۴۱۲ھ [۱۹۹۲ء] میں پہلی مرتبہ شائع ہو کر سرمۂ نور اہل نظر بنا۔ اس مقالہ نے دنیا میں علم حدیث کے طالب علموں کو نئی توانائی اور نئی فکر بخشی اور اس سے اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے ایک نیا راستہ کھل گیا۔

ڈاکٹر اعظمی نے اپنے اس مقالہ کو آٹھ ابواب پر مرتب و منقسم کیا ہے، جس میں سے [میرے ناقص خیال میں] چوتھا باب سب سے مفصل ہے، اس کو فاضل مصنف نے چار فصلوں پر تقسیم کیا ہے، اس میں سے ہر ایک فصل اپنے آپ میں علم کا ایک نیا دروازہ کھولتی ہے اور حدیث نبوی شریف سے متعلق نئی نئی معلومات کی کرنیں بکھیرتے ہوئے نئے آفاق روشن کرتی ہے۔ اس میں حدیث شریف کے علمی استناد، اعتماد اور بعد کی نسلوں اور اُمت تک محفوظ، بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ ترین علمی طریقوں سے پہنچنے کی جو بھی صورتیں ہیں، ان کا بہت عمدہ، مستند تاریخی حوالوں سے آراستہ، بھرپور نشان اور وضاحت ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا عجیب وغریب نظام ہے کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ شریفہ کی حفاظت وصیانت کا ایسا محکم اور ناقابل ترمیم وتغیر انتظام فرمایا گیا اور اس نظام میں ایسا دوام وتسلسل ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں۔ اگرچہ امت کے اکثر اہل علم اس سے خوب واقف اور اس کے اصول وجزئیات پر ہمیشہ گہری نظر رکھتے ہیں، لیکن ڈاکٹر اعظمی نے اس کو ایسے مرتب طریقہ اور ایسے محکم دلائل سے واضح اور ثابت کیا ہے کہ یہ حقیقت ایک مرتبہ پھر دو اور دو چار کی طرح واضح ہوگئی اور اس میں شک وشبہ کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں رہی۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل وروایت کرنے والے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے شاگردوں، یعنی تابعین کرام ہر ایک کے عمدہ حافظہ، بہترین نقل وروایت اور مزید اعتماد اور احتیاط کے طور پر، ان کی تالیفات وتحریرات اور حضرات تابعین کو ان کی جوں کی توں منتقلی اور

تابعین کرام کے ذریعہ سے اس کی حفاظت کا مزید اہتمام اور اس کے لیے ہر طرف سے حفاظتی حصار، تحریر وقلم کے ذریعہ ان سب کی بعد کی نسلوں تک ایسی محفوظ و معتمد رسائی، جس کے استناد میں کچھ بھی شک وشبہ نہ رہے۔ اس طرح کے جو مجموعے حضرات صحابہ کرام اور تابعین کے عہد میں مرتب ہوئے اور پھر وہ جس ذمہ داری اور احتیاط کے ساتھ بعد میں نقل وروایت کئے گئے، ڈاکٹر اعظمی نے ان کی ایک مختصر روداد اور معتبر تاریخ پیش کی ہے، جس کے مطالعہ اور تفہیم کے بعد کوئی بھی ذی ہوش انسان کا اس کی صداقت اور تسلسل سے انکار نہیں کرسکتا۔

حضرات محدثین کرام نے احادیث کی نقل وروایت میں جو احتیاطیں ملحوظ رکھی ہیں اور جن بلند ترین معیارات کو احادیث شریفہ کے ردوقبول کا ذریعہ بنایا ہے، وہ بلا شک وشبہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی ذات عالیہ کے سوا کسی بھی انسان کے لئے نہ کبھی استعمال ہوئے، نہ ہوسکتے ہیں، یہ معیارات ایسے سخت اور بے لچک ہیں کہ ان کا پوری طرح خیال رکھنا اور نبھانا تقریباً ناممکن ہے، مگر امت کے لاکھوں افراد نے اپنی پوری پوری زندگیاں قربان کرکے، اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا اور دنیا کے سامنے ایک ایسی مثال پیش کردی، جس کا نہ انکار ممکن ہے اور نہ اس جیسا پیش کرنا ممکن ہے۔

ڈاکٹر اعظمی صاحب نے ان اصول ومعیارات کی بھی خوب نشاندہی کی ہے اور ناقابل تردید معتبر تاریخی حوالوں اور مراجع سے اس کو بالکل صاف اور آئینہ کردیا ہے۔ اس طرح سے یہ مقالہ حدیث شریف کے تمام طالب علموں کے لیے بے مثال دستاویز، ایک قیمتی رہنما اور منکرین ومخالفین کے لیے ناقابل تردید صحیفہ بن گیا ہے۔

مولانا ڈاکٹر اعظمی صاحب کی ایک بہت بڑی اور سدابہار علمی خدمت ''**صحيح ابن خزيمة**'' کی تحقیق وتدوین بھی ہے، جو اس کتاب کی پہلی دریافت وتحقیق بھی ہے اور پہلی اشاعت بھی۔ شیخ مصطفیٰ اعظمی نے اس کو ترکی کے کتب خانہ سے دریافت کیا اور اپنی لگن، بے نہایت محنت اور عالمانہ ژرف نگاہی سے آراستہ کرکے وقف عام کردیا۔

صحیح ابن خزیمہ کا یہ نسخہ شیخ زہیر شاوش کے مشہور دارالاشاعت، المکتب الاسلامی بیروت سے چار جلدوں میں چھپا تھا۔ اس کی پہلی جلد کتاب الوضوء سے ''**باب المصلي إذا أصاب ثوبه نجاسة إلخ**'' تک۔ دوسری جلد: ''**جماع أبواب المواضع التي تجوز الصلاة عليها والتي لا تجوز**''

سے "**باب الأمر بالسكينة في المشي إلى الصلاة**" تک۔ تیسری جلد: "**باب الأمر بالسكينة في المشي إلى الصلوٰة**" کے باقی سے "**باب وقت خروج المعتكف من معتكفه**" تک ہے۔

چوتھی جلد: کی ابتداء **كتاب الزكوٰة** سے ہوئی ہے، جو صفحہ: ۱۲۶ پر مکمل ہوگئی، اس کے بعد صفحہ: ۱۲۷ سے **كتاب المناسك** کا آغاز ہوا ہے، جو اگرچہ آخر کتاب تک چلی گئی ہے مگر ناتمام رہی، اسی باب کے ایک عنوان: "**باب إباحة العمرة قبل الحج**" پر کتاب کا دستیاب خطی نسخہ تمام ہوگیا تھا، اس لیے ڈاکٹر اعظمی کا کام بھی یہیں تک رہا۔

ڈاکٹر اعظمی کی تالیفات میں یہی دو کتابیں نہیں، اس کے علاوہ اور بھی کئی بڑی خدمات ہیں، جس میں میرے ناچیز خیال میں حضرت عروہ بن زبیرؒ کی "**مغازي الرسول صلى الله عليه وسلم**" سب سے اہم ہے، اگرچہ ڈاکٹر اعظمی صاحب نے صحیح ابن خزیمہ کے علاوہ، موطا امام مالک اور سنن ابن ماجہ کو بھی ایڈٹ کیا تھا، جو شائع ہوچکی ہیں، لیکن ان دونوں کتابوں کے اور بھی متعدد، عمدہ اور محقق نسخے آچکے ہیں۔

ڈاکٹر اعظمی صاحب کی خدمات میں قرآن کریم پر بھی ایک اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے، جس میں قرآن کریم کی مرکزیت اور تدوین قرآن کی تاریخ کا واضح تذکرہ کیا گیا ہے، قرآن مجید کے قدیم وجدید تمام نسخوں کی یکسانیت پر فاضلانہ بحث کی ہے اور قرآن کریم سے متعلق بنیادی مباحث پر، مستشرقین کے جو اعتراضات ہیں، ان کی علمی کمزوری اور بے حقیقتی اسی اعلیٰ علمی اسلوب میں واضح کی ہے، جس کو: **دراسات في الحديث النبوي الشريف** میں اختیار کیا گیا تھا۔ یہ کتاب:

"The History of the Quranic Text, from Revelation to Compilation: A Comparative Study with the Old and New Testaments ".

کے نام سے شائع ہوئی اور اپنے اعلیٰ علمی مرتبہ اور علمی منزلت کی وجہ سے قابل تعریف شمار کی گئی۔

راقم سطور مکرر معذرت خواہ ہے کہ اسے ڈاکٹر اعظمی کی دید اور راست معلومات کا موقعہ نہیں ملا اور ایسے لوگوں سے بھی کم ملاقاتیں ہوئی، جنہوں نے شیخ اعظمی کی خدمت وتلمذ میں وقت گزارا ہو اور شیخ اعظمی سے براہ راست استفادہ کیا ہو، ایسے میں بس یہی کچھ عرض کیا جاسکتا تھا جو پیش کیا گیا۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی-شخصیت اور کارنامہ

مولاناڈاکٹر بدرالحسن القاسمی (کویت)

عصر حاضر کی منتخب علمی شخصیتوں میں ایک معتبر نام ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کا تھا، جنہوں نے علم حدیث کی خدمت سے اپنے آپ کو وابستہ رکھا، حدیث اور سنت کی طرف سے بھر پور دفاع بھی کیا اور قدیم ذخائر کی متعدد کتابوں کو اپنی تحقیق وایڈٹ کے ساتھ شائع کیا اور مخطوطات کی خدمت کر کے اہل علم کے لیے ان سے استفادہ کو آسان کر دیا۔

افسوس ہے کہ پچھلے دنوں دسمبر ۲۰۱۷ء کی ۲۰/تاریخ کو سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں تقریباً ۸۷/سال کی عمر میں انہوں نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔(**إنا لله وإنا إليه راجعون**)

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کی وفات کا سانحہ علمی دنیا کا زبردست خسارہ ہے، جس سے اُمت ایک محقق عالم سے محروم ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی یوپی کے مردم خیز شہر مئو میں ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے تھے، انہوں نے دارالعلوم مئو، مدرسہ شاہی مرادآباد اور دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، مزید تعلیم کے لیے علی گڑھ اور جامعہ ازہر مصر گئے اور وہاں سے کلیۃ اللغۃ العربیۃ سے ایم اے کی سند حاصل کی۔ پھر ڈاکٹریٹ کے لیے انگلستان جا کر کیمبرج یونیورسٹی سے وابستہ ہوگئے اور انگریزی زبان میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ کر وہ مقام حاصل کیا، جو کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

علم حدیث سے شغف تو دارالعلوم دیوبند کی تعلیم کا رہین منت ہے اور دین کی طرف سے دفاع کا جذبہ بھی اس وقت کا ماحول اور دیوبند سے فیض یافتوں کی شناخت رہی ہے۔

حدیث نبوی کی استناد کو چیلنج کرنے والوں میں گولڈزیہر (Goldziher) اور پروفیسر شاخت

(Schacht) کو خاص شہرت حاصل ہے، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے ان کے پیدا کردہ شبہات کو ذہن میں رکھ کر ہی اپنے ڈاکٹریٹ کے رسالہ کی پلاننگ کی اور اس سلسلہ میں صحاح ستہ کی تدوین سے پہلے کی کڑیوں کو تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کی اور تحقیق و تدقیق کا ایسا معیار قائم کیا کہ رسالہ کے سپروائزر اور نامور مستشرق پروفیسر آر بیری کو اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کا کام بے حد معیاری ہے، اور اس طرح کے کیے جانے والے دوسرے کاموں سے سبقت لے گیا ہے اور آنے والے ریسرچ اسکالروں کے لیے وہ دلیل راہ ثابت ہوگا اور دوسرے محققین ان کی تحقیق سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب کا یہی کام ان کی آئندہ ترقیات کا زینہ بن گیا۔

انہوں نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور انگلستان میں رہ کر ان کے ذہن میں جہاں حدیث کے نادر مخطوطات کا سراغ لگانے اور ان کو تحقیق وایڈٹ کر کے اس طرح شائع کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، جس سے مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں کا سلسلہ بند ہو، وہیں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ حدیث کے سارے ذخیرہ کو کمپیوٹرائز کر دیا جائے، جس سے استفادہ بھی آسان ہو جائے، اور جن سلسلوں کو مستشرقین یورپ اور ان کے ہم خیال عرب اور غیر عرب مغرب زدہ ذہنیت رکھنے والے مفقود سمجھ رہے ہیں وہ بھی سامنے آ جائیں اور اس طرح سب پر حجت قائم ہو جائے، اور پھر کسی کو حدیث کے ذخیرہ کے بارے میں لب کشائی کا موقع نہ ملے۔

اس لحاظ سے ڈاکٹر صاحب کو حدیث کو کمپیوٹر کے ذریعہ متعلقہ تمام فنون کے ساتھ محفوظ کرنے کی کوششوں میں سبقت حاصل ہے، گو کہ کچھ ذاتی اور کچھ خارجی اسباب کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے جو عظیم منصوبہ تیار کیا تھا، اس جامعیت کے ساتھ وہ دنیا کے سامنے نہ آ سکا، اور دوسری وجہ تجارتی وغیر تجارتی کمپنیوں نے اپنے کاموں کو نمایاں کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔

''انکار حدیث'' کے فتنہ کی وجہ سے ''حجیت حدیث'' کا موضوع، اس زمانہ میں علمائے کبار کی توجہ کا مرکز رہا ہے اور خاص طور پر علمائے دیوبند اس میدان میں پیش پیش رہے ہیں، علامہ مناظر احسن گیلانی کی ''تدوین حدیث''، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی ''نصرۃ الحدیث''، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کی رقم کردہ ''حجیت حدیث'' وغیرہ بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

نامور عراقی محقق ڈاکٹر بشار عواد معروف نے تو ''تدوین حدیث'' کے عربی ایڈیشن کے مقدمہ میں یہ دعوی بھی کر دیا ہے کہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کے ڈاکٹریٹ کا شہرہ آفاق مقالہ درحقیقت مولانا مناظر احسن گیلانی کی ''تدوین حدیث'' کی اساس پر ہی لکھا گیا ہے، جس کا حوالہ ہونا چاہیے تھا۔

واضح رہے کہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے ''موطأ امام مالك'' کی اپنے تحقیق کردہ ایڈیشن میں ڈاکٹر بشار عواد کے کام پر بھی تنقید کی ہے اور ابومصعب زہری کی روایت کی تحقیق میں ان کے اس نقطہ نظر کی تردید کی ہے کہ موطأ امام مالک کی روایتوں میں اختلاف کی وجہ ''روایت بالمعنیٰ'' رہی ہے۔ اس لیے اِسے ایک طرح کی معاصرانہ چشمک کا عنوان دیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کے کام کی اصل اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے یورپ کے مستشرقین کی طرف سے احادیث کے ذخیرے کے بارے میں پیدا کردہ شبہات کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، جن سے خود عرب اور غیر عرب مسلمانوں کا نیا تعلیم یافتہ طبقہ شدت سے متاثر ہو رہا تھا اور جو مستشرقین کی ہر تحقیق کو وحی کی طرح مقدس سمجھ کر قبول کرنے کے لیے تیار رہا کرتا تھا؛ لیکن ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی اور بعض دوسرے محققین نے مستشرقین کا یہ زور توڑ دیا اور ان کی خامیوں کی نشاندہی کی اور ان کی تحقیق کے نام پر غیر تحقیقی باتوں کو رواج دینے اور مصادر شریعت کو بدنیتی کے ساتھ مشکوک بنانے کی کوششوں کا پردہ فاش کیا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب کے کاموں میں جو پہلو نمایاں نظر آتا ہے وہ دین کی طرف سے دفاع اور مستشرقین کی طرف سے قرآن کریم اور حدیث نبوی کے تاریخی استناد کے بارے میں اٹھائے جانے والے سوالات یا پیدا کیے جانے والے شبہات کا پوری قوت کے ساتھ ازالہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے ''تاریخ القرآن وتدوینہ'' کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی ہے، جس کا مقصد ''ماھو القرآن؟'' نامی ایک مستشرق کی لکھی ہوئی کتاب کا رد اور اس کے پیدا کردہ شبہات کا تحقیقی جواب ہے۔ حدیث سے متعلق اُن کی شہرہ آفاق کتاب ''دراسات في الحدیث النبوي وتاریخ تدوینه'' کا بھی محوری موضوع مشہور مستشرق شاخت کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا علاج ہے، اس نے مسلمانوں کی نظر میں شریعت الٰہی کا دوسرا ماخذ حدیث نبوی کو مشکوک کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس طرح انہوں نے قرآن کریم اور حدیث نبوی دونوں کی تدوین اور ان کی حفاظت کی تاریخ کو

جدید معیار کے مطابق مبرہن کر دیا ہے۔ شاخت نے محدثین کرام پر تلفیق کا الزام لگایا تھا، اور اسانید کی ابتدائی کڑیوں کو غیر مستند قرار دیا تھا۔

جن مخطوطات کو انہوں نے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے ان کے ذریعہ بھی اپنے اسی مقصد کو روبعمل لانے کی کوشش کی ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے حدیث کو کمپیوٹرائز کرنے کا تصور پیش کیا۔

امریکہ ہارورڈ یونیورسٹی میں سب سے پہلے حدیث کا درس دیا۔

اسی طرح ''صحیح ابن خزیمة'' کے مخطوط نسخے کا اکتشاف کیا، اور اسے اپنی تحقیق سے شائع کرنے کی کوشش کی۔

امام حرم مکی ڈاکٹر صالح بن حمید نے اپنے ایک مضمون میں اپنے استاذ اور شیخ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کے علم و فضل کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے، اور ایک طرف تعلیم و تدریس میں ان کی سختی اور صرامت اور پڑھانے کے انداز میں جدت اور ندرت کا ذکر کیا ہے، تو دوسری طرف یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ وہ شہرت پسندی کا مزاج نہیں رکھتے تھے؛ اس لیے ان سے استفادہ کا دائرہ بھی یونیورسٹی کے طلبہ تک ہی محدود رہا۔

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کا ڈاکٹریٹ کا تحقیقی مقالہ کیمبرج یونیورسٹی میں انگریزی زبان میں پیش کیا گیا تھا، اور بعد میں اضافہ و نظر ثانی اور مصادر و مراجع کی مزید توثیق کے بعد ملک سعود یونیورسٹی ریاض کی طرف سے عربی زبان میں ''دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه'' کے نام سے ضخیم کتاب کی شکل میں شائع ہوا۔

اس کتاب کی امتیازی حیثیت اور علوم حدیث کو کمپیوٹرائز کرنے کے منصوبے کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے ۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر صاحب کو فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔

قطر اور مکہ مکرمہ میں ملازمت کے بعد ان کی مستقل وابستگی ملک سعود یونیورسٹی سے ہوگئی، انہیں تھوڑے ہی عرصہ کے بعد سعودی عرب کی شہریت بھی حاصل ہوگئی، اور مستقل طور پر ریاض میں مقیم ہو گئے؛ لیکن برطانیہ اور امریکہ کی متعدد یونیورسٹیوں میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے ان سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔

ڈاکٹریٹ کے مذکورہ مقالہ کے علاوہ ان کی اور بھی متعدد اہم تحقیقی کتابیں ہیں، جن میں ''**منهج النقد عند المحدثين**''، ''**دراسات منهجية في علم الحديث**'' اور ''**أصول الفقه المحمدي للمستشرق شاخت – دراسة نقدية**''، ''**كُتّاب رسول الله ﷺ**'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان کا اصل ذوق حدیث کی قدیم کتابوں کی تحقیق اور نادر مخطوطات کا احیا تھا، چنانچہ انہوں نے جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں ان میں:

- **صحيح ابن خزيمة**
- **سنن ابن ماجه**
- **موطأ إمام مالك برواية يحيىٰ الليثي**
- **مغازي الرسول لعروة بن الزبير**

ڈاکٹر صاحب کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں اور اہل علم کی طرف سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب یکسوئی کے ساتھ علمی کاموں میں مشغول رہنے والے انسان تھے۔ لوگوں سے زیادہ میل جول کا اثر یقیناً انسان کی یکسوئی پر پڑتا ہے؛ لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ استفادہ کا دائرہ بھی محدود ہوکر رہ جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ ریاض اپنی بار بار آمدورفت کے باوجود ڈاکٹر صاحب سے ملاقاتیں برائے نام ہی رہیں۔

۱۹۷۹ء میں میں پہلی بار جامعۃ الامام محمد بن سعود کی دعوت پر پہلی اسلامی جغرافیائی کانفرنس میں شرکت کے لیے دارالعلوم دیوبند سے گیا تھا، اس کانفرنس میں میرے علاوہ ہندوستان سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پرووائس چانسلر نامور جغرافیہ داں پروفیسر شفیع صاحب اور شمیم مدنی صاحب بھی تھے، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب سے انٹرکونیٹینل ہوٹل کی گیلری میں ملاقات اور تعارف ہوا۔

برسوں کے بعد دوبارہ ریاض کے ایک ریسٹورنٹ میں منعقدہ ایک تقریب میں ملاقات ہوئی، تو ڈاکٹر صاحب وھیل چیئر پر نظر آئے۔ البتہ ان کی کتابوں سے رشتہ برابر رہا ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کے اہم کارناموں میں ایک جس کا چرچا بہت زیادہ ہوا اور جو ان کے فیصل ایوارڈ کی بھی بنیاد رہا ہے احادیث کے ذخیرہ کو کمپیوٹرائز کرنے کا پروگرام ہے۔ اس بات کا خیال ان کو اس وقت ہوا جب وہ امریکہ میں تھے اور اس وقت تک کسی اور شخص نے اس طرح کا منصوبہ نہیں بنایا تھا، اس لیے بلاشبہہ ان کو اس معاملہ میں سبقت اور اولیت حاصل ہے۔

انہوں نے نہ صرف احادیث کے مجموعہ بلکہ اُصول حدیث، غریب الحدیث اور اسماء الرجال وعلم الجرح والتعدیل کی کتابوں کو بھی اپنے پروجیکٹ میں شامل کر لیا تھا۔

انہوں نے جن مخطوطات کی تحقیق کی ہے یا جو کتابیں ان کی تحقیق سے شائع ہوئی ہیں ان میں تو انہوں نے نئی ٹکنالوجی سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا پروجیکٹ کہاں ہے؟

حدیث کے ذخیرہ کو کمپیوٹر میں محفوظ کرنے اور کمپیوٹر کے ذریعہ ان کی اہم کتابوں اور متعلقہ علوم کی خدمت میں اس نئی ایجاد سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ ان میں امریکہ میں پیدا ہوا، اور بعض مستشرقین کے منفی رویہ کی وجہ سے انہوں نے ۱۹۷۷ء میں ایک کمپیوٹر خرید بھی لیا۔ شروع میں عربی میں پروگرام نہ ہونے کی وجہ سے دشواریاں پیدا ہوئی، لیکن بعد میں ان کے اس خیال نے ایک عظیم منصوبہ کی شکل اختیار کر لی اور تمام اہل خانہ کے ساتھ وہ اس میں مشغول ہو گئے۔

اس سلسلہ میں جن لوگوں کی طرف سے مالی، اخلاقی یا انتظامی مدد ملی ان سبھوں کا انہوں نے نام بنام شکریہ ادا کیا ہے؛ لیکن پروجیکٹ کو انہوں نے ذاتی ہی رکھنے کی کوشش کی اور کسی ادارہ یا شخص کی انفرادی پیش کش کو قبول نہیں کیا، اور اپنا ذاتی سرمایہ اتنا صرف کیا کہ مقروض ہو گئے؛ لیکن جذبہ سچا تھا اللہ تعالیٰ نے سابق ولی عہد امیر سلطان بن عبدالعزیز کی طرف سے ایک خطیر رقم کا انتظام کر دیا، جس سے ان کا بار ہلکا ہوا، انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ، بیٹی، بیٹے سب کو اس اہم کام سے جوڑ رکھا تھا، اور مشروع کی حیثیت ذاتی ہی رہی، جس کسی سے مدد لی اس کو اجرت دیتے رہے؛ لیکن اس سلسلہ میں انہوں نے جتنی محنت کی ہے اور جس قدر قربانیاں دی ہیں کہ بعض دفعہ اپنے استعمال کی قیمتی چیزیں تک فروخت کرنے کی نوبت آئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تلافی کرا دی۔

اس عظیم منصوبہ کے نتائج کا انتظار اہل علم کوطویل عرصہ سے ہے۔ سنن ابن ماجہ ہی کی طرح انہوں نے صحیحین بخاری ومسلم کی طباعت کا ذکر فرمایا ہے؛ لیکن اب تک میری نظروں سے وہ ایڈیشن نہیں گزرا جس میں انہوں نے اس موضوع پر روشنی ڈالنے کاارادہ ظاہر کیا ہے۔

ممکن ہے کہ مستقبل میں ان کے وارثین یا بعض قریبی شاگردوں کے ذریعہ وہ منظر عام پرآسکیں یا اندازہ ہوسکے کہ اس مشروع کا دائرۂ کار کیا تھااوراس میں ان کوکتنی کامیابی ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب کے کام کی نوعیت الگ ہوگی، عام کمپنیوں یااشخاص کی طرف سے جو پروگرام عام ہو رہے ہیں ان میں وہ بات پیدانہیں ہوسکتی جوڈاکٹر صاحب جیسے بالغ نظراورعلوم حدیث کی شاخوں پرنظر رکھنے والے انسان کی براہ راست نگرانی میں انجام پانے والے کام میں ہوگی۔

اس لیے ہماری خواہش یہی ہے کہ وہ منظر عام پرآئے اوران کی تصنیفات ہی کی طرح ان کا یہ کارنامہ بھی ان کے لیے صدقہ جاریہ بن جائے اوراہل علم اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔

ہماری دعا ہے کہ دنیا کی سرخروئی کے بعد آخرت میں بھی ان کوراحت ملے، اورفردوس بریں میں رب کائنات ان کوجگہ دے، آمین۔

بقیہ صفحہ(۹۱) کا:

واقعہ یہ ہے کہ مولانا کی خدمات کے بہت کم حصے سے ہم اہل ہند کوواقفیت ہے؛ چونکہ مولانا کی پوری زندگی ملک سے باہرگذری، ہندکی آمدورفت اور یہاں کی ملاقاتیں بہت کم رہیں۔

جن حضرات کے علم میں مولانا کی زندگی کے مزید کام وپہلو ہیں وہ اس کونمایاں کریں گے، احقر نے مولانا کی جن چیزوں سے استفادہ کیا اور جو پاس موجود بھی ہیں، ان کی بنیاد پراپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

حق تعالیٰ مولانا موصوف کے درجات کوخوب بلند کرے۔آمین.

۞ ۞ ۞

مولانا محمد مصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ اوران کی بعض وقیع تحقیقی خدمات

مولانا محمد عبیداللہ الاسعدی، شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہتورا، باندہ

مولانا محمد مصطفیٰ اعظمی صاحب علیہ الرحمہ یوپی کے مردم خیز خطہ مئو کے رہنے والے تھے اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فرزندوں میں تھے۔

احقر ان سے سب سے پہلے اس وقت واقف ہوا جب اپنی کتاب ''علوم الحدیث'' کی ترتیب وتالیف میں مشغول تھا، کتاب کے مضامین کے خاکہ میں تدوین حدیث کا موضوع بھی شامل تھا، اس کے لیے احقر کو جو چیزیں ملیں ان میں مولانا موصوف کی کتاب ''دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه'' بھی تھی۔

اس کے بعد ان کا نام کانوں میں اس نسبت سے بھی پڑا کہ موصوف احادیث کو کمپیوٹر میں ضبط کرنے کا خصوصی کام کر رہے ہیں، یہ اس وقت کی بات تھی جب کمپیوٹر کو فروغ ہو رہا تھا۔

اتفاق یہ کہ ۱۴۰۷/۸ھ میں احقر کا چند ماہ کا قیام ریاض (سعودیہ) میں رہا، جامعۃ الملک سعود- سابق جامعۃ الریاض- میں عربی زبان کے ورکشاپ کا ایک سلسلہ تھا، مولانا موصوف ان دنوں جامعۃ الملک سعود سے ہی متعلق تھے تو وہیں ان کا نام خوب سنا اور ایک مرتبہ ان کے دفتر میں ان سے ملاقات بھی ہوئی۔

بعد میں مولانا کی دیگر تصانیف سے بھی استفادہ کا موقع ملا، ابن ماجہ کا جو نسخہ مولانا نے کمپیوٹر کی مدد سے تیار کیا تھا، اس سے بہت فائدہ اٹھایا، نیز صحیح ابن خزیمہ اور مغازی عروہ، ان دونوں کتابوں میں مولانا کی تحقیق وحواشی سے بھی کافی استفادہ کیا۔

حق تعالیٰ نے مولانا موصوف کو فن حدیث سے ایک خاص مناسبت عطا فرمائی تھی، چنانچہ انہوں نے اپنی پوری زندگی اسی فن شریف وعظیم کی خدمت میں لگادی، اور کئی قیمتی ووقیع کام کیے، سب اپنی جگہ بہت

اہم ہیں۔

لیکن احقر کے نزدیک مولانا موصوف کا سب سے اہم کام ان کی کتاب ''**دراسات في الحديث النبوي**'' ہے، جس کے واسطے سے تدوین حدیث کے ایسے گوشے سامنے آتے ہیں؛ جن کا تذکرہ عام کتابوں میں نہیں ملتا اور جن سے بہت سے ممتاز اہل علم وتحقیق بھی واقف نہیں ہیں، کہا جا سکتا ہے کہ مولانا نے اپنے اس کام کیلئے مستشرقین وغیرہ پر بھرپور وار کیلئے سارے مصادر ومراجع کو کھنگال ڈالا ہے اور دور دراز وگہرائیوں میں جا کر قیمتی جواہر کو نکالا اور پیش کیا ہے۔

مولانا کی اس محنت وکاوش سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عہد نبوی میں تو صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عموماً احادیث کو قلم بند کرنے کا کام نہیں کیا ہے؛ لیکن نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جیسے قرآن مجید کو خاص انداز میں جمع وتدوین کی طرف ان حضرات نے توجہ کی، بتدریج احادیث کو بھی قلم بند کرنے کی طرف توجہ ہوئی اور بڑھی اور صحابہ کی ایک تعداد نے اپنے اپنے انداز میں احادیث کے متعدد مجموعے تیار کرائے، بلکہ ایک ایک آدمی نے کئی کئی مجموعے تیار کئے، خصوصیت سے ان حضرات نے جن کو کافی وقت ملا، اور جن کی طرف رجوع بھی خوب رہا، جن میں حضرت ابو ہریرہ کا بھی نام ہے، نیز حضرت جابر بن عبداللہ وحضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کا بھی۔

تدوین حدیث کی نسبت سے یہ پہلو بہت اہم ہے؛ کیونکہ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ کتابی شکل میں احادیث کے ضبط وحفظ کا سلسلہ حضرات صحابہ کے بعد شروع ہوا ہے، بلکہ کچھ لوگ تو بہت بعد میں بتاتے ہیں اور دلیل صحاح ستہ وغیرہ کو بناتے ہیں۔

مولانا کی یہ کتاب مولانا کی کاوشوں میں اور انکار حدیث کے فتنہ کے رد اور تدوین حدیث کی تاریخ کی نسبت سے بہت اہم اور سب سے اہم ہے، جس کو اہتمام سے شائع کرنے و پھیلانے کی ضرورت ہے۔

یہ کتاب اصلاً انگریزی میں ہے، جس کو مولانا نے کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کیلئے بڑی محنت سے تیار کیا تھا، ۱۹۶۶ء میں مولانا نے اس کو مکمل کر کے پیش کیا، جس پر ان کے نگراں کی ایک مختصر سی تحریر بھی تعریف وتوصیف پر مشتمل فروری ۱۹۶۷ء کی شامل ہے۔

بعد میں اس کو عربی میں منتقل کیا گیا؛ لیکن من وعن نہیں؛ بلکہ جیسا کہ مولانا نے عربی ایڈیشن کے

مقدمہ میں وضاحت کی ہے کہ نئے سرے سے محنت ومراجعت نیز قیمتی اضافوں کے ساتھ اس کو عربی میں پیش کیا گیا ہے۔

عربی نسخہ کا پہلا ایڈیشن بظاہر ۱۳۹۶ھ میں جامعۃ الریاض سے شائع ہوا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ اردو میں بھی اس کا ترجمہ ہوا ہے؛ لیکن احقر اس سے واقف نہیں ہے، مولانا کی وفات کے بعد مولانا کے محبین ومخلصین اہل وطن مولانا کے نام وکام کو زندہ وتابندہ رکھنے کی لگن میں ہیں تو ضروری ہے کہ اس کتاب کی خصوصی اشاعت کی طرف توجہ دی جائے۔ اور اس میں کتاب کے بنیادی مندرجات ومعلومات کو لیا جائے؛ کیونکہ مولانا نے کتاب میں کچھ تفصیل یورپ ومستشرقین کے ذہن کو سامنے رکھ کر پیش کی ہے، اردو ترجمہ میں اس کو حذف کیا جاسکتا ہے یا کم از کم مختصر۔

اصل چیز جس کو اردو میں لانے کی ضرورت ہے اور تدوین حدیث کے موضوع پر جس سے عام اہل علم وطلبۂ حدیث کی واقفیت ضروری ہے، وہ کتاب میں درج، یہ تفصیل ہے کہ خصوصیت سے قرن اول اور بالخصوص عہد صحابہ وتابعین میں خود ان کے ہاتھوں احادیث کو قلم بند کرنے نیز تحریر وتالیف میں ضبط کرنے کا کیا کام ہوا ہے، مولانا نے عہد درعہد صحابہ وتابعین کی نسبت سے خصوصیت سے اس چیز کو واضح ونمایاں کیا ہے اور ایک ایک چھوٹے بڑے کام کو ذکر کیا ہے۔

صحیح ابن خزیمہ پر بھی مولانا کا کام کئی وجوہ سے وقیع ہے کہ حدیث کی اہم ومعتمد کتابوں میں اس کا ذکر تو بہت تھا، احادیث صحیحہ کے مجموعوں کے ذکر وتذکرہ میں صحیحین کے ساتھ وبعد عموماً محدثین نے جہاں مستدرک حاکم کا تذکرہ کیا ہے، صحیح ابن حبان وصحیح ابن خزیمہ کا ذکر اہتمام سے کیا ہے، مگر کتاب نایاب وکمیاب تھی، صحیح ابن حبان وغیرہ کی اشاعت ہوچکی تھی؛ مگر یہ کتاب اشاعت سے محروم تھی، مولانا نے اس کو حاصل کرکے محنت کی، تخریج وتحقیق وتعلیق کا کام کیا اور نظر ثانی کے لئے اس راہ کے معروف شامی عالم ومحقق شیخ ناصر الدین البانی علیہ الرحمہ سے بھی مدد لی، چنانچہ حواشی وتعلیقات میں کہیں کہیں ان کا کچھ اضافہ بھی ہے ان کے نام کے ساتھ۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۳۹۰ھ میں شائع ہوا ہے اور دوسرا ایڈیشن مولانا کو فیصل ایوارڈ ملنے کے بعد ۱۴۰۱ھ میں ریاض سے شائع ہوا ہے۔

لیکن اس سے بڑھ کر اور اہم کام، مغازی عروہ بن الزبیر کا ہے کہ یہ کتاب سیرت نبویہ کے اہم مصادر و ماخذ میں ہے؛ بلکہ اس موضوع کی باضابطہ اولین تحریر و تصنیف، اس کو ذکر کیا جاتا ہے، جو مکمل یا بڑا حصہ یا اس کے مندرجات دوسری کتابوں میں مدغم و منضم ہیں، مولانا نے محنت کر کے کتاب کے مندرجات کو یکجا کر کے پیش کیا ہے۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۴۰۱ھ میں ریاض کے مکتب التربیۃ العربی لدول الخلیج سے شائع ہوا ہے۔

سیرت نبویہ کا اولین و معتمد مجموعہ ہونے کی وجہ سے یہ کتاب بھی اردو میں اشاعت کی مستحق ہے، ضرورت ہے کہ غیر ضروری متعلقات کو حذف کر کے یا ضرورت کے مطابق نئی ترتیب کے ساتھ اس کو بھی اردو میں منتقل کیا جائے۔

واضح رہے کہ مولانا محمد مصطفیٰ صاحب علیہ الرحمہ ہندوستان کے ان علماء میں سے ہیں جن کو سعودیہ کے گراں قدر علمی اعزاز ''فیصل ایوارڈ'' سے نوازا گیا، مولانا کو ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء میں یہ اعزاز حاصل ہوا اور جس علم کو مولانا نے اپنی زندگی بھر کا سرمایہ و مشغلہ بنایا اسی کی نسبت سے اللہ تعالی نے اس ایوارڈ کے ذریعہ ان کا اکرام و اعزاز کیا۔

اس موقع سے مولانا کو جو سند توصیف عطا کی گئی تھی، وہ صحیح ابن خزیمہ کے دوسرے ایڈیشن میں شامل ہے، جس میں یہ صراحت ہے کہ مولانا کو یہ اعزاز حدیث نبوی کی گراں قدر و بے مثال خدمت کی بنا پر ہے اور بالخصوص تین کاموں کی وجہ سے:

۱- مولانا کی کتاب دراسات فی الحدیث النبوی
۲- صحیح ابن خزیمہ کی تحقیق اور تخریج و تنقیح مع تعلیق
۳- حدیث نبوی کی خدمت کے لیے کمپیوٹر کا استعمال

تینوں کاموں کے ذکر کے ساتھ مختصر لفظوں میں تعارف و اہمیت کا بھی تذکرہ ہے اور تیسرے کی نسبت سے لکھا ہے:

''إن مشروعه يقدم تجربة فعلية أولية باللغة العربية في استخدام الحاسب الآلي في حقل الدراسات الحديثية''.

بقیہ صفحہ (۸۷) پر

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا اہم کارنامہ

مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، آکسفورڈ، برطانیہ

اس میں شک نہیں کہ مستشرقین نے اسلامی علوم وفنون وآداب کی مختلف الجہات خدمت کی ہے، اور اب تک کر رہے ہیں، ان میں ایک جماعت علم وانسانیت دوست، انصاف پسند علما کی ہے، اور مطالعہ وتحقیق کی راہ میں ان کی انتھک محنت وجستجو کے پیچھے جذبہ حق پسند وحصول آگہی کارفرما ہے، اور ایک بڑی تعداد ان متعصبین اور تنگ نظروں کی ہے، جن کے نزدیک اسلام صرف ایک تہذیب وثقافت ہے، جو مغربی روایتوں کے متوازی وحریف ہی نہیں؛ بلکہ ان کے لئے زبردست خطرہ ہے، یہ مستشرقین اسلام کی روح وحقیقت تک رسائی سے قاصر ہیں، اور اسلام کے متعلق اپنے اس کمترین؛ بلکہ ظالمانہ وجارحانہ تصور پر قانع ہیں، وہ اپنی پرفریب تحریروں سے اس کی روح اور حقیقت کو مجروح کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اور پوری چالاکی سے مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی خودداری اور خوداعتمادی کا خاتمہ کر رہے ہیں۔

برصغیر ہی نہیں؛ بلکہ پورے عالم اسلام میں علامہ شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء) شاید پہلے مسلمان عالم ہیں؛ جنہوں نے مستشرقین کو قریب سے سمجھا، ان سے علمی تعلقات قائم کئے، اور ان کے کاموں کا انصاف کے ساتھ جائزہ لیا، انہوں نے استشراق کا جواب دینے کے لئے ایک اہم حکمت عملی تیار کی، جس کا ایک حصہ جہاں یہ تھا کہ مستشرقین کے اعتراضات کا علمی جواب دیا جائے، وہیں دوسرا حصہ یہ تھا کہ سیرت، اور اسلامی تاریخ وثقافت کے موضوعات پر براہ راست محققانہ کتابیں تیار کی جائیں، اور مسلمان مصنفین کی مناسب علمی تربیت کی جائے؛ تاکہ وہ تحقیق کے اُصولوں کے مطابق مفید کام انجام دے سکیں، اس کے لئے انہوں نے دارالمصنفین کا خاکہ بنایا، جسے ان کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندوی نے آگے بڑھایا، دارالمصنفین تقریباً سو سال سے اس نہج پر کام کر رہا ہے، استشراق اور مستشرقین سے واقفیت کے لیے اور ان کے فتنوں کی طرف علماء اور دانشوروں کی توجہ مبذول کرنے کے لئے دارالمصنفین نے ۲۱-۲۳ فروری

۱۹۸۲ء کو اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر ایک بین الاقوامی سیمینار کا انعقاد کیا، جس کے نتائج بہت خوشگوار اور نفع بخش رہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کی کوششوں کا محور بھی استشراق کی دسیسہ کاریوں کا جواب ہے، ڈاکٹر اعظمی کے اندر یہ حوصلہ تھا کہ مستشرقین اور عیسائی علماء کے مفروضات اور استدلالات کو چیلنج کریں، اور ان کے دلائل کی کمزوریوں اور تحریفات کو واضح کریں، ڈاکٹر اعظمی نے قرآن کریم کے مقام، اس کی تاریخی حیثیت، اور حدیث شریف کے استناد وعظمت کا بھرپور دفاع کیا، انہوں نے اپنی اس عالمانہ ومحققانہ جدوجہد میں اسی طریقہ ومنہج کو اپنایا، جو مغربی علماء ومحققین کے یہاں رائج اور مسلم ہے۔

ڈاکٹر اعظمی کا سب سے بڑا کارنامہ مشہور ومؤثر مستشرق جوزف شاخت کے فتنہ کی بیخ کنی ہے، انہوں نے فقہ اسلامی کے ماخذ کے متعلق شاخت کے گمراہ کن، بے بنیاد و پرفریب نظریہ کی تردید کی، اور یہ ثابت کیا کہ فقہ کا اصل ماخذ کتاب الٰہی وسنت نبوی ہیں، اور یہ واضح کیا کہ سنت وحدیث کا دار ومدار اسانید وطرق روایات پر ہے، اور ان سندوں کی حفاظت اور ان کی تحقیق میں محدثین کرام نے گرانقدر اور عظیم خدمات انجام دیں، جن کی کوئی مثال کسی مذہب وتمدن میں نہیں، اور تاریخی واقعات کی توثیق کا یہ وہ عمل ہے، جس کو قدر واحترام کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے اور پوری انسانیت کو اس پر فخر کرنا چاہئے۔ اسلام اور اسلام سے ماقبل مذہبوں اور تہذیبوں پر جس کی نظر ہے، اس سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ اسلام اور اسلامی احکام کا اصل ماخذ کتاب الٰہی کی آیات بینات ہیں، اور سنت نبوی ان آیات کی مستند تشریح اور عملی تطبیق ہے، ان مقدس احکام وقوانین کی اکثر تفصیلات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال پر مبنی ہیں، مستشرقین نے اس ناقابل انکار سچائی کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، اور علم وتحقیق کا لبادہ اوڑھ کر اپنی ملمع سازیوں کے ذریعہ حقائق کو افسوسناک حد تک مسخ کیا، ان مستشرقین میں گولڈزیہر کے بعد سب سے نمایاں نام جوزف شاخت کا ہے، اس کی دو کتابیں مغرب میں اور مغرب زدہ مرعوب حلقوں میں بہت مقبول ہوئیں، ایک **فقہ محمدی کے اصل مآخذ (۱۹۵۰ء)**، اور دوسرے: **شریعت اسلام کا ایک تعارف (۱۹۶۴ء)** ہیں، شاخت کے غیر علمی مفروضے درج ذیل ہیں:

۱ - احکام وقوانین مذہب کے دائرہ سے باہر ہیں، پیغمبر اسلام کا مقصد فقہ کا کوئی نیا نظام وجود بخشنا نہیں

تھا، اور نہ آپ کی اتھاریٹی قانونی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس فکر کا سرچشمہ محرف عیسائیت ہے، عیسائی مذہب میں ایمان و عمل اور معاشرہ و حکومت کی قانونی تنظیم کی کوئی اہمیت نہیں ہے، یہاں سارا زور چند اخلاقی اُصولوں پر ہے، جن کے جاننے کے لئے نہ کسی پیغمبر کی ضرورت ہے اور نہ کسی کتاب کی۔

۲- فقہی مسالک (حنفی، مالکی، وغیرہ) کی نشو و نما دوسری صدی میں ہوئی، ان مسالک نے مقامی روایتوں اور معاشرتی طریقوں کو قانونی شکل دی، فقہی ماہرین جب سنت کا اطلاق کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہوتی، اور نہ ہی وہ قرآن کریم سے کسی حکم وقانون کو اخذ یا مستنبط کرتے ہیں، ان علماء کے نزدیک سنت سے مراد ان کے عہد کا معمول بہ طریقہ ہے، یعنی مختلف شہروں اور علاقوں کا رسم و رواج جو اسلام سے پہلے سے چلا آ رہا ہے، اسلامی مراجع میں جب سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے دور جاہلیت کا طریقہ مراد ہوتا ہے، نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ و پایندہ طریقہ۔

۳- ان مسالک کے ردعمل کے طور پر ایک مخالف جماعت وجود میں آئی، جس کے اندر مذہبی شدت پسندی تھی، اس نے مقامی روایتوں اور رسم و رواج کی مخالفت کی، اور احکام وقوانین کے متعلق کثرت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب جھوٹی حدیثیں گھڑیں، اور ان کو سنت کا نام دے کر ایک متوازی فقہ بنائی، جسے سادہ لوح مسلمانوں نے بڑی آسانی سے قبول کرلیا۔

۴- قدیم فقہی مذاہب اس نئے رجحان کا مقابلہ نہ کرسکے، انہوں نے فریق مقابل کی طاقت کو محسوس کیا، اور انہیں یہ اندازہ ہوگیا کہ عام مسلمان ان کی فقیہانہ کاوشوں کو صرف رائے کا درجہ دے رہے ہیں، اور ان کی مذہبی حیثیت تسلیم کرنے کے منکر ہیں، ان فقہی مذاہب نے اپنی بقا کے لئے یہی بہتر سمجھا کہ مخالفین کا حربہ اپنائیں، اس لئے انہوں نے بھی موضوع احادیث کا سہارا لیا، اور اپنے اپنے مسلک کے ہر جزئیہ کے لئے باطل روایات وضع کیں۔

۵- دوسری اور تیسری صدی میں علماء کا معمول بن گیا کہ اپنی آراء کو پیغمبر کی طرف منسوب کر کے انہیں درجہ استناد عطا کریں، حدیثوں کے اس اختراع نے فقہ وحدیث کے اس وسیع ذخیرے کو جنم دیا،

مسلمان اب تک انہیں مقدس سمجھتے رہے ہیں، ضرورت ہے کہ انہیں حقیقت سے روشناس کیا جائے۔

۶- اور وہ حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف احکام وقوانین کی کسی روایت کی نسبت صحیح نہیں ہے، اور اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء اور محدثین کے منقول ومروی آثار دونوں یکساں ہیں۔

۷- حدیثوں کی تحقیق کے لئے اسانید کا جو نظام وجود میں آیا، اس کی کوئی تاریخی حقیقت نہیں ہے، یہ ان علماء وفقہاء اور محدثین کی افترا پردازی ہے، جو اپنی آراء کو مذہبی رنگ دینا چاہتے تھے، انہوں نے یہ سندیں اس لئے وضع کیں؛ تاکہ ہر رائے اور ہر متوازی رائے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت گردان کر کے اسے تقدس کا درجہ دیں۔

ڈاکٹر اعظمی نے شاخت کے ان مفروضوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا، ان کے ظاہر ومخفی مقاصد کو سمجھنے کی کوشش کی، اور ان کی روشنی میں حدیث اور اسلامی تاریخ کے اصلی مراجع کو تفصیل سے پڑھا، اور وہ معلومات جمع کیں، جن سے ہر منصف مزاج پڑھے لکھے انسان پر شاخت کی غلطیاں واضح ہو جائیں، اور وہ مثالیں اکٹھا کیں، جو حدیث واسانید کی صحت وصداقت کو ثابت کریں۔

سنجیدگی اور لگن کے ساتھ ایک عرصہ مطالعہ میں صرف کرنے کے بعد ڈاکٹر اعظمی نے شاخت کی کتاب کا عالمانہ ومحققانہ جواب لکھا، جو پہلی بار ۱۹۸۵ء میں شائع ہو کر سامنے آیا، ڈاکٹر اعظمی نے نہ صرف یہ کہ فقہی احکام وقوانین کی اصلی حیثیت ثابت کی؛ بلکہ یہ بھی واضح کیا کہ اسناد کا نظام ان مذاہب کے وجود میں آنے سے پہلے کا ہے، اور حدیث وتاریخ کے نصوص کو سمجھنے میں شاخت کی غلطیوں کی نشاندہی کی، اور اس کی تضاد بیانیوں کا بھی پردہ فاش کیا، اس طرح انہوں نے شاخت کے دلائل کے نقائص کو وضاحت سے بیان کیا، جس سے اس کی وہ عمارت ہی زمین بوس ہو گئی۔

مصطفیٰ اعظمی کا کام خالص علمی وتحقیقی ہے، اور انہوں نے مغربی محققین کی تردید خود ان کے انداز میں کی، مصطفیٰ اعظمی کی کتاب کو شاخت کے مفروضات کا مؤثر جواب سمجھا گیا، اور اب تک وہ اس موضوع پر سب سے زیادہ کامیاب تحریر ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔

۞۞۞
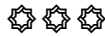
حضرت مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی رحمہ اللہ کے دو عظیم کارنامے

مفتی عبداللہ معروفی، استاذ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام علىٰ رسوله محمد، وعلىٰ آله وصحبه أجمعين؛ وبعد:

ہماری بستی پورہ معروف کا صدر مقام قصبہ مئو ناتھ بھنجن ہے، درمیانی مسافت صرف سات کلومیٹر ہے، اس لیے یہ ہمارا بھی وطن ہے، یہ قصبہ ضلع اعظم گڈھ، مشرقی یوپی کا ایک صنعتی اور مردم خیز قصبہ ہے، اور کم وبیش تیس سال سے یہ مستقل ضلع بن چکا ہے اور ایک بڑا اور مشہور تجارتی وصنعتی شہر ہوگیا ہے، اس شہر نے مختلف میدانوں میں بہت سی نمایاں ہستیوں کو جنم دیا، ان میں متعدد قابل ذکر ممتاز علمائے کرام ہیں جو اپنی علمی، تحقیقی اور اصلاحی خدمات کی بنا پر عالمی شہرت کے حامل ہیں، جن میں سے حضرت مولانا شیخ عبدالغفار عراقی مئوی تلمیذ رشید حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمی (متوفی ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء)، حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی (متوفی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۳ء)، جناب مولانا ڈاکٹر مختار احمد ندوی (متوفی ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء) اور ابھی تقریباً سات ماہ قبل وفات پانے والی بڑی علمی شخصیت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ قاسمی اعظمی (ولادت ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء، وفات ۲ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ/ مطابق ۲۰/۱۲/ ۲۰۱۷ء) رحمہم اللہ زیادہ نمایاں ہستیاں ہیں۔

حضرت مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی رحمہ اللہ ایک محدث اور محقق ونقاد کی حیثیت سے عالم اسلام میں مشہور ومعروف ہیں، افسوس کہ راقم الحروف کو حضرت مرحوم سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوسکا، کیوں کہ اِس کی پیدائش (۱۹۶۷ء) سے بھی پہلے (۱۹۶۶ء) میں آپ عرب ممالک میں سکونت اختیار کرچکے تھے، بعد میں انھیں سعودی عرب کی شہریت بھی مل گئی، آپ کے لیے اپنے گوناگوں علمی وتحقیقی مشاغل کی بنا پر آبائی وطن آنا مشکل تھا، اور ہمارے لیے جاکر ملاقات کرنے کی کوئی شکل بنی نہیں۔

مولانا مرحوم کو مادری زبان (اردو) کے علاوہ عربی اور انگریزی زبان وادب پر عبور حاصل تھا،

چنانچہ آپ نے جہاں عربی وانگریزی دونوں زبانوں میں متعدد علمی وتحقیقی مقالات وکتب تصنیف فرمائی ہیں، وہیں ان دونوں زبانوں میں متعدد کتب کی تحقیق وایڈٹنگ کا کارنامہ بھی انجام دیا ہے، آپ کی گراں قدر تصنیفات میں بعض یہ ہیں:

۱- ''**دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه**''. زیرِ نظر مقالہ میں اس کتاب پر کچھ تفصیل سے ہم گفتگو کریں گے۔

۲- ''**منهج النقد عند المحدثين نشأته وتأريخه**'' جو درحقیقت **كتاب التمييز للإمام مسلم** کا مقدمۂ تحقیق ہے، اور بجائے خود ایک شاہکار تصنیف ہے، جس میں حضرات محدثین کی جانب سے نقد حدیث کے لئے اپنائے گئے اصول کی واقعیت وپختگی کو اُجاگر کیا گیا ہے، پھر ان اُصول کی تطبیق واستعمال کے نتیجہ میں احادیث کی اسانید ومتون میں معتبریت واستناد کی شان کس قدر دوبالا ہوئی؟ بڑی تفصیل سے باب وار مرتب انداز میں ایک ایک اُصول کے تعلق سے فاضلانہ گفتگو کی گئی ہے، اوراس کے ساتھ **كتاب التمييز** کا تھوڑا سا حصہ جو مولانا مرحوم کو دستیاب ہوا، وہ بھی شریک اشاعت کردیا گیا ہے۔

۳- ''**دراسة نقدية لكتاب أصول الشريعة المحمدية**'' اس میں مشہور مستشرق پروفیسر شاخت جوزیف کی کتاب: "The Origins of Mohammadan Jurisprudence" کا تحقیقی رد ہے، جس میں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ مسلمانوں کے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، بالخصوص فقہیات کی جتنی روایات ہیں وہ سب کی سب جھوٹ کا طومار اور بعد کے علماء کی وضع کردہ ہیں، مولانا مرحوم نے انگریزی زبان میں اس پر زبردست علمی وتنقیدی جائزہ پیش کیا ہے، بعد میں یہ کتاب عربی اور ترکی زبانوں میں بھی شائع ہوئی۔

۴- ''**كُتَّاب النبي صلى الله عليه وسلم**'' اس میں کاتبین وحی کا ذکراوران سے متعلق مفید معلومات درج ہیں۔

۵- ''**النص القرآني الخالد**'' اس میں قرآن کریم کا ہر شک وشبہہ سے بالاتر ہونا نئے دور کے محققین خصوصاً اہل مغرب کو خاموش کرنے کے لئے موجودہ طرز تحقیق کو اپناتے ہوئے ثابت کیا گیا ہے،

چنانچہ قرنِ اول سے لے کر مختلف ادوار کے مخطوطات قرآنی میں موازنہ کرکے دکھایا گیا ہے کہ قرآن کریم ہر قسم کی تحریف وتبدیل سے محفوظ ہے۔

ان کے علاوہ مختلف کتب حدیث کی تحقیق وتحشیہ کا کام بھی مولانا مرحوم نے انجام دیا ہے، چنانچہ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کی **كتاب العلل، صحيح ابن خزيمة، السنن الكبرىٰ للإمام النسائي، سنن ابن ماجه، موطأ إمام مالك، مغازي رسول الله ﷺ لعروة بن الزبير** وغیرہ پر آپ کی تحقیقات وبیش قیمت تعلیقات قابل ذکر ہیں، احادیث نبوی کی تحقیق وتخریج اور اسانید ومتون پر حکم لگانے کے سلسلہ میں آپ مشہور محقق علامہ شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ پر کافی حد تک اعتماد کرتے تھے، اور ان کے اقوال بھی نقل فرماتے تھے جو خاص طور سے صحیح ابن خزیمہ اور سنن ابن ماجہ کی تعلیقات میں بکثرت دیکھے جا سکتے ہیں، اگر چہ خود شیخ ناصر رحمہ اللہ کے یہاں احادیث پر حکم لگانے کے سلسلہ میں کوئی منہج متعین نہیں تھا، جس کی وجہ سے حدیثی تحقیقات میں ان کے یہاں تناقضات، مخالفات اور تراجعات کی اچھی خاصی مقدار پائی جاتی ہے، جیسا کہ متعدد اہل علم حضرات نے ان پر تنقیدات فرمائی ہیں جن میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدثِ اعظمی رحمہ اللہ کا نام سرفہرست ہے۔

حضرت مولانا مصطفیٰ اعظمی رحمہ اللہ کی تصنیفات وتحقیقات کے اس اجمالی تذکرہ کے بعد اصل موضوع پر آتے ہیں، اس میں شبہہ نہیں کہ مولانا مرحوم کا ہر کام انتہائی مضبوط اور نفع بخش ہے، مگر دو کارنامے ان کی علمی شخصیت کی اصل پہچان بن گئے ہیں، ایک تو ذخیرۂ احادیث کو داخل کمپیوٹر کرنے میں ان کی سبقت ہے، اور دوسرا کارنامہ ان کی شاہکار تصنیف **''دراسات في الحديث النبوي وتأريخ تدوينه''** ہے، چنانچہ ان دونوں کارناموں کی بنا پر آپ کو ۱۴۰۰ھ میں شاہ فیصل عالمی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا، اس موقع پر حکومت کی جانب سے آپ کو دی جانے والی توصیفی سند میں ان دونوں کاموں اور صحیح ابن خزیمہ کی تحقیق واشاعت کا خصوصیت سے تذکرہ کیا گیا ہے، پیش نظر مقالہ میں مذکورہ دونوں کارناموں پر قدرے وضاحت سے گفتگو کی جارہی ہے۔

ذخیرۂ احادیث کو داخلِ کمپیوٹر کرنا:

غالبًا ۱۹۸۰ء کی بات ہے کہ ناچیز مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ میں ابتدائی درجات عربی میں زیر تعلیم تھا کہ اپنے بعض اساتذہ کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ مئو کے کوئی عالم مولانا مصطفیٰ صاحب ہیں،

مملکت سعودیہ میں مقیم ہیں، انھوں نے پورے ذخیرۂ حدیث کو کمپیوٹر میں داخل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے جو مذہب اسلام کی عظیم خدمت ہے، کمپیوٹر کیا بلا ہے؟ ہمارے کان اب تک اس سے نا آشنا تھے، حدیثوں کو اس میں کیسے داخل کریں گے؟ اور داخل کرکے کیا فائدہ ہوگا؟ ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا، چنانچہ ایک ہونق کی طرح سر اٹھا کر سن لیا اور مان لیا کہ ہاں کوئی بڑا کام ہو رہا ہے، بعد میں پتہ چلا کہ واقعی یہ مولانا مرحوم کا ایک عظیم کارنامہ تھا، حضرت مولانا ابواللیث قاسمی خیرآبادی مدظلہ نے اپنی کتاب ''**تخريج الحديث نشأته ومنهجيته**'' میں ڈاکٹر مصطفیٰ مرحوم کے اس پروگرام اور وسیع منصوبہ کا کچھ تعارف کرایا ہے، ان کے بہ قول چوں کہ یہ منصوبہ اپنی وسعت و پھیلاؤ اور دشوار گذاری کے باوجود، کام کرنے والے افراد کی تعداد کے لحاظ سے خالص شخصی اور خاندانی دائرہ میں محدود تھا، اس لئے پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچ سکا، چنانچہ ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء سے یہ کام شروع ہوتا ہے اور ۱۹/۱۱/۱۴۰۹ھ مطابق ۲۳/۶/۱۹۸۹ء تک صرف مندرجہ ذیل کتب ہی داخلِ کمپیوٹر ہو پاتی ہیں:

۱ – مسند أحمد. ۲ – إلى ۷ – الصحاح الستة. ۸ – المطالب العالية. ۹ – اتحاف السادة المهرة للبوصيري. ۱۰ – المعجم الكبير للطبراني. ۱۱ – تقريب التهذيب لابن حجر. ۱۲ – ترتيب أسماء الصحابة الذين أخرج حديثهم أحمد لابن عساكر. ۱۳ – مختار الصحاح في اللغة.

ممکن ہے تادمِ تحریر (کتاب تخریج الحدیث) موطأ مالک، الجامع الصحیح للفراھیدی، النہایۃ فی غریب الحدیث، صحیح بخاری کا انگریزی ترجمہ، اور مختصر صحیح البخاری کا ملیشیائی ترجمہ بھی داخل ہو چکا ہو کیوں کہ ان کا کام بھی شروع ہو چکا تھا، منصوبہ بہت ہی جامع و وسیع تھا مگر صرف اتنی ہی کتابوں کو داخل کیا جا سکا اور بس، جب کہ اس کام کے آغاز کے بہت بعد متعدد اداروں اور اکیڈمیوں کی جانب سے بیسیوں چھوٹے بڑے منصوبے بنے اور پایۂ تکمیل کو پہونچ کر اہل علم کے استعمال میں آ چکے ہیں، اور آخر میں ''المکتبۃ الشاملۃ'' اور اس جیسے متعدد الکٹرانک مکتبات وجود میں آ گئے جنھوں نے استعمال کی سہولت اور مفت ڈاؤن لوڈنگ کی آسانی کی وجہ سے سابقہ سبھی پروگراموں کو پیچھے کر دیا ہے۔

تاہم حضرت مولانا محمد مصطفیٰ اعظمی رحمہ اللہ کو ''**الفضل للمتقدم**'' کی وجہ سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، احادیث کو کمپیوٹرائز کرنے کا منصوبہ بنانا اور عملی قدم اٹھا دینا آپ کی جانب سے ایک بڑی پہل تھی

جس نے دیگر اداروں اور اکیڈمیوں کو اس میدان میں آگے بڑھنے کے لئے مہمیز کیا، اور اس کے نتیجہ میں متعدد الکٹرانک مکتبات وجود میں آگئے اور باحثین ومحققین کے لیے انتہائی دشوار اور غیر مظان میں پائی جانے والی نصوص کی تلاش وجستجو اور منٹوں سکنڈوں میں ان تک رسائی آسان ہوگئی، اور مولانا مرحوم بلاشبہہ ''من سن سنةً حسنةً فله أجرها وأجر من عمل بها'' کی فضیلت واجر کے مستحق ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

''دراسات في الحديث النبوي'' ایک بے مثال تصنیف:

۱۹۹۱ء میں جب کہ راقم الحروف جامعہ اسلامیہ بنارس میں تدریس وافتاء کی خدمت پر مامور تھا اور جامعہ کی طرف سے مجلّہ ''ترجمان الاسلام'' کا اجراءعمل میں آچکا تھا، جامعہ کی انتظامیہ نے **''حدیث نمبر''** نکالنے کا فیصلہ کیا، مجلّہ کے مدیر محترم جناب مولانا نظام الدین اسیرؔ ادروی صاحب (حفظہ اللہ وعافاہ) جو اپنی شستہ ورواں نگاری میں مشہور ہیں، اور سچ پوچھئے تو اس ناچیز کو آپ ہی نے قلم پکڑنا سکھایا ہے، آپ نے اس نمبر کے لیے ایک دستاویزی مضمون لکھنا شروع کیا، اس دوران خصوصیت سے دوجلدوں میں متوسط سائز کی ایک کتاب ان کے ہاتھ میں دیکھی جاتی، جس کا کچھ دیر آپ بڑے ہی انہماک سے مطالعہ فرماتے، پھر لکھنا شروع کردیتے، چند ہی دنوں میں ایک دستاویزی اور مواد سے بھرپور، طویل مضمون (پچاسی صفحات پر مشتمل) بہ عنوان: ''تاریخ تدوینِ حدیث اور مستشرقین'' انتہائی سلیس زبان اور محاورات وتشبیہات کے حسین زیور سے سج دھج کر تیار ہوگیا، اور مجلّہ ترجمان الاسلام کے ''حدیث نمبر'' میں شہ نشیں کی حیثیت سے طبع ہوا، حدیث نمبر کی اشاعت کیا ہوئی کہ ہر چہار جانب سے مضمون کی پذیرائی اور مدیر محترم کو خوب خوب دادِ تحسین وصول ہونے لگی، اور واقعی وہ ایک ایسا دستاویزی مضمون تھا کہ اس کی جتنی بھی ستائش کی جائے کم ہے، درحقیقت اس مضمون کے مشمولات، دلائل، نتائج اور طرزِ استنتاج کی خوبی میں اسی دوجلدوں والی کتاب کی کرشمہ سازی کارفرما تھی جس کا نام ہے: **''دراسات في الحديث النبوي وتأريخ تدوينه''** جس کے مصنف ہیں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ، پہلی بار راقم نے یہ کتاب اسیرؔ صاحب مدظلہ کے ہاتھ میں دیکھی اور ان ہی کی زبانی اس کی بہت کچھ تعریف وتوصیف سنی، بعد میں ذاتی مطالعہ کے بعد اس کی افادیت ومعنویت مزید آشکارا ہوتی چلی گئی۔

''دراسات في الحديث النبوي'' کی موجودہ شکل جو عربی زبان میں سب سے پہلے ۱۳۹۶ھ/

۱۹۷۶ء میں جامعۃ الملک سعود ریاض سے شائع ہوئی، درحقیقت مولانا مرحوم کے اُس مقالہ کی توسیع وتوضیح ہے جسے آپ نے ۱۹۶۴ء-۱۹۶۶ء میں کیمبریج یونیورسٹی برطانیہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے تیار کیا تھا، یہ مقالہ آپ نے دومشہور مستشرق پروفیسر اے، جے، آربری اور پروفیسر آر، بی، سرجینٹ کے زیرنگرانی تیار کیا تھا، ہرچند کہ اس مقالہ میں تدوین حدیث کے تعلق سے مغربی افکارونظریات کی سراسر تردید کی گئی تھی، اور مغربی محققین کے ذریعہ پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا تھا، تاہم دلائل کی پختگی اور طرز استدلال کی موزونیت نے مغربی محققین کو ہزار ناموافقت کے باوجود مقالہ کے مشمولات کو تسلیم کرتے ہوئے ڈگری کے لیے پاس کرنے پر مجبور کردیا، مولانا مرحوم کی ہمت، جرأت اور غیرت اسلامی کو ہزارہا سلام جس نے یوروپ میں رہ کر یورپین دشمنان اسلام کے ذریعہ اسلام کی بیخ کنی کے لیے برسوں سے تعمیر کردہ قلعہ کو مسمار کردیا، ان کے پھیلائے ہوئے جال کو تارِ عنکبوت کی طرح بکھیر کر رکھ دیا، اور فرمانِ رسول ﷺ: "**ألا! لايمنعن رجلا هيبة الناس أن يقول بحق إذا علمه**" (**الترمذي : ۲۱۹۱**) کے بہ موجب احقاقِ حق بلکہ اعلانِ حق میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہ درحقیقت اس دودھ کا تقاضا تھا جو مادرِ علمی نے انھیں پلایا تھا، نسبت قاسمی، اورعزم حسین احمد کی کرشمہ سازی تھی جو مولانا مرحوم کے رگ وریشہ میں سرایت کی ہوئی تھی جس کا طرۂ امتیاز ہی ہے مخالف ماحول میں بھی کلمۂ حق کا اظہار واعلان، واضح رہے کہ مولانا مرحوم کی مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے فراغت ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء میں ہوئی تھی، آپ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد تھے۔

کاش! آج بھی ہمارے فضلاء کی ایک تعداد جوعصری تعلیم گاہوں میں جاکر مغربیت کے سیلاب میں خس وخاشاک کی طرح بہتی چلی جارہی ہے مولانا مصطفیٰ مرحوم کی زندگی سے سبق حاصل کرتی!۔

"دراسات" میں کیا ہے؟

"**دراسات في الحديث النبوي**" میں کیا ہے؟ اس پر مفصل تبصرہ کرنا تو اس وقت ممکن نہیں ہے، مصنف رحمہ اللہ کے مقدمہ اور کتاب میں نظر آنے والی نمایاں خصوصیات کی روشنی میں قدرے تعارف کی کوشش کی جارہی ہے:

انگریزی زبان میں خاطر خواہ مہارت حاصل کرنے کے بعد جب آپ کیمبرج یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کرنے یورپ گئے اور وہاں کے ماحول میں یورپین مصنفین گولڈزیہر، مارگولیوس، چپ اور

پروفیسر جوزیف شاخت وغیرہ کو اسلامیات خصوصاً حدیث نبوی کے تعلق سے پڑھا تو ان کی بکواسیں دیکھ کر آپ کا خون کھول گیا، جذبات میں آنے کے بجائے آپ نے سنجیدہ اور ٹھوس جواب دینے کے لئے کمر کس لی اور اسی موضوع کو ڈاکٹریٹ کے مقالہ کے لیے منتخب فرمالیا، دل پر جبر کرکے ایک ایک کرکے سب کی کتابوں کا مطالعہ شروع فرمادیا، چنانچہ طرح طرح کے شگوفے اور سر پیٹنے پر مجبور کرنے والے عجوبے سامنے آنے لگے۔

کسی نے سنت کی حقیقت ہی بدلنے کی کوشش کی یہ کہہ کر کہ: سنت نام ہے اوساط علمیہ میں متفق علیہ امر کا، اور وہ سنت جس کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد یہی طریقہ مجمع علیہ ہے، نہ کہ نبی ﷺ کی سنت یا احادیث۔

کسی نے سنت نبوی کی حجیت اور اس کی تشریعی حیثیت کو ہی اپنے طعن وتشنیع کا نشانہ بنالیا۔

کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ چوں کہ احادیث کی تدوین دو صدیوں کے بعد عمل میں آئی ہے، اس دوران صرف زبانی یادداشت اور نقل و بیان پر معاملہ منحصر رہا، اس لیے یہ ذخیرۂ احادیث لائق اعتماد نہیں، کیوں کہ حافظہ خطا کرتا رہتا ہے، اتنی لمبی مدت تک کسی مواد کا حافظہ کے رحم وکرم پر رہنا اس میں کمی بیشی کے راہ پانے کو یقینی قرار دیتا ہے۔

کسی نے احادیث کی سندوں پر اعتراض کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھا، چنانچہ ان کی علمی واستنادی حیثیت کو یہ کہہ کر مجروح کرنے کی کوشش کہ سند کے ساتھ حدیث کے بیان کا سلسلہ تو قرنِ اول کے اواخر سے شروع ہوا ہے بعد کے ادوار میں جو کچھ ترقی ہوئی ہوئی، بعض نے کہا کہ یہ سلسلہ دوسری صدی سے شروع ہوا اور تیسری صدی میں کمال تک پہنچا۔

کوئی کہتا ہے کہ ہم احادیث کو کیسے صحیح اور معتبر مانیں جب کہ علمائے اسلام کے بقول ان کی تعداد سات لاکھ تک پہنچ گئی ہے، کیا نبی ﷺ کے لئے باتیں کرنے کے علاوہ اور کوئی مشغلہ ہی نہیں تھا؟

کسی نے اس میں یہ شوشہ بڑھایا کہ موجودہ دواوین حدیثیہ اور کتب میں موجود احادیث کی تعداد ایک لاکھ تک بھی نہیں پہنچ پائی تو بقیہ احادیث کہاں گئیں؟

کسی نے دادِ تحقیق کے جوش میں یہ نتیجہ برآمد کیا کہ چوں کہ ابتدائی زمانوں میں وضع حدیث کا کام شروع ہوگیا تھا؛ اس لیے امام بخاری کے زمانے تک صورت حال یہ ہوگئی کہ امام کے سامنے موجودہ ذخائر

میں ہر ڈیڑھ سو حدیث میں ایک ہی حدیث صحیح مل پاتی ہے جسے انہوں نے داخل صحیح قرار دیا ہے، وہ بھی انسان ہیں، تو کیا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ امام بخاری کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان کی منتخب شدہ احادیث میں مزید تحقیق اور چھان پھٹک کر جو واقعی نا قابل اعتبار ہوں ان سے گلوخلاصی کر لیں؟

اسی طرح مسٹر غلام احمد پرویز جیسے بقلم خود قسم کے بعض مغرب زدہ مشرقی محققین نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ احادیث کا کثرت شیوع تو درحقیقت عجمیوں کی اسلام دشمنی اور سازش کا حصہ ہے، تاکہ اسلام کے خوشنما چہرے کو داغدار کیا جائے، ورنہ اصل اسلام تو فقہ وحدیث کے مروجہ طومار کے نیچے دبا کراہ رہا ہے۔

اس صورتِ حال نے حضرت مولانا محمد مصطفیٰ رحمہ اللہ کو تڑپا دیا، اوران تمام ہفوات وبکواسوں کا علمی وسنجیدہ جائزہ لینے کے لیے آپ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے، مصنف رحمہ اللہ نے بنیادی طور سے اس کتاب کے دو حصے کیے ہیں، اور آخر میں (ذیلی مسائل سے متعلق) تین ضمیمے شامل فرمائے ہیں:

پہلا حصہ نو (۹) ابواب پر مشتمل ہے: **باب اول** میں سنت یا حدیث نبوی کی حقیقت ومصداق واضح کرنے کے بعد حدیث نبوی کی حجیت اور شریعت اسلامی میں اس کے واقعی مقام ومرتبہ پر مفصل ومدلل گفتگو کی گئی ہے، اور معقول ومنقول دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے حدیث نبوی پر عمل کرنا ہر حال میں لازم وضروری ہے، اور اس کے لیے اپنی دنیوی واخروی فلاح وبہبود کی خاطر زندگی کے کسی بھی گوشے میں سنت نبوی سے کسی بھی درجہ میں مفر نہیں ہے، اسی طرح منکرین حدیث اور مستشرقین کے پیش کردہ شبہات بنام دلائل کا لچر پن بھی مضبوط اور ٹھوس دلیلوں سے ظاہر کر دیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں ابتدائے اسلام اور دور جاہلیت میں جزیرہ نمائے عرب کی تعلیمی وثقافتی سرگرمیوں پر بقول مصنفؒ مختصراً -مگر جامع وتشفی بخش مواد کے ذریعہ- روشنی ڈالی گئی ہے، جس سے مستشرقین کا یہ دعویٰ پادر ہوا ہو جاتا ہے کہ عام طور سے اہلِ عرب جاہل ونا خواندہ تھے، لکھنا پڑھنا جانتے ہی نہیں تھے کہ کتابت حدیث کا فریضہ انجام دے سکتے، اس سلسلہ میں مستشرقین نے جتنے بھی دلائل پیش کیے ہیں سب کا جواب دیتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جزیرۃ العرب کی علمی وثقافتی سطح اتنی نیچی بھی نہیں تھی کہ صفر کے درجہ میں قرار دی جائے، اور طلوع اسلام کے بعد تو یہ سطح اتنی بلند ہوگئی تھی کہ حیرت واستعجاب کی انتہاء نہ رہی، اور اس سلسلہ میں دلائل وشواہد کے طور پر دورِ جاہلیت کے متعدد عہد ناموں، معلقات اور بعض سابقہ کتب سماوی کے عربی ترجموں کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ابتداء اسلام

میں انجام دی جانی والی بہت سی دستاویزی تحریروں کا ذکر کیا گیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ لکھے یا لکھوائے گئے بہت سے والا ناموں اور نوشتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے اسلام، پیغمبر اسلام اور فدائیان اسلام کی نظر میں لکھنے پڑھنے اور ضروری اُمور کو قید تحریر میں لانے کی اہمیت پوری طرح آشکارا ہو جاتی ہے۔

تیسرے باب میں حدیث نبوی کی استنادی حیثیت کو کمزور کرنے کے لیے مستشرقین کی جانب سے پیش کی گئی سب سے بڑی دلیل کا صحیح ومنفصفانہ جواب دیا گیا ہے، مستشرقین کہتے ہیں کہ دورِ نبوی میں تدوین وکتابت کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؛ جب کہ خود نبی کریم ﷺ نے سختی کے ساتھ کتابت حدیث سے منع فرما دیا تھا، بلکہ یہاں تک حکم صادر فرما دیا تھا کہ جس کسی نے بھی قرآن کے علاوہ مجھ سے سن کر کچھ لکھ رکھا ہو اسے مٹا دے؟ مولانا مرحوم نے دلائل کے ذریعہ یہ ثابت فرمایا کہ آں حضرت ﷺ نے صرف منع ہی نہیں فرمایا تھا، بلکہ متعدد حضرات کو لکھنے کی اجازت بلکہ حکم بھی دیا تھا، اور رہا آپ کا منع فرمانا تو وہ ایسے اشخاص یا اوقات سے متعلق تھا جہاں قرآن اور غیر قرآن کے آپس میں خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ ہو، یا یہ کہ منع کا حکم مقدم تھا جس کو بعد میں اباحت کے ذریعہ منسوخ کر دیا گیا۔

چوتھے باب میں خاص طور سے احادیث شریفہ کے ان نوشتوں اور صحیفوں کا ترتیب وار ذکر ہے جو حضرات صحابۂ کرام، تابعین عظام اور اتباع تابعین رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں وجود پذیر ہوئے، یہ باب انتہائی مفصل ہے جس میں صحیفہ اور جامع صحیفہ کے نام کی صراحت کے علاوہ ان صحائف کے مشہور رواۃ وناقلین کا بھی مرتب انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے، چنانچہ حضرات صحابہ میں سے باون (۵۲) کی تعداد مولانا نے ذکر فرمائی ہے جن کے پاس ان کا اپنا صحیفہ موجود تھا، جس میں سے وہ احادیث روایت کرتے تھے، پھر ان کے ان شاگردوں کے نام بھی قلم بند فرمائے ہیں جن کے پاس ان کی احادیث مکتوبہ شکل میں موجود تھیں، پھر اسی تفصیل کے ساتھ ننانوے (۹۹) حضرات تابعین کے نوشتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد دو سو باون (۲۵۲) کی تعداد میں حضرات صغارِ تابعین یا ان اتباع تابعین کا ذکر کیا ہے جو ہجری ۱۱۰ تک پیدا ہو چکے تھے، اور جنھوں نے احادیث شریفہ کے جمع وتدوین کا کام انجام دیا ہے، ان حضرات کی اپنی کتب تھیں، پھر ان سے ان کے متعدد تلامذہ نے ان کے نسخے نقل فرمائے، اس طرح قرن صحابہ وتابعین میں بلاشبہہ ہزاروں کی تعداد میں حدیثی صحیفوں یا نوشتوں کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اس جگہ چند

نوشتوں یا صحائف کا ذکر شاید بے فائدہ نہ ہو:

عہد نبوی کے چند نوشتے:

(۱) ابوداؤد ج۱،ص۲۱۹،ترمذی ج۱ص۱۳۵ میں ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے کے لئے ایک کتاب الصدقۃ لکھوائی تھی جس میں جانوروں کی زکوۃ سے متعلق حدیثیں تھیں لیکن ابھی اسے بھیجنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

(۲) ترمذی ج۱ص۳۰۳،نسائی ج۲ص۱۹۱ میں عبداللہ بن عکیمؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نوشتہ ہمارے قبیلہ جہینہ کے پاس پہنچا جس میں یہ حدیث بھی تھی کہ مردار جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔

(۳) کتاب عمرو بن حزم: طحاوی ج۲ص۴۱۷ اور نسائی (کتاب القسامۃ حدیث نمبر ۴۸۵۳) میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوشتہ لکھوا کر اہل یمن کی پاس بھیجا تھا اس نوشتہ میں فرائض وسنن اور خوں بہا کے مسائل تھے۔حاکم نے مستدرک (ج۱ص۳۹۵ تا ۳۹۷) میں اس نوشتہ سے ۶۳ حدیثیں نقل کی ہیں۔

(۴) صحیفۂ علیؓ: اس میں خوں بہا کے مسائل، اسیروں کی رہائی کے مسائل، اور یہ کہ مسلمان کافر حربی کے بدلے نہ قتل کیا جائے، مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے اور معمولی مسلمان کے ذمہ کا پاس ولحاظ کیا جائے وغیرہ احکام درج تھے۔

عہد صحابہ کے چند نوشتے:

(۱) صحیفۂ سعد بن عبادہ الانصاریؓ: جس کا ذکر ترمذی کتاب الاحکام، باب الیمین مع الشاہد (ج۱،ص ۲۴۹) میں ہے۔

(۲) صحیفۂ عبداللہ بن ابی اوفیؓ: جسکا ذکر صحیح بخاری (کتاب الجہاد باب الصبر عند القتال، ج۱،ص ۳۹۷) میں ہے۔

(۳) صحیفۂ سمرۃ بن جندبؓ: جس میں انہوں نے بہت سی حدیثیں جمع کی تھیں۔(تہذیب التہذیب ج: ۲،ص:۱۱۶)۔

(۴) کتاب ابی رافع مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔(الکفایہ ص۳۳۰)۔

(۵) حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس بہت سی کتابیں تھیں جن کو انہوں نے اپنے آخری دور میں اپنے شاگردوں سے لکھوا کر رکھ لیا تھا (حضرت ابو ہریرہؓ راویۃ الاسلام یعنی اسلام کا بہت بڑا حصہ تنہا روایت کرنے والے ہیں) انہیں میں سے ''الصحیفة الصحیحة'' نامی وہ کتاب ہے جس کو ان سے ہمام بن منبہ صنعانی نے روایت کیا ہے جو الگ سے ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی مرحوم کی تحقیق سے طبع ہوئی۔

(۶) صحیفۂ ابوموسی اشعریؓ: (ترکی کے مکتبہ شہید علی میں اس کا مخطوطہ موجود ہے)۔

(۷) صحیفۂ جابر بن عبداللہ الانصاریؓ: امام ذہبی نے فرمایا کہ یہ صحیفہ مناسک حج پر مشتمل ہے جو پوری جامعیت کے ساتھ مسلم شریف میں مروی ہے، (تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۴۳)۔ یہ بھی ترکی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۸) الصحیفۃ الصادقۃ: جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العارص رضی اللہ عنہما کی ان احادیث کا مجموعہ ہے جو انھوں نے آں حضرت ﷺ کے زمانے میں یا اس کے بعد قلم بند کی تھیں، یہ صحیفہ زیادہ تر احادیث احکام پر مشتمل ہے، امام احمدؒ نے اس صحیفہ کا پورا مضمون مسند کی ج۲ص۱۵۸تاص۲۲۶ میں روایت کردیا ہے۔

دورِ تابعین کے چند صحیفے:

دورِ تابعین میں جن لوگوں نے کتابت حدیث کا اہتمام کیا اور جن کی جانب کچھ اجزاء اور صحیفے منسوب ہیں اور وہ انہیں روایت بھی کرتے تھے ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) ابوزبیر محمد بن مسلم بن تدرس متوفی ۱۲۶ھ جنہوں نے خاص طور سے صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ کی حدیثیں لکھی تھیں اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کی حدیثیں بھی لکھی تھیں۔

(۲) ابوعدی الزبیر بن عدی ہمدانی کوفی متوفی ۱۳۱ھ۔

(۳) ابوالعشراء الدارمی اسامہ بن مالک۔

(۴) زید بن ابی انیسہ ابواسامہ الرہاوی، متوفی ۱۲۵ھ۔

(۵) ایوب بن ابی تمیمہ السختیانی متوفی ۱۳۱ھ۔

(۶) یونس بن عبید بن دینار متوفی ۱۳۹ھ۔

(۷) ابو بردہ برید بن عبداللہ بن ابی بردہ۔

(۸) حمید بن ابی حمید الطّویل، متوفی ۱۴۵ھ۔

(۹) ہشام بن عروہ، م ۱۴۶ھ۔

(۱۰) ابوعثمان عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر، م ۱۴۷ھ۔

خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان جو مصر میں ۶۵ھ سے لے کر ۸۵ھ تک گورنر رہے انہوں نے بھی حدیثوں کے جمع وتدوین کی کوشش کی، چنانچہ آپ نے کثیر بن مرہ حضرمی (جن کی ملاقات ۷۰ بدری صحابہ سے تھی) کے نام لکھا کہ صحابہ سے جو کچھ حدیثیں انہوں نے سنی ہیں ان کے واسطے لکھوا کر بھیجیں جو حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیثوں کے علاوہ ہوں؛ اس لیے کہ وہ ان کے پاس یکجا موجود ہیں، یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی تاریخ میں اس کے متعلق کوئی بات نہیں ملتی ہے۔

صغار تابعین اور تبع تابعین کے کچھ نوشتے:

اس کے بعد ان کے صاحبزادے خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز نے حدیثوں کی جمع وتدوین کی جانب توجہ کی اور مدینہ منورہ میں اپنے گورنر ابوبکر بن حزم کو لکھا:

''انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه فإني خفت دروس العلم وذهاب العلماء''. (بخاري كتاب العلم باب كيف يقبض العلم ج: ۱، ص: ۲۰)

(یعنی: آں حضرت ﷺ کی احادیث کو حاصل کر کے لکھ لو، کیوں کہ مجھے حدیث کا علم ختم ہو جانے اور اس کے جاننے والوں کے فنا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔)

اور حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ جو حضرت عائشہؓ کی خاص شاگرد تھیں اور قاسم بن محمد جو حضرت عائشہؓ کے بھتیجے اور ان کے علوم کے امین تھے ان دونوں کی حدیثوں کو لکھوا کر اپنے پاس بھیجنے کا حکم دیا، چنانچہ ابوبکر بن حزم نے لکھوا کر بھیجا بھی، مگر اس کے پہنچنے سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات ہو چکی تھی۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اور بھی مرکزی شہروں کے علماء کو لکھا کہ وہ حدیث رسول ﷺ

کی جمع وتدوین کا کام انجام دیں، چنانچہ اہم اہم بلاد اسلامیہ کے جن علماء نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جمع وتدوین کا کام کیا؛ ان میں قابل ذکر مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

(۱) محمد بن شہاب زہری، متوفی ۱۲۴ھ مدینہ منورہ میں۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کوفہ میں، ان کی کتاب الآثار کو ان سے آپ کے بڑے تلامذہ زفر، ابو یوسف، محمد اور حسن ابن زیاد رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

(۳) عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج متوفی ۱۵۰ھ مکہ میں۔

(۴) محمد بن اسحاق، متوفی ۱۵۱ھ مدینہ میں۔

(۵) معمر بن راشد، متوفی ۱۵۳ھ یمن میں۔

(۶) سعید بن ابی عروبہ، متوفی ۱۵۶ھ بصرہ میں۔

(۷) عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی، متوفی ۱۵۶ھ شام میں۔

(۸) محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب، متوفی ۱۵۸ھ مدینہ میں۔

(۹) الربیع بن الصبیح، متوفی ۱۶۰ھ بصرہ میں۔

(۱۰) شعبہ بن حجاج، متوفی ۱۶۰ھ بصرہ میں۔

(۱۱) سفیان بن سعید ثوری، متوفی ۱۶۱ھ کوفہ میں۔

(۱۲) لیث بن سعد، متوفی ۱۷۵ھ مصر میں۔

(۱۳) حماد بن سلمہ بن دینار، متوفی ۱۶۷ھ بصرہ میں۔

(۱۴) امام مالک بن انس، متوفی ۱۷۹ھ مدینہ میں۔ انہوں نے موطا تصنیف کی اور حجازی محدثین کی حدیثوں میں سے قوی حدیثوں کو جمع کرنے کی کوشش کی۔

(۱۵) عبداللہ بن مبارک، متوفی ۱۸۱ھ خراسان میں۔

(۱۶) ہشیم بن بشیر، متوفی ۱۸۳ھ واسط میں۔

(۱۷) جریر بن عبدالحمید، متوفی ۱۸۸ھ رَی میں۔

(۱۸) عبداللہ بن وہب، متوفی ۱۹۷ھ مصر میں۔

(۱۹) سفیان بن عیینہ، متوفی ۱۹۸ھ مکہ میں۔

(۲۰) وکیع بن جراح، متوفی ۱۹۷ھ کوفہ میں۔

انتہائی اختصار کے ساتھ یہ چند نوشتے ہم نے ''دراسات'' سے ذکر کیے ہیں، تاکہ مصنف رحمہ اللہ کا یہ مقصد ناظرین پر واضح ہو جائے کہ آپ نے اتنی محنت مستشرقین اور ان کے دم چھلوں کو صرف یہ باور کرانے کے لیے فرمائی ہے کہ موطأ امام مالک کی تالیف کے وقت تک اوساط علمیہ میں ہزاروں کی تعداد میں حدیثی نوشتے اور صحائف موجود تھے جو بعد میں تصنیف کی جانی والی ضخیم حدیثی تصانیف کی اصل اور بنیاد بنے، صرف زبانی نقل وروایت پر حدیث کا دارومدار نہیں تھا۔

پانچویں باب میں قرون اولیٰ کی تعلیمی وتدریسی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان زمانوں میں حدیث کی نقل وروایت کے جو ذرائع اختیار کیے گئے ان سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ کام صرف زبانی القاء وتلقی تک ہرگز محدود نہیں تھا، بلکہ کتابت وتحریر اس کا جز و لازم تھا جس کے بغیر ان ذرائع کا تصور ممکن نہیں، چنانچہ نقل وروایت کے وقت محدث کی جانب سے زبانی بیان وتحدیث اور طلبہ کی جانب سے ''سماع من لفظ الشیخ'' کے علاوہ، شیخ کا کتاب دیکھ کر پڑھنا، یا املاء کرانا، یا طلبہ کا شیخ کو کتاب پڑھ کر سنانا اور شیخ کا بوقت قراءت دھیان سے سننا، سبق میں طالب علم کا شیخ کی بیان کی ہوئی احادیث کو لکھنا، پھر اس کا شیخ کے نسخہ سے مقابلہ کرنا، کوئی غلطی ہو جائے تو اس کی اصلاح کرنا، املاء واستملاء کے شرائط وآداب، وغیرہ وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ ابتدائی دونوں صدیوں میں کتابت وتحریر کے ذریعہ حدیث محفوظ کرنے کی پختہ تدابیر ہیں، جن سے صاف ظاہر ہے کہ ان زمانوں میں حدیث کی کتابت وتدوین کے ذریعہ کما حقہ حفاظت کا کس قدر اہتمام کیا گیا ہے؟ تقریباً پچہتر صفحات میں مولانا مرحوم سیکڑوں مثالوں کے ذریعہ مذکورہ ذرائع کی وضاحت فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ قرونِ صحابہ وتابعین کی ان تعلیمی سرگرمیوں سے واضح ہو گیا کہ احادیث کی قراءت، املاء، نقل اور تصحیح وغیرہ میں کتابت وتحریر کا ہی اصل کردار ہے، حدیث کی روایت میں صرف زبانی بیان پر اکتفاء ہرگز نہیں کیا گیا، بلکہ غور کیا جائے تو زبانی بیان کے بالمقابل کتابت کا استعمال زیادہ تھا۔

چھٹے باب میں کتابت وتحریر میں استعمال ہونے والے ادوات وآلات کی نوعیت، کتابت کے بعد تیار شدہ مواد کی ہیئت ترکیبی، کمی بیشی سے اس کی حفاظت اور اس سے کسب واستفادہ کے طریقوں کا بیان ہے، پھر مؤلف وجامع کی جانب ان نوشتوں کی نسبت پر اطمینان حاصل کرنے کے لیے کیا اُمور درکار

ہوتے ہیں؟ ان کی تفصیل کر کے حدیثی مخطوطات کی صحت واستناد کے تعلق سے مستشرقین کی جانب سے پیدا کیے گئے اشکالات خصوصاً مغازی موسی بن عقبہ کے حوالہ سے پروفیسر شاخت کے اعتراضات کے تشفی بخش جوابات دیئے گئے ہیں۔

ساتویں باب میں خاص طور سے سند کے متعلق تحقیقی بحث کی گئی ہے، کیوں کہ ڈاکٹر کایتانی اور اشپرنگر جیسے بعض مستشرقین نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ شروع میں احادیث بے سند ہی بیان کی جاتی تھیں، باقاعدہ سند کے ساتھ حدیث بیان کرنے کا سلسلہ وفات نبوی کے لگ بھگ ساٹھ سال بعد شروع ہوا ہے، اس سے پہلے کی روایت شدہ احادیث کی جو سندیں کتب حدیث میں ملتی ہیں وہ بعد میں ملائی گئی ہیں، مولانا مرحوم نے دسیوں دلائل وشواہد پیش کر کے یہ ثابت کردیا کہ سند سے حدیث بیان کرنے کا سلسلہ دور نبوی سے ہی شروع ہو چکا تھا، دور نبوی کے بعد یہ سلسلہ مزید شرائط وقیود کے ساتھ آگے بڑھا، خاص طور سے وفات نبوی کے تیس سال گذرنے (خلافت راشدہ کے اختتام) پر جب کچھ سیاسی فرقے رونما ہوئے اور انھوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے وضع حدیث تک کی جسارت شروع کردی، تو اس وقت حضرات محدثین کے کان کھڑے ہوگئے اور روایت وسماع کے تعلق سے مزید ایسے پختہ اصول اپنائے گئے جن کے ہوتے ہوئے وضع وتلبیس کا جادو چل ہی نہیں سکتا تھا، نیز اس سلسلہ میں مستشرقین کی جملہ ہفوات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے مولانا مرحوم نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کردیا۔

آٹھویں باب میں خاص طور سے نقد متون کے صحیح منہاج ومعیار پر گفتگو کی گئی ہے، اور مستشرقین خصوصاً پروفیسر شاخت کے اس نظریہ کے تار و پود بکھیرے گئے ہیں کہ ذخیرۂ احادیث کل کا کل نا قابل اعتبار ہے، دلیل کے نام پر کچھ غیر مستند فقہی یا تاریخی روایات پیش کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ پورا ذخیرۂ حدیث اسی طرح کی روایات سے عبارت ہے، اسی طرح بعض احادیث جن کا مضمون ان کی عقل نارسا کی دسترس سے باہر تھا، ان کی کوڑھ مغزی ان احادیث کی اصل مراد اور معقولیت کے ادراک سے قاصر تھی، مولانا نے ٹھوس دلائل سے یہ واضح فرمایا کہ مستشرقین نے چوں کہ تعصب اور اسلام دشمنی کی عینک لگا رکھی ہے اس لیے نص حدیث یا نص قرآنی کے اصل معنی ومراد تک ان کی رسائی نہیں ہو پارہی ہے، اگر حضرات محدثین کے قائم کردہ معیارِ نقد پر جو کہ فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق ہے، پرکھنے کی کوشش کی جائے تو کسی بھی نص حدیث کے خلاف واقع، خلاف عقل یا ثابت شدہ مسلمات سے معارض ہونے کا

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نواں باب درحقیقت کتاب کے دوسرے حصہ کی تمہید ہے، "**سهيل بن أبي صالح، عن أبيه، عن أبي هريرةؓ**" کی سند سے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی احادیث کا ایک مستقل نسخہ یا کتاب ہے جس کی تحقیق ودراسہ کتاب کے دوسرے حصہ کا موضوع ہے، اس باب میں اس نسخے کا تعارف کرایا گیا ہے، اس ضمن میں نسخے کے مخطوطات، صاحب نسخہ اور ان سے اس کو روایت کرنے والے حضرات کا ذکر وتعارف، نیز جرح وتعدیل کے اعتبار سے ان کا مقام ومرتبہ وغیرہ اُمور بیان کیے گئے ہیں، نیز مصنف رحمہ اللہ نے اس مخطوطہ کی تحقیق ودراسہ میں کیا طریقۂ کار اختیار کیا ہے، اس دراسہ سے کیا نتائج وفوائد حاصل ہوئے؟ ان سب پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ اسی نسخۂ سہیل بن ابی صالح کی تحقیق اور تفصیلی دراسہ پر مبنی ہے، اگرچہ مصنف رحمہ اللہ کے پاس قرنِ اول وثانی کے تقریباً بارہ مخطوطات موجود تھے، مگر ان میں سے صرف اسی نسخہ کو تحقیق کا موضوع بنانے کی وجہ اس کا مختصر ترین ہونا ہے، چنانچہ اس کی احادیث کی کل تعداد اڑتالیس (۴۸) ہے، اس نسخہ کی تحقیق ودراسہ میں درج ذیل اُمور کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا ہے:

۱- ہر حدیث کی تخریج کرکے یہ دکھایا گیا ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ابوصالح سمان کے علاوہ اور کس کس نے بعینہٖ اس حدیث کو روایت کیا ہے؟۔

۲- پھر ابوصالح سے ان کے شاگردوں میں سے سہیل کے علاوہ کس کس نے بعینہٖ اس حدیث کو روایت کیا، اس کی تخریج۔

۳- پھر سہیل کے تلامذہ میں کس کس نے ان سے یہ روایت فرمائی، اس کی تخریج۔

۴- پھر حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے علاوہ صحابہ میں سے کس کس صحابی سے وہ حدیث مروی ہے، ان کی احادیث بھی تخریج کرکے سامنے لائی گئیں جنھیں اصطلاح میں شواہد کہا جاتا ہے۔

۵- دوسرے صحابہ کی جو احادیث بطور شاہد لائی گئی ہیں ان میں صحابی سے لے کر تین درجے نیچے تک کے رجال کی تعیین اور ان کی روایات کہاں ہیں بحوالہ درج کی گئی ہیں۔

۶- ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ، اور تلامذہ کے تلامذہ کی روایات کے الفاظ اور نسخہ سہیل کے الفاظ میں اجمالی مقارنہ وموازنہ کے بعد الفاظ کا فرق اور قدر مشترک کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

۷- دیگر صحابہ کی روایات اور حدیث ابی ہریرۃؓ کی روایات میں بھی مقارنہ کرکے قدر مشترک کی تعیین کی گئی ہے۔

۸- ان رواۃ کی تحقیق وجستجو جنھوں نے وہ حدیث ایک سے زائد شیوخ سے روایت فرمائی ہیں۔

۹- حدیث ابی ہریرۃ جس کی تخریج وتحقیق کی جارہی ہے اس کے متعلق خاص اس پہلو سے اہتمام کہ مسند احمد (جوکہ طرق والفاظ کا دیوان عظیم ہے) میں کتنی مرتبہ اور کہاں کہاں تخریج کی گئی ہے۔

۱۰- اسی طرح اس کے شواہد کے متعلق بھی یہ اہتمام کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ شاہد مسند میں اور کہاں کہاں ہے۔

نتیجہ کیا نکلا؟

مولانا مرحوم فرماتے ہیں: اس کدوکاوش اور تلاش وجستجو کا نتیجہ انتہائی حوصلہ افزا نکلا، کیوں کہ ایک ہی حدیث کا دسیوں مرتبہ دسیوں رواۃ سے مختلف الالفاظ اور متحد المعنی نقل ہوکر آنا، دراں حالے کہ ان رواۃ کے وطن الگ الگ، عمریں الگ الگ، نظریے اور ذوق الگ الگ، اور شیوخ وتلامذہ الگ الگ ہیں، جن کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عقل انسانی کے نزدیک محال ہے، یہ سب اس بات کی مضبوط اور ناقابل انکار دلیل ہے کہ حدیث شریف کے وہ تمام مجموعے جن کی اصل وبنیاد نسخۂ سہیل بن ابی صالح جیسے نسخے اور صحائف ہیں، برحق ہیں اور ہر قسم کی بے اعتمادی اور غیر معتبریت کے شبہہ سے بالاتر ہیں، اور ان میں موجود احادیث ونصوص پر مبنی شریعت اسلامی اور فقہ اسلامی کا عظیم ترین سرمایہ یقیناً قابل اعتماد ہے۔ واہ مولانا! اللہ آپ کی قبر کو انوار سے بھر دے، اور روز افزوں رحمتوں کی بارش فرماتا رہے، آمین۔

علم حدیث کی خدمت
اور علامہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی

ڈاکٹر اقبال مسعود ندوی سابق استاذ شاہ سعود یونیورسٹی ریاض۔حال مقیم کینیڈا

ڈاکٹر اعظمی کے ساتھ نسبت وطنی تو ہے،اسی کے ساتھ میرا طالبعلمانہ رشتہ اُم القری یونیورسٹی سے رہا پھر تدریسی تعلق ملک سعود یونیورسٹی کے ساتھ رہا،حسن اتفاق تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے تدریسی سفر میں دونوں جامعات آتی ہیں؛لیکن واقعہ یہ ہوا کہ جس سال ڈاکٹر صاحب نے ملک سعود یونیورسٹی کو الوداع کہا اسی سال ۱۹۹۱ء میں میں نے وہاں تدریسی خدمت انجام دینی شروع کی۔مگر آپ سے ملاقات کا موقع بعد میں ملا کیونکہ ڈاکٹر صاحب اسوقت تک سعودی شہری ہو چکے تھے،حدیث کی خدمت پر شاہ فیصل انعام مل چکا تھا اور ریاض میں آپ نے گھر بنالیا تھا مگر حدیث کو کمپیوٹرائز کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کے لیے وہ یکسوئی چاہتے تھے،اسی کے ساتھ امریکی یونیورسٹی کی طرف سے اس منصوبے میں تعاون کی پیشکش تھی،اس لیے آپ کا قیام امریکا میں زیادہ ہونے لگا،جب ریاض آتے تو ملاقات ہوتی کبھی جامعہ میں کبھی آپکے گھر پر۔ خاص طور سے کسی مہمان کی آمد پر ملاقات کی شکل نکل آتی۔ڈاکٹر صاحب نے جس طرح سے مغرب کی زبان میں علم حدیث کے مستند اور معتبر ہونے پر کام کیا ہے وہ ایک عظیم خدمت ہے حسن اتفاق یہ ہے کہ اعظم گڈھ کے ایک اور فرزند اور ہندومت سے اسلام کے نور سے منور ہونے والے ڈاکٹر ضیاء الرحمان اعظمی نے بھی خدمت حدیث ہی میں اپنی عمر لگائی اور حضرت ابو ہریرہؓ کی احادیث کی دوسرے صحابہ سے سند لاکر ثابت کیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ پر جو کثرت روایت کا اعتراض اٹھایا جاتا ہے وہ بالکل مہمل ہے۔لیکن ڈاکٹر صاحب نے جو کمپیوٹر پر احادیث کو منتقل کرنے کا آغاز کیا وہ اتنا وسیع،ہمہ جہت تھا اور اتنا نیا تھا کہ اس وقت تک اس کی طرف کسی کی توجہ ہی نہ ہوئی تھی مگر اسی کے ساتھ ہوا یہ کہ ڈاکٹر صاحب مثالی کام کرنا چاہتے تھے

اس کے لیے ان کا منصوبہ حدیث کی ۵۰۰ کتابوں کو سامنے رکھ کر احادیث کو جمع کرنے کا تھا پھر تصحیح کا بھی ایسے عظیم الشان کام کا منصوبہ تھا کہ صحاح ستہ سمیت تمام کتابوں کا مکمل صحیح ایڈیشن تیار ہو۔ ہوا یہ کہ اتنا مثالی کام وقت پر وقت لیتا رہا اور اس درمیان میں کچا پکا کام کمپیوٹر پر منتقل کیا جاتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب بتاتے تھے کہ پہلا کمپیوٹر جب خریدا تو وہ کمرے میں سماتا تھا اور اب ایک لیپ ٹاپ میں میرا سارا کام محفوظ ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق بخاری کے مطبوعہ نسخے بھی تصحیح چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک دفعہ بتایا کہ مولانا مودودی سے مشورہ کے دوران کہا کہ میں سوچتا ہوں کہ دین کی خدمت ضروری کام میں حصہ لے کر کروں تو مولانا نے کہا نہیں آپ جو حدیث کی خدمت کرنا چاہ رہے ہیں یہ زیادہ اہم ہے اور آپ اسی پر یک سو ہو جائیں۔ اور واقعی ڈاکٹر صاحب فنا فی خدمت الحدیث ہو کر وہ کام کر گئے جو اُمت کے لیے سوغات ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے لیے زادِ آخرت۔ میں توقع کرتا ہوں کہ ان کے صاحبزادے اور ان کے اس کام میں معاون، ان کے کمپیوٹر میں محفوظ کام کو شایع کر کے اس کام کی قیمت جاننے والوں کو ستائش کا موقع دیں گے۔

۞ ۞ ۞

اہل قلم حضرات سے

☆ مضمون صاف و خوشخط، کاغذ کے ایک طرف اور اگر ممکن ہو تو کمپیوٹر سے کمپوز کرانے کے بعد ارسال فرمائیں۔

☆ مضمون کے حوالے میں محولہ کتاب، اس کی جلد اور صفحات وغیرہ سے متعلق مکمل اطمینان ضروری ہے، ان چیزوں کے لکھنے میں صفائی تحریر کا خاص خیال رکھیں۔

☆ دینی، دعوتی، اصلاحی، علمی اور ادبی موضوعات پر مضامین قلم بند فرمائیں۔ اختلافی موضوع پر لکھتے وقت شائستگی اسلوب اور متانتِ تحریر کا خیال رکھیں۔

☆ جو مضمون یہاں بھیجیں، اسے کسی اور جگہ برائے اشاعت ارسال نہ کریں، نہ ہی مطبوعہ مضمون بھیجیں۔ استثنائی صورتوں میں اگر ایسا کریں تو اس کی وضاحت ضرور کر دیں۔

(ادارہ)

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی: عظیم محدث، بلند پایہ محقق

مولانا خورشید انور اعظمی، صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم بنارس

ضلع اعظم گڑھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم رہا ہے کہ یہاں کی سرزمین بہت ہی مردم خیز اور علمی اعتبار سے نہایت ممتاز رہی ہے، اور ہر دور میں یہاں کے اصحاب فضل وکمال نے تعلیم وتدریس، بحث وتحقیق اور تصنیف وتالیف کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دے کر اس کا نام روشن کیا ہے اور آج بھی یہاں کے عظیم فرزند علم وفن کے مختلف شعبوں میں اپنی خداداد صلاحیت، ذاتی دلچسپی اور محنت وکاوش سے نمایاں کارنامے انجام دے رہے ہیں، یہ علامہ شبلی کی سرزمین، محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کا دیار، مورخ اسلام قاضی اطہر مبارک پوری کا خطہ اور صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری کا علاقہ ہے، جن کی علمی تحقیقات سے اسلامی کتب خانہ میں قابل قدر اضافہ ہوا اور علم وتحقیق کی نئی راہیں کھلیں، یہاں کی اسی نمایاں خصوصیت کے پیش نظر اقبال سہیل اعظمی نے سچ کہا ہے ع:

اس خطۂ اعظم گڑھ پہ مگر فیضان تجلی ہے یکسر

جو ذرہ یہاں سے اُٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

مئوناتھ بھنجن، جو کبھی اعظم گڑھ کا ایک اہم قصبہ رہا ہے، اور اب مستقل ضلع بن چکا ہے، اس کی بھی علم وفن، بحث وتحقیق اور تصنیف وتالیف کے حوالے سے ایک روشن تاریخ ہے، اگر ایک طرف اسے صنعت وحرفت میں عالمی شہرت حاصل ہے تو دوسری طرف وہ تعلیم وتعلم اور دینی وعصری علوم سے گہری دلچسپی کے لیے بھی کافی مشہور ہے، قدم قدم پر دینی مدارس اور عصری درسگاہیں قائم ہیں جن سے نونہالان قوم وملت کی ذہنی وفکری آبیاری ہوتی ہے اور زیور علم ومعرفت سے آراستہ ہوکر ملک وملت کے لیے مفید وکارآمد ثابت ہوتے ہیں اور کتنے ہیں جو وطن سے دور دیگر ممالک میں اپنی صلاحیت کے جوہر دکھاتے ہیں، اور اپنے اسلاف ووطن کی نیک نامی کا سبب بنتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی اسی زرخیز زمین میں پیدا ہوئے اور اسی علمی فضا میں پلے بڑھے، آپ نے

پرائمری اور مڈل کی بنیادی تعلیم کے بعد مشرقی اضلاع کے قدیم ومشہور دینی ادارہ دارالعلوم مئو کے یکتائے روزگار اساتذہ حضرت مولانا قاری ریاست علی صاحب بحری آبادی، حضرت مولانا محمد امین صاحب ادروی، حضرت مولانا نظام الدین صاحب اعظمی، حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی وغیرہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے علمی استفادہ کیا، اس کے بعد مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں چند ماہ گذارا مگر وہاں کی فضا راس نہیں آئی اور وطن لوٹ آئے اور دوسرے سال ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا، اور وہاں چار سال رہ کر حضرت مولانا حسین احمد مدنی، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی جیسی نابغہ روزگار شخصیات سے کسب فیض کیا۔

دارالعلوم دیوبند کی علمی وروحانی فضا نے آپ کے اندر حصول علم کی ایسی روح پھونک دی کہ مزید طلب علم کے جذبہ وشوق سے سرشار وسرمست ہوکر جامعہ ازہر مصر جانے اور وہاں کی نادرہ روزگار علمی شخصیات سے استفادہ کرنے کا عزم مصمم کیا اور وہاں جا کر ایم اے میں داخلہ لیا اور ''**شهادة العالمية مع الإجازة بالتدريس**'' حاصل کی، یہ حصول علم کے جذبہ فراواں کی کارفرمائی تھی کہ ظاہری اسباب ووسائل کے فقدان کے باوصف یہ سب ممکن ہوسکا۔ ع:

نکال لائی وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

اس سند سے ملازمت کا حصول تو آسان ہوگیا اور قطر میں غیر عربی داں کے لیے عربی کے استاذ ہو گئے، اور اس کے بعد قطر پبلک لائبریری کے نگراں بھی ہوئے مگر علم وتحقیق کی بلندیوں کو پالینے کا عزم جواں ان کے نہاں خانۂ قلب میں موجزن تھا، جس کے زیر اثر کیمبرج یونیورسٹی لندن سے پی ایچ ڈی کی، اور تدوین حدیث کے اہم موضوع پر انگریزی زبان میں ایک نہایت اہم اور جامع مقالہ مرتب کیا جس میں احادیث نبویہ کا مکمل دفاع کیا، اور مستشرقین کے پیش کردہ اعتراضات کا نہایت مسکت جواب دیا، جس سے آپ کے مطالعہ کی وسعت، فکر کی گہرائی اور بحث وتحقیق کی بلند آہنگی کا پتہ چلتا ہے، بعد میں اسی مقالہ کو عربی زبان کا جامہ پہنا کر ''**دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه**'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کرایا، اس کتاب کو اصحاب بحث وتحقیق نے کافی پسند کیا اور اس کی اہمیت وعظمت کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور اس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا اور مشرق ومغرب کی مختلف یونیورسٹیوں میں

داخل نصاب ہوئی، لندن سے واپسی کے بعد دوبارہ قطر پبلک لائبریری میں کام کیا اور اس کے بعد جامعہ اُم القریٰ مکہ میں اُصول حدیث کے اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوگیا، پھر آپ نے جامعۃ الملک سعود ریاض میں مصطلح الحدیث کے پروفیسر اور ڈین آف فیکلٹی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، اور اس دوران اپنی محنت وکاوش اور شوق وعمل سے گراں قدر علمی وتحقیقی خدمات سپرد قلم کیں جن کا مستشرقین نے بھی اعتراف کیا۔

قطر لائبریری میں قیام کے دوران آپ کو مخطوطات سے گہری مناسبت اور دلچسپی پیدا ہوگئی، اسی زمانے میں ترکی کے مکتبات کے قدیم ونادر مخطوطات کی تلاش وجستجو میں حاکم قطر کے تعاون سے وہاں کا علمی سفر کیا اور استنبول کے مکتبہ احمد الثالث میں صحیح ابن خزیمہ کے ایک نایاب مخطوطہ کے پانے میں کامیاب ہوئے، یہ دنیا کا واحد مخطوطہ تھا، جواب تک علمی دنیا کی دست رس سے باہر اور اہل علم کی نگاہوں سے اوجھل تھا اور کتنے اکابر علماء ومحدثین اس کے دیکھنے کی تمنا لیے دنیا سے رخصت ہوگئے، آپ نے اس بیش قیمت علمی سرمایہ پر تحقیق وتعلیق کا کام کیا اور اہل علم وتحقیق کو اس سے روشناس کرانے کی اولیت کا شرف حاصل کیا، یہ ایک عظیم کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک زندہ وپائندہ رہے گا۔

جب آپ کو امام بخاری سے متعلق ایک سیمینار میں شرکت کی غرض سے شکاگو یونیورسٹی جانے کا موقع ملا اور وہاں ایک مستشرق کی کمپیوٹر اور تحقیق حدیث کی بابت گفتگو سنی تو آپ کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ذخیرۂ احادیث کو کمپیوٹرائز کر دینا چاہیے اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ کام کر جائیں اور اسے اسلام اور حدیث کی خدمت کا نام دے کر اپنا مقصد حل کرلیں، چنانچہ اس کے لیے آپ نے کافی گراں کمپیوٹر خریدا، اور اس کی نوع بہ نوع کی ابتدائی مشکلات سے گذر کر سنن ابن ماجہ کی تحقیق اور اس کی فہرست بنانے میں کامیاب ہوئے، ۱۹۷۷ء سے یہ کام شروع کیا اور ۱۹۹۰ء میں جب اس کا اہل علم کے سامنے تعارف کرایا تو اس وقت تقریباً پچیس کتابیں ٹائپ ہوچکی تھیں، آپ کی انفرادیت واولیت کے سبب علم حدیث کے میدان میں آپ کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہوگیا، حتیٰ کہ آپ کو مذکورہ تین اہم اور نمایاں کاموں کے اعتراف میں عالم اسلام کا سب سے باوقار ایوارڈ ''فیصل ایوارڈ'' سے نوازا گیا، جو علمی دنیا کی نگاہ میں بہت بڑا اعزاز ہے، آپ نے ایوارڈ کی پوری رقم ہونہار غریب طلبہ میں تقسیم کردی، جس سے آپ کی علم دوستی اور غربا پروری کا پتہ چلتا ہے۔

آپ نے اپنے علمی سفر کے دوران شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ مستشرقین، اسلام کے بنیادی مآخذ ومصادر کا کافی دقت نظری کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں اور اپنی بحث وتحقیق اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ منصوبہ بند طریقہ پر دنیا کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات وقوانین کی کوئی مضبوط اساس نہیں ہے، قرآن وحدیث کی صحت، مشکوک اور شریعت کے احکام بے بنیاد ہیں، اس لیے وقت کی اہم ضرورت ہے کہ انہیں کے لب ولہجہ اور اسلوب زبان میں پورے طور پر اس کا سد باب کیا جائے؛ تاکہ صحیح صورت حال دنیا کے سامنے آسکے اور بہت سے سادہ لوح اور کم فہم افراد ان کے دام تزویر میں گرفتار ہونے سے محفوظ رہ سکیں، چنانچہ اسی جذبہ دینی کے تحت آپ نے دفاع قرآن وحدیث کے لیے اپنی زندگی وقف کردی، اور مستشرقین کی ہفوات ولغویات کا بخیہ اُدھیڑنے میں ایسا لگے کہ یہی آپ کی شناخت بن گئی، آپ نے کیمبرج یونیورسٹی کا انتخاب بھی اسی غرض سے کیا تھا کہ دبستان مغرب کے ماحول کا جائزہ لیں، مستشرقین کو قریب سے دیکھیں اور ان کے لب ولہجہ میں گفتگو کرنے کا ہنر سیکھیں، سنن ابن ماجہ کے مقدمہ میں اس عظیم مقصد کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر اعظمی رقم طراز ہیں:

في هذا الجو قررت أن أكتب بحثاً عن بعض جوانب السنة في إحدى أعرق الجامعات الغربية – جامعة كيمبردج بإنجلترا – والله يعلم أن ذلك لم يكن بهدف الحصول على الشهادة، بل كان إظهاراً للوجه الحقيقي للسنة النبوية وتنفيذاً لكتابات الجهلة ووضعها في مكانها الذي تستحقه بكشف مغالطات هؤلاء المغرضين وأباطيلهم. (مقدمة سنن ابن ماجه: ١/٥-٦)

(اس ماحول میں میں نے طے کیا کہ مغرب کی قدیم یونیورسٹی ''کیمبرج یونیورسٹی لندن'' میں احادیث نبویہ کے بعض پہلوؤں کے بارے میں ایک تحقیقی مقالہ سپرد قلم کروں، اللہ جانتا ہے کہ اس کا مقصد ڈگری کا حصول نہیں تھا؛ بلکہ احادیث نبویہ کی صحیح صورت پیش کرنا اور ان خودغرضوں کے مغالطوں اور ان کے باطل نظریات کو بے نقاب کرکے احادیث نبویہ کو صحیح مقام عطا کرنا تھا۔)

سب سے پہلے مستشرق گولڈزیہر نے پوری قوت کے ساتھ حدیث کو ہدف تنقید بنایا، اور کافی وقت، محنت اور صلاحیت صرف کرکے ایک کتاب لکھی، اس کتاب کو مغرب اور اس کی جامعات میں بیحد مقبولیت واہمیت حاصل ہوئی، اس کے ساٹھ سال بعد شاخت پیدا ہوا، اور اس نے گولڈزیہر کے افکار وخیالات کو اور

بھی پُر زور انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے یہ مستشرقین کا امام اوراس کی کتاب ان کی مقدس ترین کتاب بن گئی۔

یوں تو آپ کی جملہ تصانیف میں یہ جذبہ پوری شدت وقوت کے ساتھ نظر آ رہا ہے کہ قرآن وحدیث کی حفاظت وصیانت کا ایسا محفوظ ومستحکم نظام بنا دیا جائے کہ اسلام دشمن طاقتوں کو اس میں دراندازی کا کہیں سے موقع نہ مل سکے، لیکن آپ نے گولڈزیہر، فنسک اور دیگر مستشرقین کا عموماً اور شاخت کا خصوصاً نہایت مدلل انداز میں دنداں شکن جواب دیا ہے، آپ کے اس عظیم کارنامے کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے آپ کی جملہ تصانیف ومقالات کے عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے، اس مختصر تحریر میں اس کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کرنا بہت مشکل ہے تاہم یہ جاننے کے لیے کہ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے مستشرقین کی کیسی علمی گرفت کی ہے، اوران کے اعتراضات کا جواب کس دقت نظری سے دیا ہے، ایک دومثالیں ہدیہ قارئین ہیں:

۱ - محدثین کے یہاں ''مالک عن نافع عن ابن عمر'' کی سند سلسلۃ الذہب ہے مگر مستشرق شاخت نے اس پر شک کا اظہار کیا اور کہا کہ مالک کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی ہے، اور نافع کی ۱۱۷ھ میں، مالک کی عمر کتنی ہی بڑی مان لیا جائے، نافع کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۵؍سال کے ہی لگ بھگ ہوگی جو بچپن کی عمر ہے اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی، ڈاکٹر اعظمی نے کہا کہ کیسی عجیب بات ہے کہ شاخت جیسا مستشرق بالکل الٹی چال چل رہا ہے اور نافع کی وفات کے وقت مالک کی عمر ان کی تاریخ وفات سے طے کر رہا ہے یہ کہتے ہوئے کہ مالک کی تاریخ ولادت یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہے، اور نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ نافع کی وفات کے وقت ان کی عمر ایک بچے کی عمر سے زیادہ نہ ہوگی؛ لیکن اگر یہ کتب تراجم دیکھتا تو اسے امام مالک کے معاصرین ومتاخرین کی صراحت ملتی کہ امام مالک کی ولادت علی حسب الاختلاف ۹۳ھ، ۹۴ھ، یا ۹۷ھ میں ہوئی ہے، اگر آخری قول کو لے لیا جائے تب بھی حضرت نافع کی وفات کے وقت امام مالک کی عمر بیس سال ہوتی ہے، جب کہ آج ایک آدمی اتنی عمر میں ڈاکٹریٹ کر لیتا ہے، پھر یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ نافع ومالک دونوں مدینہ میں ہی مقیم تھے، ڈاکٹر اعظمی اس مسئلے کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفي ضوء هذه الحقائق يصعب على المرء أن يستبعد ويستغرب رواية هذه المجموعة من الأحاديث عن نافع، والتي لا تزيد على الصفحات الثلاثين، مع

أن بعض الناس في أيامنا هذه يحصلون على الدكتوراة في هذا العمر. (دراسات في الحديث النبوي...: ٤٣٤)

(ان حقائق کی روشنی میں آدمی پر مشکل ہے کہ نافع سے مروی اس مجموعہ احادیث کی روایت کو مستبعد جانے جو تیس صفحات سے زیادہ نہیں ہے، جب کہ آج کے زمانے میں بعض لوگ اس عمر میں ڈاکٹریٹ کر لیتے ہیں۔)

۲ - مستشرق گولڈزیہر نے ''**لا تشد الرحال إلا إلیٰ ثلاثة مساجد**'' پر نقد کیا ہے، اور امام زہری پر الزام لگایا ہے کہ یہ حدیث انہوں نے عبدالملک بن مروان کے حکم پر وضع کی ہے، یہ اس وقت جب کہ عبد الملک کو ڈر لگا کہ اگر شامی لوگ حج کے لیے مکہ آئے تو عبداللہ بن زبیر ان سے بیعت لے لیں گے، اس لیے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ لوگ کعبہ کے بجائے بیت المقدس کے قبۃ الصخرہ کا حج کریں، اور اس کا طواف، کعبہ کے طواف کے قائم مقام ہو، اور امام زہری سے کہا کہ اس سیاسی مقصد کے لیے دینی اصلاح کا جواز فراہم کریں، اور ایک حدیث متصل وضع کر کے عوام میں عام کریں جس سے معلوم ہو کہ یہاں تین مسجدیں ہیں جہاں حج کیا جا سکتا ہے، مکہ، مدینہ، بیت المقدس۔ ڈاکٹر اعظمی نے تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت کیا کہ جس وقت عبدالملک کو زہری کی حدیث سے استشہاد کی ضرورت تھی اس وقت زہری کی عمر دس اور اٹھارہ سال کی رہی ہوگی، اور یہ بات بھی سمجھ سے باہر ہے کہ ایک لڑکا یا جوان اپنے ماحول سے ہٹ کر اس درجہ مشہور ہو جائے کہ قرآن وحدیث میں فرضیت حج کے باوجود اس کو ختم کر دے اور لوگ اسے تسلیم بھی کر لیں، جب کہ شام میں بہت سے صحابہ اور کبار تابعین موجود تھے، یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ لوگ اس پر خاموش رہ جاتے، پھر زہری اس حدیث کے تنہا راوی نہیں ہیں؛ بلکہ اس کے اور بھی رواۃ ہیں جو اس حدیث کی روایت کرتے ہیں، نیز صخرہ کی عمارت ۷۲ھ میں مکمل ہوئی تھی اور یعقوبی کی صراحت کے مطابق مکہ اس وقت سے اُمویوں کے قبضے میں تھا اس لیے انہیں حج کا بدل ایجاد کرنے اور طواف صخرہ کی ضرورت ہی نہیں تھی پھر اُموی اتنے مغفل بھی نہیں تھے کہ یہ حرکت کر کے اپنے مخالفین کو اپنے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا موقع فراہم کرتے کہ انہوں نے بیت اللہ کے حج کو بیت المقدس کے صخرہ کی زیارت کی طرف منتقل کر دیا، ڈاکٹر اعظمی نے مستشرق گولڈزیہر کے اس بے بنیاد اعتراض کی قلعی کھولتے ہوئے صاف لفظوں میں کہا:

''لكن يا ترى هل كان الزهري في منزلة تسمح له باختلاق حديث ونسبته إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهل كان في وسعه أو في وسع عبد الملك بن مروان إلغاء الحج وإيجاد بدل عنه؟ الحقائق التاريخية لا تؤيد هذا الإدعاء بل تعارضه معارضة شديدة''. (منهج النقد عند المحدثين نشأته وتاريخه : ١٢٨)

(یہ عجیب بات ہے، کیا زہری اس مقام پر پہنچ گئے تھے کہ حدیث وضع کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کریں، کیا ان کے یا عبدالملک بن مروان کے بس میں تھا کہ حج کو ختم کر کے اس کا بدل ایجاد کریں؟ تاریخی حقائق اس دعوی کی تائید نہیں؛ بلکہ اس کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔)

یہ دو مثالیں بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' پیش کی گئی ہیں تا کہ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ نے مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں کا تاریخی حقائق اور ٹھوس دلائل وشواہد کی روشنی میں کتنا واضح اور مسکت جواب دیا ہے مخالف بھی اس کے خلاف لب کشائی کی جسارت نہیں کر سکتا، اس سے آپ کی دقت نظری، تبحر علمی، اور فکر ونظر کی بلندی کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہوتا ہے آپ مستشرقین کے بلند بانگ دعووں کی بنیادی خامیوں سے پوری طرح واقف تھے اور ذاتی طور پر جانتے تھے کہ مستشرقین کی تمام تگ ودو کا محور محدثین کے منہج اور ان کی گراں قدر خدمات کو بے وزن ثابت کرنا، اسلام کے اساسی مصادر وماخذ کو مشکوک ومشتبہ قرار دینا اور بحث وتحقیق اور خدمت علم کے خوشنما عنوان سے اپنی خواہش نفس کو غذا فراہم کرنا ہے، ڈاکٹر صاحبؒ ایک جگہ مستشرقین کے منہج بحث وتحقیق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ومن نافلة القول أن نقول : إن هذا ليس منهجاً، بل هو اتباع لهوى في النفس دون مراعاة عقل أو منطق لذلك لا يمكن اعتبار منهجم منهجا علميا؛ لأنه لا يحمل في طياته المناهج العلمية، بل ركيزته الهوى لاغير''. (دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه : ٤٧٠)

(ایک مزید بات کہتا ہوں کہ یہ کوئی منہج نہیں ہے، بلکہ عقل ومنطق کی رعایت کیے بغیر خواہش نفس کا اتباع ہے، لہٰذا ان کے اس منہج کو علمی منہج نہیں کہا جا سکتا؛ اس لیے کہ اس کی تہ میں علمی مناہج کا فقدان ہے، بلکہ اس کا بنیادی عنصر صرف خواہش نفس ہے۔)

اہل علم جانتے ہیں کہ حدیث نبوی اور اس کا دفاع آپ کا اصل موضوع رہا ہے، لیکن جب آپ نے امریکہ کے ''اٹلانٹک منتھلی'' میں ٹونی لسٹر کا مضمون ''قرآن کیا ہے؟'' دیکھا جس میں کوشش کی گئی تھی کہ قرآن سے مسلمانوں کا عقیدہ متزلزل ہو جائے اور دلوں سے اس کی صحت کا یقین ختم ہو کر اس میں شک وشبہ پیدا ہو جائے تو آپ کی اسلامی غیرت وحمیت جاگ اُٹھی اور تدوین قرآن کی مدلل تاریخ انگریزی زبان میں قلم بند کی اور اس کے متن کے دائمی ہونے پر سیر حاصل گفتگو کی اور پندرہ سال کی انتھک محنت کے بعد ۱۹ مخطوطوں سے موازنہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ قرآن کریم میں کسی زمانے میں کسی طرح کا تغیر وتبدل نہیں ہوا ہے، قرآنی خدمات کے باب میں آپ کا یہ عظیم کام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

آپ کی جملہ تصانیف کا سرسری جائزہ لینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے زندگی کے گراں قدر لمحات، مخطوطات کی تلاش وجستجو، ان کی تحقیق وتعلیق اور ایسی کتابوں کی تصنیف وتالیف میں صرف کیے ہیں جن سے قرآن وسنت کی اہمیت وعظمت اور ان کی صحت وحقانیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، مستشرقین کی علمی خیانتیں طشت از بام ہو جاتی ہیں اور مفروضات ومزعومات پر مبنی علم وتحقیق کا قلعہ منہدم ہو جاتا ہے، یوں تو آپ نے تمام مستشرقین کا دنداں شکن جواب دیا ہے، لیکن شاخت کے باطل نظریات کی تردید آپ کی شناخت ہے، جس کا ذکر معاصر علماء نے بھی اپنی تحریروں میں بصراحت کیا ہے، ڈاکٹر عبدالرحمٰن الخطیب نے اپنی کتاب ''الرد علی مزاعم المستشرقين''، میں لکھا ہے:

''وقد تحدى الدكتور محمد مصطفى الأعظمي أدلة شاخت التي اعتمد عليها ليصل إلى نتيجته الخاطئة عن الأحاديث النبوية الشريفة، وقد أكد الأعظمي أدلة شاخت في معظمها تعتمد على مغالطات فكرية أو فهم خاطئ لغوي أو الاعتماد على حالات شاذة ثم تعميمها على كل الأحاديث أو إصدار أحكام عامة على كل الأحاديث بناء على بعض الأحاديث وليس بناء على استقرائها وقد رأى الأعظمي أن هذه الأمور واضحة في نظرية شاخت''. (الرد على مزاعم المستشرقين : ۳۷)

(ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے شاخت کے دلائل کو چیلینج کیا ہے جن پر احادیث نبویہ کے بارے میں غلط نتیجہ تک پہنچنے کے لیے اس نے اعتماد کیا ہے اور انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ شاخت کے

بیشتر دلائل کا انحصار فکری مغالطوں اور لغوی غلط فہمی پر ہے، یا شاذ حالات کو تمام حدیث پر عام کر دینے یا بغیر استقراء کے بعض احادیث کو سامنے رکھ کر تمام احادیث پر عام حکم جاری کر دینے پر ہے، ڈاکٹر اعظمی کا خیال ہے کہ یہ باتیں شاخت کے نظریہ میں صاف صاف ظاہر ہیں۔)

ڈاکٹر اعظمی کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے علم وتحقیق کی بلندیوں اور منصب وعہدے کی رفعتوں پر پہنچ جانے کے باوجود ماضی سے اپنا رشتہ استوار رکھا، جب کہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ آدمی کسی بلند مقام پر پہنچ جانے کے بعد اپنے سابقہ احوال وکوائف کو یکسر بھول جاتا ہے بلکہ بسا اوقات اس کو حقیر نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے اور اپنی وضع قطع، طور طریق اور فکر ونظر کو خیر باد کہہ دیتا ہے، لیکن ڈاکٹر اعظمی کی زندگی میں اس طرح کی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی، آپ نے کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم پائی، مستشرق علماء کی زیرنگرانی مقالہ لکھا، جامعہ اُم القری مکہ میں مساعد پروفیسر رہے اور جامعۃ الملک سعود ریاض میں پروفیسر اور صدر شعبہ رہے، ہارورڈ اور آکسفورڈ وغیرہ کی عالمی تعلیم گاہوں میں بطور مہمان پروفیسر تدریسی خدمات انجام دیں، مگر اس ماحول سے نہ مرعوب ومتاثر ہوئے اور نہ آپ کے افکار ونظریات میں کسی طرح کا تزلزل پیدا ہوا بلکہ اپنے موقف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے، اور تاحیات اس کی پرزور ترجمانی کی جس کا اہل علم نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

اس طرح ایک ہندی نژاد عالم نے اپنی ذاتی محنت وکاوش اور شوق وعمل کے طفیل بحث وتحقیق کے میدان میں اتنا بلند مقام حاصل کیا کہ علمی دنیا میں اس کا بصمیم قلب اعتراف کیا گیا، اہم ترین ایوارڈوں سے نوازا گیا، اعلی مناصب پر سرفراز کیا گیا، اور آپ کی گراں قدر تصانیف کو مشرق ومغرب کی مختلف جامعات میں داخل نصاب کیا گیا۔ ع:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دعا ہے کہ اللہ تعالی ڈاکٹر صاحب مرحوم کی تمام علمی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی عظیم تصانیف وتحقیقات سے ملت اسلامیہ کو بیش از بیش مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کو اپنی رضائے خاص سے سرفراز فرمائے نیز اپنے جوار رحمت میں خصوصی جگہ عنایت فرمائے، آمین۔

۞ ۞ ۞
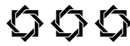
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ

مولانا اختر امام عادل قاسمی، مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف

حضرت شیخ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی قاسمیؒ عصر حاضر کے ان ممتاز علماء میں تھے جنہوں نے اپنے علم اور قلم سے جریدۂ عالم پر نقش دوام ثبت کیا، جن کو نہ لوح تاریخ سے محو کیا جاسکتا ہے اور نہ دلوں کی دنیا سے فراموش کیا جاسکتا ہے، جب تک علم کی دنیا آباد ہے، وہ ملت اسلامیہ کی روشن پیشانی پر آبگینہ کی طرح چمکتے رہیں گے، ان کی فکر وفہم قدرت کے مخصوص سانچہ کی تراشیدہ تھی، ان کے ذہن ودماغ کے تمام دریچے کھلے ہوئے تھے، وسیع علم اور ذہن رسا کے ساتھ بلیغ قلم کی نعمت بھی انہیں میسر تھی، کئی زبانوں پر ان کو اہل زبان جیسی قدرت حاصل تھی، انہوں نے کیمبرج یونیورسیٹی سے فن حدیث پر انگریزی زبان میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، عربی اور انگریزی میں ایک درجن سے زائد کتابیں لکھیں، حدیث وسیر کے کئی اہم ترین مجموعوں کو اپنی گراں قدر تحقیقات وتعلیقات سے مزین کیا۔

قرآنی خدمات:

☆ انگریزی زبان میں ان کا گراں قدر کارنامہ تدوین قرآن کریم پر مستشرقین کے اعتراضات کا دنداں شکن جواب ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ نائن الیون سے قبل ایک مشہور انگریزی میگزین ''اٹلانٹک منتھلی'' (Atlantic Monthly) میں ''ٹوبی لسٹر'' کا ایک مضمون شائع ہوا، ''واٹ از قرآن'' (قرآن کیا ہے؟)، جس میں اس نے یمن کے بعض قرآنی مخطوطوں میں الف کی کتابت پر اعتراضات کئے تھے، اور اس کا مقصد حفاظت قرآن کے تعلق سے مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا تھا، ڈاکٹر صاحب نے اس کے جواب میں یہ کتاب لکھی:

The History of The Quranic Text, From Revelation to Compilation: A Comparative Study With The Old and New Testaments.

اس کتاب میں آپ نے قرآن کریم کی تدوین کی مدلل تاریخ بیان کی، اور اس کے متن کی دائمیت پر سیر حاصل گفتگو کی، نیز صحابی رسول ؐ حضرت زید بن ثابتؓ کے ذریعہ قرآن کریم جمع کرنے کی تاریخی تفصیل بھی رقم کی، آپ نے اس کتاب میں مغربی ممالک کے محققین کا زوردار تعاقب کیا اور قرآن کریم کی تحریف سے متعلق ان کے دعووں اور عزائم کی پول کھول کر رکھ دی۔

بعد میں آپ نے خود ہی اس کتاب کا عربی ترجمہ ''**تاريخ النص القرآني - من الوحي إلى التدوين، دراسة مقارنة مع العهد القديم والعهد الجديد**'' کے نام سے کیا، یہ کتاب لندن کی اسلامک اکیڈمی سے ۲۰۰۳ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی، اس کے بعد کناڈا، امارات، سعودی عرب، اور کویت سے اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے، ترکی، ملیشیائی اور دیگر کئی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوئے۔ اردو میں غالباً اس کا ترجمہ نہیں ہوسکا، اگر یہ قیمتی کتاب اردو میں بھی منتقل ہوجاتی تو اردو داں طبقہ بھی اس سے استفادہ کرسکتا تھا۔

☆ قرآن کریم کے موضوع پر آپ کی ایک اور کتاب ''**تاريخ تدوين القرآن الكريم - التحدي القرآني**'' بہت اہم ہے۔

☆ زندگی کی آخری کتاب بھی قرآن کریم ہی کے موضوع پر ہے:

Ageless Qur'an - Timeless Text (صفحات: ۲۵۰)

یعنی ''**النص القرآني الخالد عبر العصور**'' یہ کتاب دراصل مستشرقین کی جانب سے قرآن کریم کے متعدد نسخوں پر کئے جانے والے اعتراضات کا مدلل جواب ہے، اس کتاب کی تیاری میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی عمر عزیز کے پورے پندرہ (۱۵) سال خرچ کئے، اس کے لئے مختلف ممالک کے اسفار بھی کئے، دنیا میں موجود قرآن کریم کے مشہور و معروف انیس (۱۹) مخطوطوں کا موازنہ کر کے اس کتاب میں آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) سال کے اندر قرآن کریم کے الفاظ میں کوئی تغیر و تبدل پیش نہیں آیا، ایک سو پچاس (۱۵۰) صفحات والی اس کتاب میں مذکورہ مخطوطوں کے درمیان موازنہ کے علاوہ پچاس پچاس (۵۰) صفحات پر عربی اور انگریزی میں ایک مفصل مقدمہ بھی شامل ہے، یہ کتاب ترکی

سے شائع ہو چکی ہے۔

فقہی خدمات:

☆ فقہ اسلامی پر بھی عہد قدیم سے ہی مستشرقین کے اعتراضات ہوتے رہے ہیں، اور علماء نے ان کے جوابات بھی دیئے ہیں، اس موضوع پر عصر حاضر میں سب سے اہم ترین کام ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی کا ہے، یہ حقیر بھی اپنی کتابوں اور مضامین میں ان کا خوشہ چیں رہا ہے، لیکن اس میدان میں اگر کوئی دوسرا بڑا نام پیش کیا جا سکتا ہے تو وہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمیؒ کا ہے، خاص بات یہ ہے کہ آپ کا کام انگریزی زبان میں ہے اور مستشرقین کو ان کی زبان میں جواب دیا گیا ہے، آپ کی کتاب "On Schacht's Origins of Muhammadan Jurisprudence" (صفحات: ۲۴۳) کو اس موضوع پر کافی شہرت حاصل ہوئی، اس میں فقہ اسلامی کے تعلق سے مشہور مستشرق "شاخت" کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۵ء میں نیویارک سے اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۶ء انگلینڈ سے شائع ہوا، ترکی زبان میں اس کا ترجمہ ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔

حدیث کے میدان میں بے مثال خدمات:

علم حدیث ڈاکٹر صاحبؒ کا اصل میدان تھا، آپ نے اس فن کو نئی تکنکوں اور نئے امکانات سے آشنا کیا، اور عمر عزیز کا بڑا حصہ اس فن شریف کی خدمت میں صرف کیا، آپ کی حدیثی خدمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: تحقیقی خدمات اور دفاعی خدمات:

تحقیقی خدمات:

(ا) تحقیقی خدمات میں کئی چیزیں آپ کی اولیات میں سے بھی ہیں، مثلاً:

☆ دنیا میں پہلی بار آپ نے احادیث مبارکہ کی عربی عبارتوں کو کمپیوٹرائزڈ کیا، جس سے اہل علم کو احادیث کی تحقیق و تلاش میں کافی سہولت حاصل ہوگئی، یہ اتنا بڑا صدقہ جاریہ ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب نے ساری زندگی میں تنہا یہی کام کیا ہوتا تو بھی ان کی عظمت و انفرادیت کے لئے کافی ہوتا، چہ جائیکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے تحقیقی کارنامے آپ نے انجام دیئے۔

☆ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسیٹی میں آپ حدیث کے پہلے استاذ ہوئے۔

☆ حدیث کے کئی اہم مجموعے آپ کی تحقیقات وتعلیقات سے مزین ہو کر شائع ہوئے، صحیح ابن خزیمہ کے بارے میں پہلے عام خیال یہ تھا کہ یہ نایاب ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس نایاب کتاب کو دریافت کیا، اور تحقیق وتعلیق کے بعد چار (۴) جلدوں میں شائع فرمایا، اس کا پہلا اور تیسرا ایڈیشن بالترتیب ۱۹۷۰ء اور ۱۹۹۳ء میں بیروت سے شائع ہوا، دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۲ء میں ریاض سے شائع ہوا، اور بھی کئی ایڈیشن نکلے۔(۱)

☆ اسی طرح ''سنن ابن ماجه'' کو بھی آپ نے تحقیق کر کے چار جلدوں میں ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔

☆ حدیث پاک کے قدیم ترین مجموعہ ''موطأ امام مالك'' کو بھی آپ نے تحقیق وتخریج کے بعد آٹھ (۸) جلدوں میں شائع کیا، موطأ کے رواۃ پر بھی کام کیا۔

☆ **العلل لعلي ابن عبد الله المديني**ؒ: آپ کی تحقیق وتعلیق کے بعد اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۲ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔

☆ **سنن کبری للنسائي**: ۱۹۶۰ء میں آپ نے اس کا مخطوطہ حاصل کیا اور تحقیق وتخریج کے بعد اس کی اشاعت کرائی۔

☆ **مغازي رسول الله ﷺ لعروة بن الزبير برواية أبي الأسود**: یہ مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر کا تحریر کردہ اولین مجموعۂ مغازی ہے، اس پر آپ نے تحقیق کی اور اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں ریاض سے شائع ہوا۔

یہ کتاب واضح طور پر عہد اول ہی سے سیرت نگاری کے تسلسل کو ثابت کرتی ہے۔

دفاعی خدمات:

ڈاکٹر صاحب کا علمی جوہر دفاعی میدان میں زیادہ کھلا ہے، سطر سطر معلومات اور حقائق سے لبریز ہے، وہ تاریخ اور اسماء الرجال پر بڑی گہری نظر رکھتے اور صحیح مواقع استعمال جانتے تھے، اس باب میں ان کو وہ امتیازی حیثیت حاصل تھی کہ شاید وباید، مجھے ان کی کئی کتابیں دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، مطالعہ سے محسوس ہوا کہ اگر میں نے یہ کتابیں نہ پڑھی ہوتیں تو علم کے بڑے باب سے محروم رہ جاتا، احادیث کی پرکھ اور کتابوں پر نظر کے معاملے میں وہ اپنے بہت سے ہم عصروں پر فوقیت رکھتے تھے، بلکہ محدث کبیر

حضرت علامہ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ کے بعد شاید ہی کوئی اور نام ان کے مقابلے میں پیش کیا جا سکے۔

حدیث کی دفاعی خدمات کے باب میں ڈاکٹر صاحب کی کئی کتابیں شاہکار حیثیت رکھتی ہیں:

منهج النقد عند المحدثين مع كتاب التمييز - ایک عظیم کارنامہ:

☆ اس کا ایک بڑا نمونہ امام مسلمؒ کی کتاب "التمييز" پر ان کا تحقیقی کام ہے، امام مسلمؒ کی یہ کتاب بنیادی طور پر تو اُصول حدیث کے موضوع پر ہے؛ لیکن اس میں بحث کا بڑا حصہ حدیث کی تدوین وتحفظ کے لئے متقدمین کی بے مثال جدوجہد، اور محتاط طریق عمل کے بارے میں بھی ہے، امام مسلم نے اپنی اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ محدثین نے احادیث کی حفاظت اور ان کے ردوقبول کا جو معیار اختیار کیا، اس سے بہتر معیار کا تصور آج بھی ممکن نہیں۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے امام مسلم کی اس کتاب پر تحقیق کی، اور ایک مبسوط مقدمہ ''**منهج النقد عند المحدثين**'' کے نام سے تحریر فرمایا، اس کتاب پر کام کرنے کا بظاہر محرک یہ بنا کہ جامعہ اسکندریہ سے ڈاکٹر عثمان موافی کی کتاب ''**منهج النقد التاريخي عند المسلمين و المنهج الأوروبي**'' شائع ہوئی، جو غالبًا ان کی ڈاکٹریٹ کا مقالہ تھا، اسی موضوع پر ان کے پیشرو دکتور نور الدین عتر کی کتاب ''**منهج النقد في علوم الحديث**'' بھی شائع ہو چکی تھی، ان دونوں کتابوں میں قدر مشترک طور پر یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ:

> ''مسلمانوں میں سلسلۂ سند کا آغاز بعض اسباب وحوادث کے تحت ۴۰ھ کے بعد ہوا، ورنہ اسلام کے ابتدائی دور میں نقل وروایت کا وہی سادہ طریقہ رائج تھا جو عہد جاہلیت سے عربوں میں چلا آ رہا تھا، وغیرہ''۔

گوکہ ان مصنفین کا مبلغ علم حدیث کی مبادیات سے آگے نہ تھا، لیکن عام لوگوں کی تشویش واضطراب کے پیش نظر شیخ اعظمی نے اس قدیم ترین مجموعہ کو سامنے لانے کا فیصلہ کیا اور مضبوط دلائل سے ثابت کیا کہ حدیث پاک کی کتابت وتدوین کا اہتمام خود عہد نبوت سے شروع ہو چکا تھا، اور ۴۰ھ سے بہت قبل ہی متعدد صحابۂ کرام کے قلمی مجموعے سامنے آ گئے تھے۔ (**مقدمة كتاب التمييز ص: ٥-٧، طبع أول ١٣٩٥هـ**)

علاوہ ازیں اسلام میں تبلیغ اور تعلیم کا جو تصور پیش کیا گیا ہے اور نقل وروایت میں کذب بلکہ شائبۂ کذب سے بھی احتیاط کرنے کی جو تاکید آئی ہے، وہ بھی اس کی متقاضی ہے کہ صحابہ نے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں برتی ہوگی، ڈاکٹر صاحب نے متعدد روایات واحادیث سے اس موقف کو ثابت کیا ہے۔(**منهج النقد عندالمحدثين للأعظمي : ۳-۵**)

بلکہ بقول ڈاکٹر صاحب روایت کی نقد وتحقیق کی شروعات بھی عہد نبوت میں ہی ہوگئی تھی، گوکہ اس تحقیق کا مقصد ازالۂ شک نہیں؛ بلکہ محض اطمینان قلب ہوتا تھا، خدانہ خواستہ صحابہ میں ایک دوسرے کی طرف سے کوئی بے اعتمادی ہرگز نہیں پائی جاتی تھی، لیکن جس طرح پیغمبر خدا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے سوال کا مقصد محض اطمینان قلب تھا(**ليطمئن قلبي**)[**البقرة : ۲۶۰**] اسی طرح صحابۂ کرام بھی محض اطمینان قلب کے لئے بعض مواقع پر روایات کی تحقیق کرتے تھے۔

☆ اس کا دوسرا بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ روایت بالواسطہ کے بجائے بلاواسطہ ہوجائے، یا واسطے کم ہوجائیں۔

☆ نیز اس کا بڑا فائدہ یہ تھا کہ نقد وتحقیق کا یہ رجحان آئندہ نسلوں تک منتقل ہو، اور تحفظ دین کے باب میں اُمت کسی بڑے فتنے میں پڑنے سے محفوظ رہے، مثلاً:

☆ دیہات سے ایک شخص (بعض روایات میں ان کا نام ضمام بن ثعلبہ ذکر کیا گیا ہے) خدمت رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ:

''**يا محمد أتانا رسولك فأخبرنا أنك تزعم أن الله أرسلك، قال : صدق**''.

(آپ کے نمائندہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ آپ گمان کرتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، حضور ﷺ نے جواب میں اس کی تصدیق فرمائی۔)الحدیث(**الجامع الصحيح المسمى بصحيح مسلم : ۱۳۲/۱، حديث : (۱۱۱) ط دار الجيل بيروت. سنن النسائي الكبرى : ۴۳۷/۳، ط دار الكتب العلمية بيروت ۱۴۱۱هـ**)

☆ حضرت علیؓ نے یمن سے واپسی پر اپنی اہلیہ حضرت فاطمہؓ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ کہتی ہیں کہ رنگین کپڑے پہننے اور سرمہ لگانے کا حکم آپ نے ان کو دیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ

نے تصدیق فرمائی کہ ہاں! میں نے حکم دیا ہے الحدیث(**الجامع الصحیح المسمی بصحیح مسلم : ٤/٣٩، حدیث :(٣٠٠٩) ط دار الجیل بیروت)**

ڈاکٹر صاحب نے اس کی چھ(٦) مثالیں ذکر کی ہیں، اور معتبر حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ تسلسل نسبتاً زیادہ قوت کے ساتھ عہد صحابہ کے بعد بھی جاری رہا، اور یہی چیز احادیث کے تحفظ و تدوین کی ضمانت بن گئی۔(**منهج النقد عندالمحدثين للأعظمي : ٧-١٠**)

☆ اس کتاب کا چھٹا باب ایک بہت ہی حساس اُصولی مسئلہ ''عدالت صحابہ'' سے متعلق ہے، محدثین اور جمہور اُمت نے تمام صحابہ کو بلاتفریق عادل وثقہ قرار دیا ہے، ڈاکٹر صاحب نے علمی اور تاریخی حوالوں سے اس موضوع کا حق ادا کیا ہے، اور تمام منطقی بنیادیں اور چھوٹی بڑی تفصیلات صفحۂ قرطاس پر جمع کردی ہیں، تقریباً کتاب کے تئیس (۲۳) صفحات میں یہ بحث پھیلی ہوئی ہے، اور اس ایک کتاب نے بہت سی کتابوں سے آدمی کو بے نیاز کردیا ہے، اہل علم کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے، اتنی مرتب اور جامع گفتگو کم دیکھنے کو ملے گی۔(**منهج النقد عندالمحدثين للأعظمي : ١٠٣-١٢٦**)

غرض پوری کتاب (جو ۲۳۴ صفحات پر مشتمل ہے) اہم مباحث سے لبریز ہے، اور منکرین و مستشرقین کے تمام بنیادی شبہات کے تشفی بخش جوابات اس میں موجود ہیں۔

دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه -متعلقات حدیث کا انسائیکلوپیڈیا:

☆ ڈاکٹر صاحبؒ کا سب سے بڑا کارنامہ جو اُن کی عالمی شہرت کا سبب بنا اور جس سے ان کی آئیڈیل شخصیت تیار ہوئی وہ ہے ان کی مشہور تصنیف ''**دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه**'' تقریباً سات سو بارہ (۷۱۲) صفحات میں اپنے موضوع پر اب تک کی سب سے جامع اور مبسوط کتاب ہے، جس میں حدیث کی شرعی و استدلالی حیثیت، اصطلاحات حدیث، تدوین حدیث، حدیث کے قدیم ترین مجموعے، احادیث کی صحت و اعتباریت پر مستشرقین کے اعتراضات، قرون خیر کے نظام تعلیم و تدریس، عہد سلف کے کاتبین و مصنفین حدیث کا تعارف جیسے اہم ترین مسائل و مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے، یہ کتاب مصنف کے علم و فن کا نقطۂ ارتقا ہے، جس میں بے شمار چشمے اور ندی نالے سمٹ آئے ہیں۔

اکابر دیوبند میں حضرت علامہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی تصنیف لطیف ''تدوین حدیث'' اُردو

زبان میں اس موضوع پر سب سے معتبر اور مبسوط کتاب مانی جاتی ہے، جس نے مسئلہ کی بیشتر تفصیلات اپنے دامن میں سمیٹ لی ہیں، ڈاکٹر مصطفی اعظمی صاحبؒ نے بھی اس کتاب سے استفادہ کیا ہے، اور اس کے حوالے بھی دیئے ہیں؛ (دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه : ۵۹۸) لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع کو مزید وسعتوں اور امکانات سے روشناس کیا، ان کے پاس مواقع ووسائل بھی زیادہ میسر تھے، جن کا انہوں نے صحیح استعمال کیا، ان کی یہ کتاب اس موضوع پر ایک موسوعہ کی حیثیت رکھتی ہے، آج حدیث کے ہر طالب علم اور محقق کو اس سے استفادہ کرنا چاہیئے، تنہا یہ ایک کتاب بہت سی کتابوں کی طرف سے کافی ہے۔

کتاب پر ایک نظر:

ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب نو (۹) ابواب اور کئی فصلوں پر مشتمل ہے:

☆ باب اول: پہلے باب میں سنت کے لغوی واصطلاحی مفہوم، قرآن وحدیث میں نیز محدثین واُصولیین اور فقہاء کے یہاں اس کے استعمالات، اور مستشرقین کی تعبیرات وتصورات سے بحث کی گئی ہے، حدیث کی استدلالی حیثیت (یعنی ماخذ شریعت ہونیکی حیثیت) کو نمایاں کیا گیا ہے، اور متعدد صحابۂ کرام کے حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہ روز اول ہی سے احادیث کو ایک مصدر قانون کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے، جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، اور حضرت معاویہؓ جیسے بڑے نام شامل ہیں۔

اسی باب میں اس تاریخی حقیقت کو بھی واشگاف کیا گیا ہے کہ فتنۂ انکار حدیث کے جراثیم عہد صحابہ میں ہی پیدا ہونے لگے تھے، مگر صحابہ نے سختی کے ساتھ ان کا استیصال کیا، اور اس فتنہ کو روکنے کی کوشش کی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ:

> ''صحابی رسول حضرت عمران بن حصینؓ ایک مجلس میں احادیث رسول ﷺ بیان فرما رہے تھے، کہ ایک شخص نے لقمہ دیا کہ اے ابونجید! آپ ہمیں قرآن کی تعلیم دیجئے، حضرت عمران نے حکمت کے ساتھ اس شخص کو سمجھایا کہ قرآن میں نماز اور زکوۃ جیسے فرائض کا حکم آیا ہے مگر ان کی تفصیلات قرآن میں کہاں ہیں؟ یہ چیزیں رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل سے لی گئی ہیں، اس شخص

کو بات سمجھ میں آ گئی اور اس نے اپنا اعتراض واپس لے لیا، حضرت حسن بصریؒ اس شخص کا نام ظاہر کئے بغیر فرماتے تھے کہ بعد میں وہ شخص مسلمانوں کے فقہاء میں شمار کیا گیا۔ (**دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه : ۲۱، بحواله المستدرك : ۱/ ۱۰۹، ۱۱۰**)

کئی صحابہ سے اس طرح کے واقعات منقول ہیں، صحابہ نے اس قسم کے تصورات کو رد فرما دیا تھا؛ لیکن زمانۂ مابعد میں یہ ایک فتنہ کی صورت میں ابھرا، اور عرب سے لے کر برصغیر تک کو اپنی زد میں لے لیا، ہر دور کے علماء اہل سنت نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا، ڈاکٹر صاحب نے بھی اس باب میں منکرین حدیث کے دلائل وشبہات کا بالاستیعاب اور مدلل جائزہ لیا ہے، اور جدید وقدیم تمام بحثوں کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمیٹا ہے۔

☆ باب دوم میں عرب جاہلیت کی تہذیبی وتعلیمی صورت حال، اسلام کی آمد کے بعد کی تبدیلیاں، تعلیم وکتابت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی مساعی جمیلہ، مکی اور مدنی زندگی کی تفصیلات وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، ظاہر ہے کہ جس معاشرہ کی سرشت میں لکھنے پڑھنے کا ذوق شامل ہو اس کے بارے میں یہ خیال کس قدر احمقانہ ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی حفاظت کا اہتمام نہیں کیا؟

☆ باب سوم میں کتابت حدیث سے متعلق بعض روایات، یا بعض صحابہ کے طرز عمل کی تشریح وتوجیہ پیش کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ اس کا مقصد حدیث کی کتابت وتدوین سے روکنا نہیں؛ بلکہ قرآن وحدیث کے درمیان خط امتیاز کھینچنا اور ان کے حدود کا تحفظ کرنا تھا، کئی مثالوں سے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

☆ باب چہارم میں حفظ حدیث اور کتابت حدیث کے سلسلے میں عہد نبوی سے دوسری صدی ہجری تک کی مساعی جمیلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور تقریبا پچاس (۵۰) صحابہ کا ذکر نام بنام کیا گیا ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی احادیث لکھ کر محفوظ کی تھیں، اور کئی حضرات نے کتابی مجموعے اور صحیفے بھی تیار کئے تھے۔

اور یہی تسلسل عہد تابعین اور تبع تابعین تک پہنچا، ڈاکٹر صاحب نے معتبر حوالوں کے ساتھ تقریباً چارسو (۴۰۰) تابعین اور کچھ تبع تابعین کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، جنہوں نے تدوین حدیث کے باب میں تاریخ کے صفحات پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ تقریباً ڈھائی سو (۲۵۰) صفحات میں یہ بحث پھیلی ہوئی ہے، مصنف نے ان صفحات میں ہزاروں صفحات کا عطر نچوڑ کر رکھ دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ

اتنی تفصیل اور استناد کے ساتھ شاید کسی اور جگہ یہ مباحث نہ مل سکیں گے۔

☆ باب پنجم قرن اول و دوم میں حدیث کی تدریس و مذاکرہ سے متعلق ہے، صحابۂ کرام اور تابعین میں درس حدیث کے تعلق سے جو گرمجوشی پائی جاتی تھی، اس دور میں حدیث کی تدریس و کتابت کے جو مختلف طریقے وجود میں آئے، اور مدارس قائم ہوئے، اس دور کے مدارس میں طلبۂ حدیث کی تعداد اور عمریں کیا تھیں؟ وغیرہ یہ تمام چیزیں تحقیق اور تفصیل کے ساتھ اس باب میں موجود ہیں۔

☆ باب ششم میں حدیث کے موضوع پر قرون اولیٰ میں جو تصنیفی کام ہوئے ان کا تفصیلی ذکر ہے، اور اس ضمن میں بہت سی دیگر قیمتی معلومات بھی جمع ہوگئی ہیں۔

☆ باب ہفتم میں سلسلۂ سند کی ابتدا اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات و جوابات اور دیگر متعلقات سے بحث کی گئی ہے۔

☆ باب ہشتم میں احادیث کی صحت و تدوین پر مستشرقین بالخصوص پروفیسر شاخت کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں، اور پوری دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔

☆ باب نہم میں دوسری صدی کے بارہ (۱۲) قدیم ترین حدیثی مجموعوں کا ذکر ہے، جن میں ایک ہزار (۱۰۰۰) سے زائد حدیثیں موجود تھیں، غالباً ان کی فوٹو کاپیاں بھی مصنف کے پاس موجود تھیں، ان میں سے ایک نسخہ **نسخة سهيل بن أبي صالح (١٣٨هـ) عن أبيه عن أبي هريرة** تحقیق کے بعد شامل کتاب ہے۔

کتاب کے آخر میں دو ضمیمے بھی ہیں جن میں طریق روایت "اخبرنا" یا "حدثنا" وغیرہ کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے، اور بعض کتب احادیث میں حدیثوں کی تعداد وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

غرض شیخ نے زندگی کا ایک ایک لمحہ علم دین اور علم حدیث کے لئے نچوڑ کر رکھ دیا............لیکن ان تمام فضائل و کمالات کے باوجود وہ سراپا انکسار تھے، ہمیشہ اپنی زمین سے پیوستہ رہے، عین اس مجلس میں بھی جس میں آپ کو ''کنگ فیصل ایوارڈ'' سے سرفراز کیا گیا، اپنی مادر علمی دارالعلوم دیوبند یا دارالعلوم مئو کا ذکر کرنا نہ بھولے، اپنی تقریر میں ان دونوں اداروں کو فرزندانہ خراج عقیدت پیش کیا......وہ اس حقیقت کو پاچکے تھے کہ ع :

پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ

ان کی ولادت ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۰ء کو مئو میں ہوئی، دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں فارغ ہوئے، ۱۹۸۰ء میں کنگ فیصل ایوارڈ ملا، ۱۹۸۱ء میں سعودی شہریت حاصل ہوئی، اور عمر عزیز کی ستاسی (۸۷) بہاریں دیکھنے کے بعد بروز بدھ ۲۰/دسمبر ۲۰۱۷ء کو صحبت یار آخر شد۔ إنا لله وإنا إليه راجعون... ع :

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۞ ۞ ۞

---

(۱) ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے اس احساس کا اظہار "كتاب التمييز للإمام مسلم" کے مقدمہ میں بھی کیا ہے کہ: بسا اوقات ہم کسی مخطوطہ کو گم شدہ تصور کر لیتے ہیں، جب کہ وہ بعد والوں کی محنت سے دریافت ہوجاتا ہے، اسی طرح کبھی بزرگوں کے مقابلے میں جوانوں کی محنت زیادہ وقیع ثابت ہوتی ہے، اور کسی مخصوص میدان میں بعد کے لوگ سابقین پر سبقت لے جاتے ہیں:

"ومن جهة أخرى تكتشف مخطوطات جديدة كان يظن أنها مفقودة فأصبحت مكتبة السنة النبوية بكثير مما كانت عليه قبل قرن أو قرنين من الزمان وأصبح الاعتناء بها أفضل مما كان من قبل.....في هذه النهضة قد ساهم ويساهم الشباب والشيوخ....." (مقدمة كتاب التمييز ص: ٥ طبع أول ١٣٩٥هـ)

......☆......

قرآن کریم پر مستشرقین کے اعتراضات اور ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کا مدلل جواب

مولانا ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی، مدیر ''المآثر'' (سہ ماہی) مرقاۃ العلوم، مئو

زیر نظر مقالہ، یک روزہ سمینار بعنوان ''ڈاکٹر مولانا محمد مصطفیٰ الاعظمی: حیات وخدمات'' منعقدہ ۱۸/ مارچ ۲۰۱۸ء، بہ مقام: تعلیم الدین نسواں ڈگری کالج، پہاڑ پورہ، مئو وزیر اہتمام انجمن طلبۂ قدیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر شاخ مئو، میں مقالہ نگار کے ذریعہ پیش کیا گیا، افادہ عامہ کی غرض سے شائع کیا جا رہا ہے۔...(نائب مدیر)

الحمد لله وحده والصلاة والسلام علیٰ من لانبي بعده!

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

جب سے دین اسلام کے آفتاب عالم تاب کی شعائیں غار حرا سے نکل کر کرۂ ارضی پر پھیلنا شروع ہوئی ہیں، اسی وقت سے باطل پرستوں اور ظلمت وضلالت کے پرستاروں نے ہر طرح اور ہر سطح پر اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی ہے۔ آفتاب اسلام کی ضوفشاں کرنوں کو مکہ مکرمہ کی سنگلاخ وادیوں میں جن مصائب ومشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو ان سے ناواقف ہو۔ تیرہ سال کی شب وروز تکلیفوں اور اذیتوں کو سہنے کے بعد جب مسلمانوں کی مٹھی بھر اور کمزور جماعت نے اپنا گھر بار، اہل وعیال اور مولد ومسکن سب چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی، تو اگر چہ مذہب اسلام کو نسبۃً کھلی فضا میں سانس لینے کا موقع ملا؛ لیکن مخالفین نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ مدینہ میں جہاں اس کو بہت بڑی افرادی قوت انصار اور مددگار کی صورت میں نصیب ہوئی، وہیں اس کے مخالفین کی صورت میں مکہ کے

دیرینہ دشمنوں کے علاوہ نئے دشمنوں کا اضافہ بھی ہو گیا۔ یہ مدینہ اور اس کے آس پاس پھیلے ہوئے یہودیوں کے وہ قبائل تھے، جن کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے مدینہ آنے کے بعد اپنے سماجی تسلط، بالادستی اور سوشل اسٹیٹس پر خطرات کے بادل منڈلاتے ہوئے نظر آنے لگے۔ ہجرت کے بعد مکہ والوں کی ایذا رسانی جہاں منظّم عسکری حملوں میں تبدیل ہو گئی، وہیں مدینہ کے یہودیوں نے اسلام کے خلاف الگ محاذ کھول دیا۔ کفر وشرک کی طاغوتی طاقتیں تو چند برسوں کے اندر ہی اندر پورے جزیرۃ العرب میں سرنگوں ہو کر رہ گئیں؛ لیکن یہود ونصاریٰ کا مخاصمانہ رویہ ہمیشہ بڑھتا ہی رہا اور مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ الگ الگ شکلوں میں ظہور پذیر ہوتا رہا۔

تمام اسلامی ادوار میں عہد فاروقی کے بعد اُموی عہد حکومت اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس میں اسلامی قلم رو میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور دور دراز کے علاقے اور خطے اسلامی پرچم کے زیرنگیں آئے۔ اُموی دور حکومت ہی میں پہلی صدی ہجری کا خاتمہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اسلام کی کرنیں صحرائے عرب کو پار کر کے مشرقی یورپ کے سبزہ زاروں پر عکس انداز ہونے لگی تھیں۔ اندلس میں- جو اب دنیا کے نقشے پر اسپین کے نام سے مشہور ہے-مسلمانوں نے نہایت شاندار اور اعلیٰ معیار کے مدارس، جامعات اور دانش گاہیں قائم کیں، اور اس کے چپے چپے کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم وفن کی روشنی سے روشناس کرایا۔ مسلمانوں کی ان تعلیم گاہوں میں دین ومذہب کی کوئی قید نہیں تھی، ان کے دروازے ہر وارد وصادر کے لیے یکساں طور سے کھلے رہتے تھے، اور جس طرح اسلام کے ماننے والے ان سے فیض یاب ہوتے تھے، اسی طرح دوسرے مذہب کے لوگ بھی فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ ان درسگاہوں سے استفادہ کرنے والوں میں ایک طبقہ ان عیسائیوں کا بھی تھا جو وہاں پہلے سے آباد تھے۔ انہوں نے مسلمانوں سے علم وفن کی دولت حاصل کی اور رفتہ رفتہ اپنے خود مختار ادارے قائم کرنا شروع کیے، اور ان کے اندر ایسی پود تیار کرنے لگے جو اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہو سکے۔ اہل یورپ کا اسلام کے خلاف معاندانہ اور حاسدانہ رویہ روز بروز بڑھتا گیا، اور بعد کی صلیبی جنگوں نے ان کی آتش حسد پر تیل ڈالنے کا کام کیا۔

جب یورپ کی سامراج پسند طاقتوں نے ایشیائی اور افریقی ممالک پر اقتدار کے پنجے دھنسانا شروع کیے، تو اسلام کے زیرنگیں علاقوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے ان کی فوجوں کے ساتھ جس طرح جنگی

ساز وسامان ہوا کرتے تھے، اسی طرح مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی عقائد وتعلیمات کے سلسلے میں شکوک وشبہات کا زہر انجیکٹ کرنے کے لیے ان کے ہم رکاب کلیسا یا ان کے ماتحت اداروں میں تربیت پانے والے ایسے راہب، پادری یا عیسائی علماء بھی ہوتے تھے، جو اپنی در پردہ سازشوں اور اسلام مخالف افکار وخیالات سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ یہیں سے مستشرقین کی سرگرمیاں بڑھنا شروع ہوئیں، اور انہوں نے وسیع پیمانے پر اسلام کے خلاف تہذیبی اور ثقافتی جدوجہد شروع کی اور اس کے خلاف زہر افشانی کو اپنا مقصد زندگی بنالیا۔ قرآن کریم، احادیث نبویہ، آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ زندگی اور سیرت، صحابۂ کرام بالخصوص ازواج مطہرات اور ان میں بطور خاص اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بے داغ کیریکٹر، اور دیگر اسلامی تعلیمات پر ناپاک وناروا حملے کیے۔ اُنیسویں اور بیسویں صدی میں یورپ کی دانش گاہوں میں بہت بڑی تعداد میں ایسے لوگوں کی کھیپ تیار ہوئی جنہوں خاص مقاصد کے پیش نظر اسلام اور اس کی تعلیمات کا مطالعہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس انبوہ میں کچھ ایسے افراد بھی تھے، جنہوں نے نیک نیتی، وسیع الظرفی اور کشادہ دلی کے ساتھ اسلامی علوم کی خدمت انجام دی، اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو اللہ رب العزت نے اپنے فضل سے قبول اسلام کی بیش بہا نعمت سے مشرف فرمایا؛ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان یورپین اسکالروں میں بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو اسلام کا مطالعہ منفی نقطۂ نظر سے اور محض اس پر اعتراض اور بہتان وافترا کے لیے کیا کرتے تھے۔ اس کے پس پردہ جہاں ان کا جذبۂ بغض وحسد کارفرما تھا، وہیں ان کا اہم مقصد مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ اور اسلامی تعلیمات سے منحرف کرنا تھا، چنانچہ ان کے بے جا اعتراضات سے متاثر ہوکر تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ان کے دام فریب کا شکار ہوگیا اور مصر سے لے کر برصغیر تک کے بعض روشن خیال لوگوں نے یا تو اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر شک کرنا شروع کیا، یا ان کا انکار کرنے لگے۔ ان میں سب سے خطرناک اور تباہ کن رجحان جو بہت بڑا فتنہ بن کر سامنے آیا وہ انکار حدیث کا فتنہ تھا، جس کا عالم عرب سے لے کر انڈو پاک تک ہمارے علماء نے زبردست مقابلہ کیا، اور انکار حدیث کے اسباب ومحرکات کے تاروپود بکھیر کر رکھ دیے۔ انہوں نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے بروقت جو قدم اٹھایا اس نے اس غبارے کی ہوا نکال کر رکھ دی۔ ویسے تو بہت سے اہل علم نے اس موضوع پر کتابیں لکھ کر کے

اِحقاقِ حق اور اِبطال باطل کا فریضہ انجام دیا ہے؛ لیکن اس فہرست میں کچھ نام بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سرفہرست محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نوراللہ مرقدہ کا اسم گرامی ہے، جنہوں نے نہ صرف منکرین حدیث کے جواب میں ''نصرۃ الحدیث'' لکھ کر ان کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کے پرخچے اُڑا دیے، بلکہ انہوں نے مئو جیسے دور افتادہ مقام کے خام سفالہ پوش مکان کے ایک گوشے میں بیٹھ کر صحاح ستہ سے پہلے تصنیف کیے جانے والے متعدد دواوین حدیث کو دریافت کر کے ان کو ایڈیٹ کیا، جن کی اشاعت سے جہاں ایک طرف حدیث شریف کا ایک نایاب ذخیرہ اہل علم کی نگاہوں کے سامنے آ گیا، وہیں صحاح ستہ اور ان جیسی کتابوں کے مصنفین پر اعتراض کرنے والوں کا مثبت جواب بھی ہو گیا کہ کتب ستہ کے مصنفین پر وضع حدیث کا جو الزام ان معترضین کی طرف سے لگایا جاتا ہے، ان میں سے بیشتر روایتیں حدیث کی ان کتابوں میں موجود ہیں، جو کتب ستہ سے پہلے معرض وجود میں آ چکی تھیں۔

اس میدان میں ثابت قدمی کے ساتھ دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنے والوں میں اِس دور کی ایک عظیم اور قد آور شخصیت ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی علیہ الرحمہ کی ہے، جنہوں نے قدیم اسلامی تعلیم سے آراستہ ہونے کے ساتھ مستشرقین کے جدید انداز سے بھی ان ہی کی دانش گاہوں میں رہ کر واقفیت حاصل کی، پوری دقت نظر، باریک بینی، اور بیدار مغزی کے ساتھ ان کے متعصّبانہ لٹریچر کا مطالعہ کیا، اس کی گہرائی اور تہ تک پہنچ کر اس کا ناقدانہ جائزہ لیا، اور پھر ان ہی کی زبان اور انداز میں ان کے اعتراضات کا جواب دیا۔ انہوں نے حجیت حدیث پر وارد ہونے والے اعتراضات کا رد انگریزی زبان میں مرتبہ اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے میں عالمانہ ومحققانہ انداز واُسلوب میں کیا۔ اسی طرح اپنے متعدد مقالات اور تصانیف میں اسلامی تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر مستشرقین کی طرف سے کی جانے والی بکواس اور ہفوات کو اپنی علمی اور تحقیقی بحثوں سے تارِ عنکبوت کی طرح کمزور اور ناپائدار ثابت کر کے دکھا دیا، اور یہ ثابت کر دیا کہ مغرب کے نام نہاد دانشوروں کی طرف سے اسلام اور تعلیماتِ اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات ان کی کم فہمی، کج بحثی اور بے بصیرتی کا نمونہ ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں۔

مستشرقین کی جانب سے احادیث نبویہ مبارکہ پر کیے جانے والے اعتراضات کے علاوہ ایک اہم

اعتراض قرآن کریم کی اصلیت اور اس کے اصلی حالت پر باقی رہنے پر ہے۔اس پر اعتراضات بھی تقریباً اسی نوعیت کے ہیں جو احادیث نبویہ پر وارد کیے جاتے ہیں، اور اس کی جمع وترتیب کی مسلّمہ تاریخ پر شکوک وشبہات کے کیچڑ اچھالے جاتے ہیں۔مغربی دنیا کے ان بے بنیاد شبہات کے رد و ابطال کے لیے ڈاکٹر صاحب نے دو معرکۃ الآرا کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن کو ان کے تمام علمی کارناموں کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔یہ دونوں کتابیں انگریزی میں ہیں، ایک کا نام : "The History of the Quranic Text : From Revelation to Compilation" ہے، اور دوسری کا نام "Agless Quran - Timeless Text" ہے۔اول الذکر کتاب پہلی بار تقریباً پندرہ سال قبل ۲۰۰۳ء میں یو کے اسلامک اکیڈمی (UK Islamic Academy) سے اور دوبارہ ۲۰۰۸ء میں ریاض سے شائع ہوئی تھی۔اور دوسری کتاب ابھی گذشتہ دسمبر ۲۰۱۷ء میں ترکی میں طبع ہوئی ہے، مگر افسوس ہے کہ اس کے منظر عام پر آنے سے پہلے ڈاکٹر صاحب کا وقت موعود آپہنچا اور وہ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔

اس مختصر مضمون میں نہ ان کی کتابوں کا تعارف کرایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس وقت اتنی فرصت میسر ہے جو اس کے لیے درکار ہے۔راقم السطور نے ان کی کتاب "The History of the Quranic Text" کی ورق گردانی کرتے ہوئے اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کی جو کوشش کی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کے دیباچہ کے بعد شروع کے ۲۴۶ رصفحات میں قرآن کریم کا منزل من اللہ ہونا، بعینہ اسی زبان اور انہی الفاظ میں اس کا بالکل ویسا ہی محفوظ ہونا جیسا وہ تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا، اس میں کسی قسم کی تحریف، جعل سازی، ردو بدل اور خلل اندازی کی گنجائش نہ ہونا، زمانۂ نزول سے لے کر زمانۂ جمع وترتیب تک اس کا سینوں میں محفوظ ہونے کے علاوہ کتابت شدہ حالت میں بغیر کسی تبدیل وترمیم کے باقی رہنا، اور اس وقت سے لے کر آج تک ایک نقطے کی کمی بیشی کے بغیر اپنی اصلی حالت پر موجود رہنا، یہ وہ حقائق ہیں، جن کا انکار کوئی شپرہ چشم ہی کر سکتا ہے۔ان صفحات میں آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی میں قرآن کریم کی کتابت اور حفاظت وصیانت سے لے کر مدنی زندگی میں اس کا متعدد صحابۂ کرام کے ذریعہ لکھ کر محفوظ رکھنا، اس کی حفاظت کے لیے آنحضرت ﷺ کا متعدد صحابہ کو کتابت کے لیے مامور کرنا، عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں اس کی حفاظت کے لیے نہایت اہتمام کے ساتھ اقدامات کرنا،

ان سب باتوں کو مستند تاریخی بیانات کے ساتھ مدلل طریقے سے ثابت کرنے کے علاوہ مختلف خط میں موجود قدیم ترین قلمی اجزا کی تصویریں اور بہت سے تاریخی کتبات کے نمونے بھی ڈاکٹر صاحب نے پیش کیے ہیں، جن سے قرآن کریم کے ناقابل ترمیم وتحریف ثابت ہونے کے علاوہ معارضین کے شکوک وشبہات کا ازالہ ودفعیہ بھی ہوتا ہے۔

اس کے بعد تقریباً ۹۰ رصفحات میں ڈاکٹر صاحب نے عہد نامۂ عتیق وعہد نامہ جدید یعنی توریت اور انجیل پر- جس پر مستشرقین کا ایمان وعقیدہ ہے- تاریخی اعتبار سے نگاہ ڈالی ہے، حالانکہ یہ کتابیں جن پیغمبروں پر نازل ہوئی ہیں ان کے ہزاروں سال بعد قید تحریر میں آئی ہیں، جس وقت وہ مرتب یا مدون ہوئی ہیں اس وقت ان کا کوئی معتبر اور مستند ریکارڈ ان کے مرتبین کے پاس نہیں تھا۔ علمی، تحقیقی اور استنادی لحاظ سے کتاب مقدس کے یہ عہد نامے نہ کوئی وزن رکھتے ہیں اور نہ تنقید وتجزیہ کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔ ان کے غیر اصلی اور تحریف شدہ ہونے کا کوئی معقول جواب ان کے معتقدین کے پاس نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کا تحریف شدہ ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

ان مسلّمہ حقائق کے باوجود قرآن کریم کی اصلیت اور اس کے معتبر ہونے پر شک کرنے اور اس کے مقابلے میں بائبل پیش کرنے کو یورپ کے نام نہاد متعصب دانشوروں کا عقلی دیوالیہ پن ہی کہا جا سکتا ہے۔

شاہ فیصل ایوارڈ یافتہ

ڈاکٹر مولانا محمد مصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر خلیل الدین شجاع الدین تماندار، سابق فزیشن حرم مکی شریف مکہ مکرمہ مقیم حال انٹاریو کینیڈا

عصر حاضر میں علم حدیث کی برسہا برس خدمات انجام دینے والے، اپنے دور کے مستشرقین (Orientalists) کو حدیث کے موضوع پر مختلف اعتراضات اور غلط فہمیوں کا مدلل و منہ توڑ جواب دینے والے' جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے احادیث مبارکہ کا کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ قائم کرنے کی سعادت اللہ کے جس بندے کو حاصل ہوئی ہے اسے دنیا ''ڈاکٹر مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی اعظمی'' کے نام سے جانتی ہے۔ افسوس جن کے ساتھ اب رحمۃ اللہ علیہ کا اضافہ کرنا پڑ رہا ہے۔ آپ کا وطن مالوف مئو ناتھ بھنجن ضلع مئو، سابق ضلع اعظم گڑھ، صوبہ یوپی ہند، سن پیدائش ۱۹۳۰ سن بمطابق ۱۳۵۰ ھجری ہے، ۲۰ دسمبر ۲۰۱۷ء بمطابق ۱۴۳۹ ھجری میں تقریباً ۸۷ برس حیات مستعار گزارنے کے بعد مرحوم اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون...... دارالعلوم مئو کے ترجمان ''نوائے دارالعلوم مئو'' کے مدیر مجلہ محترم ڈاکٹر اشتیاق احمد اعظمی قاسمی مدنی دامت برکاتہم کا دعوت نامہ ناچیز کو حاصل ہوا اور یہ حکم ملا کہ اپنے جذبات و احساسات ''ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ'' کے متعلق سپرد قلم کردوں...... سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ عالم اسلام کی اس عظیم شخصیت پر کیا لکھوں؟ اللہ رب العزت کا نام لے کر قلم کو سنبھالا، ذہن میں یہ بات سمائی کہ جس شخص کی ساری زندگی علم حدیث کی خدمت میں اور قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں کے درمیاں گزری ہو، اللہ پاک کے ایسے برگزیدہ بندے کی نسبت پر چند کلمات ضبط تحریر میں لانا یقیناً سعادت مندی کی گویا ایک علامت ہے۔ موصوف کی بنیادی تعلیم دارالعلوم مئو یوپی سے ہوئی۔ جس کے فارغین میں ایک سے بڑھ کر ایک آفتاب و ماہتاب موجود ہیں۔ اور جن پر اللہ رب العزت کا خصوصی فضل و کرم رہا ہے۔ چند نام آپ بھی

ملاحظہ فرمائیں: مثلاً اپنے وقت کے محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)، ڈاکٹر مشیر الحقؒ (سابق وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی) اور موجودہ مہتمم دارالعلوم دیوبند، محترم مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم وغیرہ شامل ہیں...... ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ نے ۱۹۵۲ء میں ہندوستان میں ۱۵۰ سالہ قدیم دانش گاہ دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی، اکتسابِ علم کی نیت سے دنیا کی ہزار برس سے زیادہ قدیم یونیورسٹی جامعہ الازہر، قاہرہ، مصر کا رخ کیا جہاں ۱۹۵۵ء میں کلیۃ اللغۃ العربیۃ میں ایم اے (M.A) کی تکمیل کی۔ اللہ رب العزت نے قطر میں آپ کا آب و دانہ بھیج دیا تھا، جہاں آپ نے غیر عربی داں افراد کو عربی زبان سے روشناس کیا نیز نیشنل پبلک لائبریری، قطر میں بحیثیت لائبریرین ذمہ داری کو قبول کیا۔ دریں اثناء حدیث کے موضوع اور قدیم مخطوطات (Manuscripts) پر اپنی تحقیق کا مشن جاری رکھا۔ مزید سیرابیٔ علم کی خاطر دیارِ غیر میں لندن کا سفر کیا، جہاں کیمبرج یونیورسٹی سے "Study in The Early Hadith Literature" ''دراسات في الحديث النبوي و تاريخ تدوينه'' پر انگریزی میں ۱۹۶۶ء میں PhD پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔ علم حدیث کی خدمات کے مشن کو آپ نے اپنا ایک نصب العین بنا رکھا تھا اور اسی نسبت پر ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۳ء تک جامعہ اُم القریٰ مکہ مکرمہ میں اُصول حدیث کے استاذ کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں، بعد ازاں ۱۹۷۳ء تا ۱۹۹۱ء میں ریٹائرڈ ہونے تک آپ جامعہ ملک سعود، ریاض (King Saud University) میں کلیۃ التربیہ میں پروفیسر اور ڈین آف فیکلٹی کی حیثیت سے بھی اس اہم منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۸۰ء میں آپ کی علم حدیث کے موضوع پر مختلف تصانیف اور خصوصی طور پر احادیث مبارکہ کے عظیم ذخیرے کو کمپیوٹرائزڈ (Computerized) کرنے کی نسبت پر، آپ کی اس عظیم دینی و اسلامی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ''شاہ فیصل فاؤنڈیشن'' سعودی عربیہ کی جانب سے آپ کو ''شاہ فیصل ایوارڈ'' سے بھی نوازا گیا۔ یہ اللہ کی جانب سے ایک انعام ہی تھا، بے شک **ذلك فضل الله يوتيه من يشاء.**

سعودی عرب میں بھی کئی اداروں سے موصوف کی وابستگی رہی۔ جہاں سیکڑوں تشنگانِ علم نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ آپ کی معروف تصنیف ''دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه'' کا

نفس مضمون یا مرکزی محور (Axis) دراصل ایک مستشرق Joseph Franz Schacht (جوزف فرانز شاخت) کے حدیث کی سندوں کے متعلق کئے گئے اعتراضات کا مدلل اور منہ توڑ جواب ہے۔ جوزف فرانز دراصل ایک برٹش - جرمن نسل کا عربی ادب اور اسلامیات کا معروف پروفیسر و مستشرق (Orientalist) تسلیم کیا جاتا ہے، جس کا دور ۱۹۰۲ء تا ۱۹۶۹ء کے درمیان کا ہے، جس نے اسلامی قوانین پر ایک تصنیف Origins of Muhammaden Jurisprudence (An Introduction to Islamic Law) بھی مرتب کی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمیؒ نے ایک اور مستشرق Ignac Goldziher اگناک گولڈزیہر کے اعتراضات کا بھی ازالہ کیا ہے۔ یہ اگناک گولڈزیہر جو دراصل ایک ہنگارین اسکالر (Hungarian Scholar) کی حیثیت سے معروف مستشرق (orientalist) مانا جاتا ہے جس کا دور ۱۸۵۰ء تا ۱۹۲۱ء کے درمیان کا ہے اور اسے یورپ میں جدید اسلامیات کے مطالعے کی بنیاد رکھنے والا یا Founder کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، ان مستشرقین کی غلط فہمیوں کے ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمیؒ نے اس قدر ٹھوس جوابات دئے ہیں جس کا اعتراف ان مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ اللہ پاک مرحوم کی اس ضمن میں تمام خدمات کو بھی قبول فرمائے اور آخرت میں سرخروئی کا ذخیرہ بنائے (آمین)

آپ کی دیگر تصانیف میں:

(1) Origins of Muhammaden Jurisprudence (An Introduction to Islamic Law)
(2) Studies in Hadith Methodology & Literature.
(3) The History of the Quranic Text, From Revelations to Completion.
(4) On Schachat's origins of Muhammaden Jurisprudence.

وغیرہ شامل ہیں۔ راقم سطور ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمیؒ پر اپنے چند منتشر خیالات کو سمیٹنے میں محو تھا کہ ہندوستان میں ممبئی کے قریب شہر بھیونڈی میں مقیم، محترم مولانا ابوظفر حسان ندوی (برادر خورد مولانا ابوالعرفان خان ندوی، سابق مہتمم دارالعلوم ندوہ العلماء لکھنو) سے ٹیلی فون پر رابطہ ہوا دوران گفتگو اس تازہ تحریر کا بھی ذکر آیا۔ راقم تحریر نے مولانا حسان صاحب سے ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمیؒ کے بارے میں دریافت

کیا کہ کیا آپ کے مرحوم سے روابط تھے؟ جس پر محترم مولانا حسان صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمیؒ ایک غیر معمولی شریف النفس انسان تھے، وہ بہت سخت محنت کے عادی تھے، ملت اسلامیہ میں وہ انتہائی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اہل علم ان کا احترام کرتے تھے، امام حرم کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ وہ انتہائی دیندار شخص تھے ان کی اہلیہ محترمہ لندن جیسے علاقے میں بھی ہمیشہ برقعہ میں رہیں، آپ نے مزید فرمایا کہ یہ کوئی پچاس-پچپن برس قبل کی بات ہے، ہمارا طالب علمی کا زمانہ رہا ہوگا ہم لوگوں نے ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کے بارے میں یہ واقعہ سنا تھا کہ وہ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ لندن کی ایک شاہراہ سے گزر رہے تھے کہ اچانک سگنل آن ہو گیا۔ ٹریفک پولس نے دیکھا کہ ایک باریش بزدگ مع اپنی برقعہ پوش بیگم کے ساتھ راستے کے بیچ میں موجود ہے اس ٹریفک پولس نے شاہراہ کے دونوں جانب کی تمام ٹریفک کو رکوا دیا اور ماشاءاللہ، اللہ کے ان صالح بندوں نے اطمینان سے اپنا راستہ طے کیا، جس کسی کو بھی اس واقعہ کا علم ہوا اس نے حیرت کا اظہار کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ کس طرح اللہ پاک اپنے نیک وصالح بندوں کی مدد و نصرت فرماتا ہے۔

آخر میں بارگاہ رب العزت میں دعاء ہے کہ اے باری تعالیٰ علم حدیث کی خدمات انجام دینے والے مرحوم ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمیؒ پر اپنا خصوصی فضل و کرم فرما، ان کی اعلیٰ صفات اور دین سے محبت کے جذبات کو ملت اسلامیہ کی نسلوں میں منتقل فرما، اور دین پر چلنا ہم سب کے لئے آسان فرما۔ (آمین)

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

۞ ۞ ۞
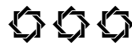
ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کی مخطوطۂ احادیث پر تحقیق وتعلیق

مولانا خورشید احمد اعظمی، تعلیم الدین مئو

زیرِ نظر مقالہ، یک روزہ سمینار بعنوان ''ڈاکٹر مولانا محمد مصطفیٰ الاعظمی: حیات وخدمات'' منعقدہ ۱۸/ مارچ ۲۰۱۸ء، بہ مقام: تعلیم الدین نسواں ڈگری کالج، پہاڑ پورہ، مئو وزیر اہتمام انجمن طلبۂ قدیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر شاخ مئو، میں مقالہ نگار کے ذریعہ پیش کیا گیا، افادہ عامہ کی غرض سے شائع کیا جا رہا ہے۔...(نائب مدیر)

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، والصلاة والسلام على من نزل عليه الذكر ليبينه للناس، وعلى آله وأصحابه الطيبين وأزواجه المطهرات.

مخطوطہ اور اس کی تحقیق وتعلیق:

مخطوطہ سے مراد کسی کتاب کا غیر مطبوعہ قلمی نسخہ ''**المخطوطة: النسخة المكتوبة باليد، المخطوط: المكتوب بالخط لا بالمطبعة، ج مخطوطات**'' (مخطوطہ یعنی ہاتھ سے لکھا ہوا غیر مطبوعہ نسخہ، اس کی جمع مخطوطات آتی ہے)، (المعجم الوسيط) اور تحقیق عبارت ہے اثبات وتصدیق سے، ''**حقق الأمر: أثبته وصدقه**'' (کسی شئے کی تحقیق کیا یعنی اس کو ثابت کیا اور اس کی تصدیق کیا) یعنی کسی مخطوطہ کے بارے میں اس کے عنوان اور مصنف کی تعیین، مصنف کی طرف اس کی نسبت کی صحت، اور اس کی تاریخ نسخ وکتابت، اور ناسخ کی تعیین کا ثبوت فراہم کرنا، نیز اس کتاب کے دیگر موجود مخطوطات سے مقابلہ کو تحقیق سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اس مخطوطہ کے مشتملات کی تصحیح یا اغلاط کی اصلاح، نقص کی تکمیل، زائد کی وضاحت یا مصنف کے کلام کی تفسیر یا نقد اور اپنی رائے کا اظہار تعلیق کہا جاتا ہے، ''**علق الشيء بالشيء وعليه: وضعه عليه، وعلق على كلام غيره: تعقبه بنقد أو بيان أو تكميل أو تصحيح أو استنباط**'' (کسی کے کلام پر تعلیق کیا، یعنی اس پر نقد کیا، یا اس کی وضاحت کی یا

اس کو مکمل کیا یا اس کی تصحیح کی یا اس سے استنباط کیا) (المعجم الوسیط).

احادیث رسول ﷺ کی جمع وتدوین اور تالیف وتصنیف:

احادیث رسول ﷺ کی جمع وتالیف اور کتابت کا آغاز تو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہی ہو چکا تھا، جس کا آپ ﷺ کو علم بھی تھا، بلکہ آپ ﷺ سے اس کی اجازت بھی حاصل تھی، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ احادیث رسول ﷺ کو یاد رکھنے کے لئے لکھتے تھے، کچھ لوگوں نے انھیں منع کیا، کہ رسول اللہ بھی ایک انسان ہیں، کبھی آپ غصہ کی حالت میں بھی کچھ باتیں کہتے ہیں، اور آپ سبھی لکھ لیتے ہیں، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی اس بات کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''**اكتب فو الذي نفسي بيده ماخرج منه إلا حق**'' لکھا کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے حق ہی نکلتا ہے (سنن الدارمي : ١ / ١٢٥) اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے لکھنے کی شہادت ملتی ہے، فرماتے ہیں: ''**ما من أصحاب النبي ﷺ أحد أكثر حديثا عنه مني إلا ما كان من عبد الله بن عمرو، فإنه كان يكتب ولا أكتب**'' رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ حدیث والا کوئی نہیں ہے سوائے عبداللہ بن عمرو کے، کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا (صحيح البخاري مع الفتح : ١ / ٢٠٦ حديث :١١٣)، اور عہد صحابہ میں ان کے علاوہ دیگر متعدد صحابۂ کرام کا ذکر ملتا ہے، جنھوں نے حدیثیں لکھنے کا اہتمام کیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''**دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه**'' از ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی :۱/۹۲)

جمع وتدوین حدیث کا یہ سلسلہ مزید آگے بڑھا، اور عہد صحابہ کے اختتام سے پہلے ہی امیر مصر عبد العزیز بن مروان اموی نے اپنے دور امارت (۶۵-۸۵ھ) میں کثیر بن مرہ الحضرمی کو صحابہ کرام سے اپنی مسموعات کو جمع کرنے کا حکم فرمایا: ''**فكتب إليه أن يكتب إليه بما سمع من أصحاب رسول الله ﷺ من أحاديثهم إلا حديث أبي هريرة رضي الله عنه فإنه عندنا**'' انھوں نے ان کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے سنی ہوئی احادیث لکھ کر مجھے ارسال کریں سوائے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کے، کیونکہ وہ ہمارے پاس موجود ہیں، (السنة قبل التدوين : ص٣٧٣ ، از طبقات بن سعد) اس

کے بعد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں سرکاری طور پر ہر جہت میں محدثین و علماء کو یہ حکم نافذ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو کتابی شکل میں جمع کیا جائے "کتب عمر بن عبد العزيز إلى الآفاق :انظروا حديث رسول الله ﷺ فاجمعوه" عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جمیع اطراف میں (اپنے حکام کو) یہ حکم نامہ ارسال فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کرو (فتح الباري: ۱/ ۱۹۵) اور اس کی تعمیل بھی ہوئی، جیسا کہ ابن شہاب امام زہری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "أمرنا عمر بن عبد العزيز بجمع السنن، فكتبناها دفترا دفترا، فبعث إلى كل أرض له عليها سلطان دفترا" عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہم کو احادیث نبویہ کے جمع کرنے کا حکم فرمایا، اور ہم نے اسے دفاتر (رجسٹروں) میں لکھ کر انھیں ارسال کیا اور انھوں نے ہر اس علاقہ میں جہاں ان کی سلطنت تھی اس کی ایک ایک کاپی روانہ کی، (جامع بيان العلم و فضله:) چنانچہ احادیث رسول ﷺ کی تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ اپنے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے تیسری صدی ہجری میں اپنے عروج کو پہونچا، جس میں کتب حدیث کی متعدد انواع واقسام - جوامع، سنن، مسانید، صحاح وغیرہ وجود میں آئیں۔

کتب احادیث اور مخطوطات کے انکشاف، اور ان پر عمل تحقیق و تعلیق کا فائدہ:

مذکورہ گزشتہ ادوار میں لکھی گئی کتب حدیث میں سے بیشتر مخطوطات کی شکل میں دنیا کے متعدد کتب خانوں میں محفوظ ہیں، جنکی تلاش و جستجو اور تحقیق جوئے شیر لانے کے مرادف ہے، اور مخطوطات کی تحقیق و تالیف اس لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس سے مطبوعہ کتب میں مذکور احادیث کی رسول اللہ ﷺ کی جانب نسبت کو تائید و تقویت ملتی ہے، چنانچہ بعد کے ادوار میں علوم حدیث سے شغف رکھنے والے متعدد علماء ماہرین نے اس راہ سے احادیث نبویہ کی خدمت انجام دی ہے جن کی فہرست میں ایک نیک نام ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کا بھی ہے۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی:

مشرقی یوپی کا وہ حصہ جو کبھی شیراز ہند سے معروف رہا ہے اور جس کے ایک خطہ کا تعارف، عظیم شاعر اور پیشہ سے کامیاب وکیل اقبال سہیل نے ان الفاظ میں کرایا ہے کہ ع:

جو ذرّہ یہاں سے اُٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

اسی خطہ کا ایک چھوٹا سا قصبہ مئوناتھ بھنجن رہا ہے جو اب ایک چھوٹا سا شہر اور ضلع بن چکا ہے، اس کی خاک سے علوم و ثقافت کے آسمان پر متعدد نیر اعظم ظہور پذیر ہوئے، جن میں سے ایک ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کی شخصیت ہے، انھوں نے اپنا علمی سفر وطن کے معروف ادارہ مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم مئو سے شروع کیا، نامساعد حالات کے باوجود آگے بڑھنے کا حوصلہ مہمیز بنا، دارالعلوم دیوبند سے (۱۳۷۲ھ-۱۹۵۲ء) فراغت کے بعد جامعہ ازہر مصر (شہادۃ العالمیۃ ۱۹۵۵ء) پہونچے، اسی باعث شہر میں ''مصطفیٰ مصری'' کے نام سے معروف ہوئے۔

جامع ازہر سے وطن واپسی کے کچھ ہی دنوں بعد ۱۹۵۵ء میں ہی قطر کا سفر ہوا جہاں سے انکی تدریسی خدمات کا آغاز ہوا اور یہیں قیام کے دوران ۱۹۶۴ء میں بریطانیا کا سفر کیا اور کیمبرج یونیورسٹی سے ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹریٹ کیا، ۱۹۶۸ء میں سعودیہ عربیہ منتقل ہوئے اور پھر وہیں کی شہریت اپنالی، علوم حدیث میں متعدد کتابوں کی تصنیف اور مخطوطات حدیث کی تحقیق وتعلیق سے مکتبات علمیہ کو معمور کیا، ان کا منصوبہ یہ بھی تھا کہ احادیث نبویہ کو کمپیوٹرائز کر کے سہل الحصول بنایا جائے، جس پر انھوں نے کام بھی شروع کیا لیکن بعض رفقاء کار کی ناسپاسی اور طوطا چشمی کے سبب یہ کام پایۂ تکمیل تک نہ پہونچ سکا، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے جن مخطوطات حدیث پر تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے ان کی فہرست یہ ہے:

۱- صحیح ابن خزیمہ، ۲- کتاب التمییز للامام مسلم، ۳- کتاب العلل لابن المدینی، ۴- السنن الکبری للامام النسائی، ۵- مغازی رسول ﷺ لعروۃ بن الزبیر بروایۃ الاسود، ۶- مخطوط صحیح البخاری بخط النویری، ۷- کتاب سنن ابن ماجہ، ۸- موطا الامام مالک بروایۃ اللیثی.

ان میں جو کتابیں راقم السطور کو بسہولت فراہم ہوسکیں ان کے متعلق چند سطریں حاضر خدمت ہیں:

۱ - صحیح ابن خزیمہ:

صحیح، اس کی جمع صحاح استعمال ہوتی ہے، علوم حدیث کی ایک اصطلاح ہے، اس سے مراد وہ حدیث ہوتی ہے جس کی سند ثقہ اور معتبر راویوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ تک متصل ہو نیز وہ حدیث شاذ اور معلول نہ ہو۔

نیز یہ کتب حدیث کی بھی ایک اصطلاح ہے جو یہاں مقصود ہے، اس سے مراد احادیث رسول ﷺ کی

وہ کتابیں ہیں جن کے مؤلفین نے ان میں اپنی شرطوں پر صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام کیا ہے، ضروری نہیں ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک بھی وہ صحیح ہوں۔

صحیح ابن خزیمہ، اس کے مؤلف امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمۃ نیشاپوری ہیں، جن کی ولادت صفر ۲۲۳ھ اور وفات ذو القعدۃ ۳۱۱ ھ ہے، یہ کتاب صحیح ابن خزیمۃ کے نام سے ساتویں صدی ھجری میں معروف ہوئی، چنانچہ حافظ منذری (۶۵۶ ھ)، دمیاطی (۷۰۵ ھ)، اور زیلعی (۷۶۲ ھ) نے اس کو صحیح ابن خزیمۃ کے نام سے ذکر کیا ہے، جبکہ اس سے پہلے اس کتاب کا ذکر'' **مختصر المختصر من المسند الصحيح عن النبي ﷺ** '' کے نام سے ملتا ہے، اور خود امام ابن خزیمۃ علیہ الرحمۃ نے بھی اس کتاب کا تذکرہ اسی نام سے کیا ہے۔ (مقدمه تحقيق صحيح ابن خزيمة : ص ١٦)

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی علیہ الرحمۃ نے صحیح ابن خزیمہؒ کا مخطوطہ ۱۳۸۱ھ میں اپنے ترکی کے سفر میں مکتبہ احمد الثالث استنبول سے حاصل کیا، جس پر بقول ان کے شاید ابھی تک کوئی مطلع نہیں ہو پایا تھا، کتاب پر تعلیقات سے پہلے ۳۳ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں امام ابن خزیمۃ کا تعارف، ان کے علمی اسفار، شیوخ وتلامذہ، مصنفات، اور علماء میں ان کے مرتبہ ومقام کا ذکر ہے، مخطوطہ کی تاریخ کتابت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''**لم أتمكن من معرفة تاريخ النسخ لضياع الأوراق الأخيرة، كما أشرت إلى ذلك سلفا، ويبدو بمراجعة أصل المخطوطة بمكتبة أحمد الثالث بأستانبول أنها نسخت على الأغلب في نهاية القرن السادس أو بداية السابع**'' (ص: ٣١)، مؤلف کی طرف اس کی نسبت کی صحت کے متعلق لکھتے ہیں: ''**لا يوجد في بداية المخطوطة ما يشير إلى إسناد الكتاب إلى المؤلف، لكن الأسانيد تكررت في ثنايا الكتاب في مختلف الأمكنة......وإسناده هكذا : أخبرنا الشيخ الإمام أبو الحسن علي بن مسلم بدمشق، نا أبو محمد عبد العزيز بن أحمد بن محمد الكناني، قال أخبرنا الأستاذ أبو عثمان إسماعيل بن عبد الرحمن الصابوني، أخبرنا أبو طاهر محمد بن الفضل بن محمد بن إسحاق بن خزيمة، ثنا أبوبكر محمد بن إسحاق بن خزيمة**'' (ص :٢٤) پھر آگے ان رواۃ کا تعارف بھی تفصیل سے کیا ہے۔(ص:٢٧ تا ص ٣٠)

افسوس کہ احادیث رسول ﷺ کا یہ گرانقدر سرمایہ مکمل فراہم نہ ہوسکا، مذکورہ مخطوطہ کی ابتداء ''كتاب الوضوء، باب ذكر الخبر الثابت عن النبي ﷺ بأن إتمام الوضوء من الإسلام'' سے ہوتی ہے، اور اختتام ''باب إباحة العمرة قبل الحج والدليل على أن الفعلين من جنس [واحد] إذ أمر الله بهما فبدأ بذكر أحدهما في الأمر قبل الآخر أن جائزاً أن يبدأ المأمور بالفعلين بأحدهما [۱ ۰ ۳-ب] في .....'' ہوتا ہے، گویا عبادات کا حصہ بھی مکمل نہیں ہے۔

منہج تحقیق:

اس مخطوطہ پر اپنے منہج تحقیق کے بارے میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ احادیث کی تخریج میں توسع اور تفصیل سے بچتے ہوئے ضروری باتوں پر ہی اکتفا کیا ہے، چنانچہ اگر حدیث، صحیحین یا ان میں سے ایک میں مل گئی، تو صرف اسی کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے، اور اگر حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں نہیں ملی، تو پھر دیگر سنن ومسانید میں تلاش کیا ہے، اور بسا اوقات ایک ہی مرجع پر اکتفا کیا ہے، نیز اگر حدیث صحیحین کے علاوہ کی ہے تو اس پر صحیح، حسن یا ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے، اور اس کی تائید وتوثیق کے لئے شیخ ناصر الدین البانی سے نظر ثانی کرائی ہے، اور جہاں شیخ کا اختلاف ہوا اس کو بھی ذکر کیا ہے، کتابوں کے حوالہ میں انھیں رموز کا استعمال کیا ہے جو ''المعجم المفهرس لألفاظ الحديث'' میں مذکور ہیں، سوائے مسند امام احمد بن حنبل کے، کہ اس کے لئے ''حل'' کے بجائے ''حم'' کا استعمال کیا ہے۔ (ص:۳۲)

کیا صحیح ابن خزیمۃ کی تمام حدیثیں صحیح ہیں:

صحیح ابن خزیمۃ کے مرتبہ ومقام کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے ابن الصلاح علیہ الرحمۃ کا قول نقل فرمایا ہے کہ ''ويكفى مجرد كونه موجودا في كتب من اشترط منهم الصحيح فيما جمعه ككتاب ابن خزيمة'' حافظ عراقی علیہ الرحمۃ کا قول ذکر کیا ہے: ''ويوخذ الصحيح أيضا من المصنفات المختصة بجمع الصحيح فقط، كصحيح أبي بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة'' اور سیوطی علیہ الرحمۃ کا قول: ''صحيح ابن خزيمة أعلى مرتبة من صحيح ابن حبان لشدة تحريه، حتى يتوقف في التصحيح لأدنى كلام في الإسناد فيقول: ''إن صح الخبر'' أو ''إن ثبت كذا'' ونحو ذلك'' نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''ومن هنا يظهر خطأ ما

فهمه واستنتجه محقق نصب الراية للزيلعي ١: ٣١٥ إذ قال : إن صحيح ابن خزيمة ليس كالصحيحين وأبي داود والنسائي، بل دأبه كدأب الترمذي والحاكم، يتكلم على كل حديث بما يناسبه، يصححه إن رأى ذلك، وإليه الإشارة في فتح المغيث ص ١٤، وكم في كتاب ابن خزيمة أيضا من حديث محكوم منه بصحته وهو لايرتقي عن رتبة الحسن ''، محقق نصب الرایۃ کی اس غلط فہمی کا ذکر کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:''ومن الواضح أننا لانحتاج إلى إقامة برهان أو استنتاج منطقي لتفنيد هذا القول، إذ الكتاب خير دليل للرد عليه''. (ص:۲۰-۲۱)

مگر اسی مقدمہ کے ص:۲۲ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:''مرت بنا نقول من كلام المحدثين تشعر بالحكم بصحة الحديث إذا أخرجه ابن خزيمة، أما العماد بن كثير فيقول :''قد التزم ابن خزيمة وابن حبان الصحة وهما خير من المستدرك بكثير، وأنظف أسانيد ومتونا، وعلى كل حال فلابد من النظر للتمييز، وكم في كتاب ابن خزيمة من حديث محكوم منه بصحته وهو لايرتقي عن رتبة الحسن ''عماد بن کثیر کا یہ قول نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:''أقول : إن ''صحيح ابن خزيمة'' ليس كالصحيحين، بحيث يمكن القول إن كل ما فيه هو صحيح، بل فيه ما هو دون درجة الصحيح، وليس مشتملا على الأحاديث الصحيحة والحسنة فحسب، بل يشتمل على أحاديث ضعيفة أيضا''. (ص:۲۲)

عماد بن کثیر کا کلام صحیح ابن حبان پر احمد شاکر کے مقدمہ سے منقول ہے (دیکھئے ص:۲۲ حاشیہ:۱) اس میں بھی خط کشیدہ عبارت فتح المغیث سے ہی منقول ہے جیسا کہ محقق نصب الرایہ کے قول میں وہی خط کشیدہ عبارت فتح المغیث سے ہی منقول ہے، راقم السطور یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ جب صحیح ابن خزیمہ میں صحیح کے ساتھ حسن بلکہ ضعیف احادیث بھی موجود ہیں جیسا کہ مثلاً کتاب میں حدیث رقم ۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۶۲، ۳۶۹، ۳۹۰، ۹۶۸۹، ۷۷ پر لگائے گئے حکم سے واضح ہے، پھر محقق نصب الرایہ نے جو یہی نتیجہ اخذ کیا تو اسے غلط کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔

بہر کیف مخطوطہ صحیح ابن خزیمہ کی تحقیق و تعلیق اور اس کی طباعت ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کا بیش بہا

کارنامہ اور طالبان علوم حدیث پر عظیم احسان ہے جسے قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، اور مملکت سعودی عربیہ نے انکے اس کارنامہ کو سراہتے ہوئے "**جائزة الملك فيصل العالمية للدراسات الإسلامية**" سے سرفراز فرمایا۔

کتاب کی پہلی طباعت ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں المکتب الاسلامی بیروت سے چار جلدوں میں ہوئی، دوسری طباعت ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں ہوئی، تیسری طباعت ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء میں المکتب الاسلامی بیروت سے ہی بہت ساری اصلاحات کے ساتھ دو جلدوں میں ہوئی، کتاب کی چوتھی طباعت ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء کا تذکرہ عبد الماجد غوری صاحب نے اپنے مقالہ میں کیا ہے، جسمیں محقق مخطوطہ نے ناصرالدین البانی صاحب کی تعلیقات کو حذف کردیا ہے۔(**الشيخ محمد مصطفى الأعظمي ومساهماته العلمية في مجال الحديث النبوي، ص: ۲۳۷**)

۲- کتاب التمییز :

یہ مخطوطہ تیسری صدی ہجری کے نابغہ روزگار محدث امام مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری (۲۰۶-۲۶۱ھ) کی تصنیف ہے، محدثین میں امام مسلم رحمہ اللہ اور کتب حدیث میں انکی صحیح کا مقام محتاج تعارف نہیں، صحت اسناد کے اعتبار سے اگر چہ صحیح بخاری کو تمام کتب حدیث پر فوقیت حاصل ہے، مگر ترتیب وتنسیق اور فنی لحاظ سے امام مسلم کی صحیح کا جواب نہیں، مگر ہماری تاریخ کی ایک نا قابل انکار روایت رہی ہے کہ ہم کسی کی رفع منزلت کی اساس دوسرے کی تنقیص پر رکھتے ہیں، اس جلیل القدر امام ومحدث کے ساتھ بھی یہی ہوا، جیسا کہ دارقطنی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے: "**لولا البخاري لما راح مسلم ولاجاء**". (نزهة النظر) جبکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے طرز تالیف میں فرق واضح ہے، اسی طرح ابواحمد حاکم نے امام مسلم رحمہ اللہ کی کتاب "**الأسماء والكنى**" کے بارے میں کہا ہے "**ومن تأمل كتاب مسلم في الأسماء والكنى علم أنه منقول من كتاب محمد بن إسماعيل حذو القُذوة بالقذوة، حتى لايزيد عليه فيه إلا ما يسهل عده، وتجلد في نقله حق الجلادة، إذ لم ينسبه إلى قائله**" ابواحمد حاکم کا یہ کلام ہمارے محقق شیخ محمد مصطفیٰ الاعظمی نے کتاب التمییز کے مقدمہ میں الطبقات الشافعیہ الکبری کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور حاکم کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "**وكلام أبي أحمد**

الحاكم غير دقيق، وفيه تجن على الإمام مسلم، ويتضح هذا لكل من درس أو يدرس الأسماء والكنى''. (ص:۱۵۵)

مقدمہ میں محقق علیہ الرحمۃ نے امام مسلم رحمہ اللہ کی تالیفات میں اکیس (۲۱) کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب التمییز بھی ہے، مخطوطہ کی تعیین میں کہ یہ کتاب التمییز ہی ہے لکھتے ہیں: ''وأول من تحقق من اسمها – حسبما أعلم – الشيخ ناصر الدين الألباني، فقد ذكرها في فهرسته بعنوان ''التمييز'' وقد أصاب والحمد لله،''. مخطوطہ کے شروع میں کسی سند کا ذکر نہیں ہے سوائے اس عبارت کے '' قرئ على أبي حاتم مكي بن عبدان، قال سمعت مسلم بن الحجاج يقول'' اور مکی بن عبدان کے بارے میں لکھتے ہیں: ''روى عدة كتب من مؤلفات الإمام مسلم بن الحجاج القشيري رحمه الله، ومكي بن عبدان ثقة'' مزید لکھتے ہیں: ''وعلى هذا تطمئن النفس إلى صحة نسبة المخطوطة إلى مسلم رحمه الله، ولقد تأكد هذا من نقول العلماء من هذا الكتاب من ناحية، ويتبين كذلك بمقارنة أسلوب مسلم في صحيحه مع أسلوبه في كتاب التمييز من ناحية أخرى''. (ص:۱۶۱)

مخطوطہ کی تاریخ کتابت کے بارے میں محقق کا خیال یہ ہے کہ وہ چوتھی صدی ہجری میں لکھا گیا ہے لکھتے ہیں: ''لانعرف ناسخها ولاتاريخ نسخها، وذهب فؤاد سزكين إلى أنها من القرن السادس، بينما يرى الشيخ الألباني أنه من عصر المؤلف، وأنا أميل إلى أن المخطوطة الأصلية من القرن الرابع، وربما كتبت في حياة أبي حاتم مكي بن عبدان رحمه الله''. (ص:۱۶۱)

مخطوطہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''هذه المخطوطة فريدة في بابها وهي من نفائس دارالكتب الظاهرية بدمشق مسجلة تحت رقم مجموع ۱۱ (ق ۱ – ۱۵)''. لیکن مخطوطہ نامکمل ہے، ابتداء سے پہلا صفحہ اور اخیر سے بھی نامعلوم حصہ غائب ہے، ''فقد ضاعت منها الورقة الأولى وأوراق من الأخير لانعلم قدرها''. (ص:۱۵۹)

امام مسلم رحمہ اللہ کی کتاب ''التمییز'' نیز ان کا مقدمۂ صحیح مسلم یہ دونوں کتابیں منہج نقد حدیث کی

اساسیات پر مشتمل ہیں، خاص طور سے کتاب التمییز کے مشتملات سے اندازہ ہوتا ہے کہ احادیث رسول ﷺ پر موجودہ دور میں مستشرقین وغیرہ کے اعتراضات کوئی نئے نہیں ہیں بلکہ اس قسم کے اعتراضات ابتداء سے ہی رہے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث رسول ﷺ کا بیشتر حصہ اخبار آحاد یعنی غیر متواتر ہے، اس لئے ساری کوشش اسی ذخیرہ کو مشکوک کرنے پر رہی ہے، چنانچہ کتاب التمییز کی ابتداء کرتے ہوئے امام مسلم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''**أما بعد، فإنك يرحمك الله ذكرت أن قِبلك قوما ينكرون قول القائل من أهل العلم إذا قال : هذا حديث خطأ، وهذا حديث صحيح، وفلان يخطئ في روايته حديث كذا، والصواب ما روى فلان بخلافه، وذكرت أنهم استعظموا ذلك من قول من قاله، ونسبوه إلى اغتياب الصالحين من السلف الماضين، وحتى قالوا: إن من ادعى تمييز خطأ روايتهم من صوابها متخرص بما لا علم له به ومدعٍ علم غيب لا يوصل إليه**''. ()

احادیث کی روایت میں صواب وخطا کی معرفت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''**ثم أول ما أذكر لك بعد ما وصفت، مما يجب عليك معرفته قبل ذكرى لك ما سألت من الأحاديث، السِمةَ التي تعرف بها خطأ المخطئ في الحديث وصواب غيره إذا أصاب فيه**''. اس کے بعد انھوں نے یہ بتلایا ہے کہ ناقل حدیث سے ایک غلطی تو راوی کے نام ونسب یا متن کے الفاظ میں ہوتی ہے، دوسری قسم غلطی کی یہ ہے کہ کسی استاذ کے جملہ تلامذہ کسی حدیث کے مضمون کو بالاتفاق نقل کریں، اور کوئی راوی اسی سند سے اس مضمون کے برخلاف روایت کرے، اسی نہج پر انھوں نے یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے، اور اسی مناسبت سے ہمارے محقق شیخ محمد مصطفیٰ اعظمی نے ایک بیش بہا مقدمہ ''**منهج النقد عند المحدثين نشأته و تاريخه**'' کے عنوان سے مستشرقین کے اعتراضات کے رد میں تحریر فرمایا جو ۱۳۹۵ھ میں کتاب کے ساتھ طبع ہوا، بعد میں مستقل کتاب کے طور پر بھی اس کی طباعت ہوئی۔

۳- کتاب العلل لابن المديني:

علل، علۃ کی جمع ہے، علوم حدیث میں اس سے مراد وہ مخفی عیب ہوتا ہے جو حدیث کی صحت پر اثر انداز ہوتا ہے، اس کی وجہ سے حدیث ضعیف ہوجاتی ہے، بظاہر لگتا ہے کہ حدیث اسباب قادحہ سے صاف

ہے، مگر یہ عیب ہوتا ہے، کبھی سند میں، کبھی متن میں، اور کبھی دونوں ہی میں، اس کے مخفی ہونے کے سبب ہر محدث اس پر آگاہ نہیں ہو پاتا، اس تک وہی ماہر فن پہونچ پاتا ہے جو حدیث کی اسانید وطرق سے گہری واقفیت رکھتا ہو، شیخ محمد مصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمۃ نے علل کا تعارف کراتے ہوئے ''العلل، مفهومه وأهميته وبعض ما ألف فيه'' کے عنوان سے ایک مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

زیر بحث کتاب ''العلل''، تیسری صدی ہجری کے ایک عظیم محدث علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح السعدی جو علی بن المدینی (۱۶۱-۲۳۴ھ) کے نام سے معروف ہیں انھیں کی تصنیف ہے، امام بخاری علیہ الرحمۃ کے استاذ ہیں، ان کی علمی جلالت اس پایہ کی تھی کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''ما استصغرت نفسي عند أحد إلا عند ابن المديني'' اس کتاب کے محقق شیخ محمد مصطفیٰ الاعظمی نے اپنے مقدمہ میں مصنف کتاب امام علی بن المدینی علیہ الرحمۃ کے حالات زندگی، ان کے رحلات علمیہ، شیوخ وتلامذہ، محدثین میں ان کے مقام اور ان کی ۳۱ تصانیف کا بالتفصیل ذکر کیا ہے، جن میں سے اکثر نایاب ہیں، محض چار، پانچ کتابیں دستیاب ہیں: ''قال أبو بكر: وجميع هذه الكتب قد انقرضت، ولم نقف على شيء منها إلا على أربعة أو خمسة فحسب''. (ص:۱۹)

اس کتاب کے مخطوطہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''هذه المخطوطة فريدة في بابها، وهي ضمنُ مجموعة مسجلة تحت رقم (٩٢٤) في مكتبة سلطان أحمد الثالث بإستانبول.... كما ورد ذكرها في فهرس المخطوطات المصورة بجامعة الدول العربية، المجلد الثاني رقم (٧٤٣٣)''. یہ مخطوطہ مکمل ہے اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھا یا ہے، جیسا کہ ناسخ مخطوطہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''نسخها أبو بكر علي بن إسماعيل الأنصاري سنة ٧٢٨هـ، كما هو مكتوب في نهاية الجلد''. اس مخطوطہ پر اپنے کام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''أول عمل قمت به هو دراسة إسناد النسخة إلى المؤلف لإثبات صحة نسبة هذه المخطوطة إلى ابن المديني، وكانت النتيجة مرضية''. اس مخطوطہ کا کوئی دوسرا نسخہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے نصوص کتاب کی تحقیق اور ان کی صحت پر اطمئنان کے لئے تفسیر وحدیث اور رجال کی ان کتابوں سے مراجعہ کیا گیا، جہاں ابن المدینی کے اقوال نقل کئے گئے

ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک مشکل کام ہے۔

اس مخطوطہ میں مذکور احادیث کی تخریج بھی کی ہے، یہ کام بھی مشکل تھا، اس لئے کہ عموماً ابن المدینی علیہ الرحمۃ نے حدیث کے کچھ اجزاء کے ذکر پر اکتفا کیا ہے، اور چونکہ احادیث پر صحیح وضعیف ہونے کا حکم مصنف نے خود لگایا ہے، اس لئے تحقیق میں اس کی ضرورت نہ رہی۔

علی بن المدینی رحمہ اللہ نے کتاب کی ابتدا میں ان کبار صحابہ وتابعین کا ذکر کیا ہے جن کے اقوال و فتاوی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''لم يكن في أصحاب رسول الله ﷺ من له صُحبة يذهبون مذهبه ويفتون بفتواه، ويسلكون طريقته إلا ثلاثة، عبد الله بن مسعود، وزيد بن ثابت وعبد الله بن عباس رضي الله عنهم''. (ص:۴۲)

اس کے بعد رواۃ حدیث کے بعض سے بعض کے سماع اور ثبوت لقاء کا ذکر ہے، مثلاً حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں: ''الحسن رأى أم سلمه رضي الله عنها ولم يسمع منها، وكان صغيرا وكانت أم الحسن تخدم أم سلمة وقد روت عنها. الحسن لم يسمع من أبي موسى الأشعري رضي الله عنه، وكان بالبصرة زمن عمر رضي الله عنه''. (ص:۵۴)

عطاء الشامی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''قال علي : عطاء الشامي هو – عندي – عطاء بن يزيد لأنه كان يسكن الرملة، وكان عطاء ثقة، روى عنه الناس، وسهيل بن أبي صالح، وأبو عبيد صاحب سليمان بن عبد الملك، وروى عنه هلال بن ميمون الرملي''

اس کے تحت ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی لکھتے ہیں: ''في الأصل : هلال بن ميمون الرقي، والصواب الرملي نبه إلى هذين التصحيحين الأستاذ حبيب الرحمن الأعظمي، شكر الله له''. (ص:٦٨)

کتاب کا تیسرا موضوع کچھ احادیث کی علل کا ذکر ہے (دیکھئے ص:۷۵ و ما بعدہ) اور اس کے بعد کچھ رجال پر کلام کیا ہے، (دیکھئے ص:۸۵)، اور اخیر میں محقق کی طرف سے متعدد فہارس ہیں، کتاب کی طباعت ۱۹۸۰ء میں المکتب الاسلامی بیروت سے ہوئی۔

ڈاکٹر اعظمی کی کتاب ''منهج النقد عند المحدثين نشأته وتاريخه'' پر ایک جھلک

مولانا محمد انعام الحق قاسمی، ریاض، مملکتِ سعودی عرب

أرسل الله سبحانه وتعالیٰ محمداً ﷺ خاتماً للأنبياء والمرسلين، وأتم عليه وعلیٰ أمته نعمه الظاهرة والباطنة، فقال جل وعلا : أليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام ديناً. [المائدة:۳]

تمہید:

حدیث کی حجیت اور اسلامی تشریع ہونے پر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی قاسمی کی کتاب (**منهج النقد عند المحدثين نشأته وتاريخه**) اپنے فن کی معرکۃ الآراء کتاب ہے۔ اس میں انہوں نے قطعی و نصی دلائل کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ احادیث رسول ﷺ قرآن کے بعد شریعت اسلامیہ کیلئے بلا شبہ اہم و ناگزیر حجت ہیں ان کے بغیر قرآن کا فہم وادراک ناممکن ہے کیونکہ احادیث رسول ﷺ شارحِ قرآن ہیں۔ اس کتاب میں موصوف نے نقلی و عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ محدثین کرام نے احادیث کے بے بہا ذخیرہ کی حفاظت کیلئے جو اُسلوب وطرز تدوین اختیار کئے کسی بھی زمانہ میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ یہ کتاب ۲۳۴ ر صفحات پر مشتمل عربی زبان میں ہے۔ اس کتاب کے ۳ ر ایڈیشن، پہلا ۱۹۷۵ء، دوسرا ۱۹۸۲ء اور تیسرا ۱۹۸۳ء ریاض سے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخل نصاب ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے لطف وکرم سے اصالۃً اپنی کتاب کی حفاظت کی ضمانت لے رکھی ہے جیسا کہ قول باری تعالی ہے: **إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون.** [الحجر:۹] بے شک

یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اُتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں (اسی کے ساتھ ساتھ تبعاً اپنے حبیب نبی محمد ﷺ کی سنت جو حقیقتاً شارح قرآن ہے، کی حفاظت کی ضمانت لی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم ولعلهم يتفكرون**.[النحل:٤٤](اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کردو اور تاکہ وہ غور کریں) کیونکہ احادیث نبویہ بدلالت قول باری تعالیٰ: **وما ينطق عن الهوى * إن هو إلا وحي يوحىٰ** [النجم:٣-٤] (اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں، یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے جو (اُن کی طرف) بھیجا جاتا ہے) بھی وحی غیر متلو ہیں، نبی ﷺ کی اطاعت ان کی وفات کے بعد اتباع سنت کے ذریعے سے ہی ہوسکتی ہے۔ اگر یہ امر اسکے خلاف ہوتو قیامت تک نبی ﷺ کی رسالت وسنت کی بقا، خلودِ اسلام کے منافی ہوگا۔

سنت نبویہ کی نشر واشاعت کا وجوب:

چونکہ قرآن کریم قیامت تک باقی رہنے والی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت ابدالآباد کے لیے ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے اپنی امت کو اس کی تبلیغ کا حکم دیا تاکہ اس کی سنت اور شریعت مستمر اور باقی رہے۔ نبی کریم ﷺ نے محض اس کی تبلیغ ہی کا حکم نہیں دیا بلکہ مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی اور اس کے فضائل بھی بیان فرمائے کہ: **من سلك طريقاً يطلب فيه علماً سهل الله به له طريقاً إلى الجنة.** (جو کوئی بھی حصول علم کے لیے نکلتا ہے تو اللہ تعالی طالب علم کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں)۔ اسی کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے کوئی بھی ایسا دروازہ کھلا نہیں چھوڑا جس کے ذریعے احادیث النبی ﷺ سے کھلواڑ کیا جائے۔ جہاں آپ ﷺ نے اس کی تبلیغ کو واجب قرار دیا وہیں اس کی تعلیم کی ترغیب بھی دی، اور لوگوں کو آپ ﷺ نے روایت کی اجازت فراہم کی۔ اور آپ ﷺ نے کذب بیانی وافترا پردازی کے عواقب ونتائج بھی بیان کرتے فرمایا: **من كذب علي فليتبوأ مقعده من النار** (جو کوئی بھی میری طرف جھوٹ کا انتساب کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے)۔

احادیث نبویہ کی روایت میں غلطی کا وقوع:

لاکھ احتیاط کے باوجود، انسان سے غلطی واقع ہوجاتی ہے۔ ایک قدیم کہاوت ہے: **إن الإنسان**

مركب من الخطأ والنسيان. (انسان خطا اور نسیان کا مجموعہ ہے)۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ابوالبشر حضرت آدمؑ کے متعلق فرمایا: ولقد عهدنا إلى آدم من قبل فنسي ولم نجد له عزماً. [طـه: ١١٥] اور ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ (اُسے) بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر وثبات نہ دیکھا)۔کبھی انسان نسیان کی وجہ سے غلطی کرتا ہے تو کبھی عمداً غلطی کا ارتکاب کرتا ہے؛ لیکن ان دونوں حالتوں میں اس کے کذب وصدقِ کلام کا نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے اور وہ ہے عدم اعتماد۔اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ احادیث النبی اور ان کی سنت مطہرہ شریعت کے مصادر ہیں اور مؤمنین کے لیے نمونہ اور مسلمانوں کے لیے قیامت تک کے لیے چراغ راہ ہیں۔اسی لیے تمام اقسام کی غلطیوں کے شوائب اور امکانات خواہ وہ نسیاناً ہوں یا عمداً اُسے ان کو پاک وصاف کرنا لابدی اور حتمی امر ہے۔

احادیث نبویہ ؐمیں نقد کی ضرورت:

مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب احادیث کی ایک دقیق علمی تنقید واستعر اض کی سخت ضرورت تھی تا کہ ان کے صحت وضعف کی معرفت ہو سکے اور اسلام میں ایسی اشیاء نہ داخل ہو جائیں جن کی اصلاً کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔

نقد کے لغوی معنی:

لسان العرب کے مطابق: النقد والتنقاد: تمييز الدراهم وإخراج الزيف منها. (دراہم وغیرہ پرکھنا اور اس سے کھوٹ علیحدہ کرنا)

نقد محدثین کی اصطلاح میں:

احادیث کو پرکھ کر صحیح کو ضعیف سے الگ کرنا اور توثیقی اور تجریحی اعتبار سے ان پر حکم لگانا۔

نقد کے مقاصد:

احادیث میں نقد محض خواہشات نفسانی کو آسودہ کرنے کے لیے نہیں تھا بلکہ اس کے مقاصد انتہائی گہرے، دقیق اور دوررس تھے۔اللہ عزوجل نے اپنی کتاب نازل فرمائی اور اس کی تشریح وتبیین کی ذمہ داری اپنے نبی ﷺ کے سپرد کیا اور فرمایا: ونزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم . [النحل: ٤٤] (اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تا کہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں

وہ ان پر ظاہر کر دو) ۲۳ سالوں میں رسول اللہ ﷺ نے فرائض وسنن کی تعیین اور حلال وحرام کو واضح طور پر بیان کر کے بتلا دیا یہی وہ ہماری دین کی معرفت ہے جس میں ہماری دین و دنیا کی کامیابی مضمر ہے۔اس امر کا دار و مدار احادیث صحیحہ کی معرفت اور ان پر عمل کرنا ہے۔اس کا حصول محض راویوں اور ناقلین کے احوال کی چھان بین ہی سے ممکن ہوسکتا ہے، تاکہ صادقین کے کلام کو لے لیا جائے اور کاذبین ومفترین کے کلام کو درگور کر دیا جائے۔اس لیے امام مسلمؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کاذب وخائن راوی کو جانتا ہو اور اس کے متعلق عام مسلمانوں کو نہ بتلائے وہ گنہگار اور دھوکا باز ہے۔ بنابریں علماء عظام نے کمر کس لی اور احادیث کی خاطر بخوشی بڑی بڑی مشقتیں جھیلیں۔

اسی لیے یحییٰ بن سعید القطان نے فراش مرض پر ابوبکر بن خالد سے بصرہ کے لوگوں کی شکایت (جو وہ احادیث رسول ﷺ کی روایت کے متعلق جھوٹے راویوں کے متعلق کہا کرتے تھے) کے بارے کہا تھا مجھے یہ بخوشی گوارا ہے ایک آدمی قیامت کے دن میرا خصم ہو لیکن میں یہ قطعاً گوارا نہیں کرتا کہ نبی ﷺ قیامت کے دن میرے خصم ہوں۔

نقد کی ابتدا:

احادیث رسول ﷺ کی بحث وتنقیب آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی شروع ہوگئی تھی، لیکن اس وقت محض اللہ کے رسولؐ سے سوال واستفسار کرنے پر ہی محدود تھا کیونکہ صحابہ کرام ایک دوسرے کی تکذیب یا افتراء بازی نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ اس وقت بحث وسوال کا مقصد تدقیق وتمحیص تھا تاکہ توثیق سے قلب مطمئن ہو جائے بلکہ اگر غور کیا جائے تو ان صحابہ کرامؓ کی سیرت میں ابوالانبیاء کی مثال واسوہ ملتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: **وإذ قال إبراهيم رب أرني كيف تحيي الموتى قال أولم تؤمن قال بلى ولكن ليطمئن قلبي.** [البقرة: ٢٦٠] (اور جب ابراہیم نے (خدا سے) کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا۔خدا نے فرمایا کیا تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا۔انہوں نے کہا کیوں نہیں۔لیکن (میں دیکھنا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کرلے (یہ قطعا ناممکن ہے کہ ابراہیمؑ نے اللہ سبحانہ تعالی کی قدرت میں شک کیا ہو۔ٹھیک اسی طرح نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں تدقیق وتمحیص مزید اطمئنان قلب کیلئے تھا اور بس۔ بہت ساری مثالیں موجود ہیں کہ صحابہؓ کی تدقیق

وتمحیص اسی غایت ومقصد کے لیے تھی۔ ذیل میں ان کی چند مثالیں پیش ہیں:

نبی ﷺ سے صحابہ کرامؓ کی توثیق کی مثالیں:

۱ - ضمام بن ثعلبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت آئے اور دریافت کیا کہ اے محمد! آپ کا نمائندہ ہمارے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اللہ نے آپ کو مبعوث کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر کہا کہ اس نے کہا کہ ہم پر ہمارے اموال میں زکاۃ فرض ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر کہا کہ اس نے کہا کہ ہم پر سال میں ایک مرتبہ رمضان کے روزے فرض ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔

۲ - ایک تحفہ کے ساتھ علیؓ یمن سے تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے بھی ان کو ایک تحفہ عطا کیا، جونہی حضرت فاطمہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ انہوں نے رنگین کپڑے زیب تن کر کے اور سرمہ لگا کر بناؤ سنگار کیا ہوا ہے تو علی کو یہ پسند نہیں آیا تو فاطمہ نے فرمایا کہ میرے ابا ﷺ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔ میں نے فاطمہؓ کے اس امر کے بارے میں نبی ﷺ سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ (فاطمہؓ نے رنگین کپڑے زیب تن کر کے اور سرمہ لگا کر بناؤ سنگار کیا ہوا ہے) اور کہہ رہی ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا، اس نے سچ کہا، میں نے ہی اس کو حکم دیا تھا۔

اور اس طرح کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں جس میں اصحاب النبی ﷺ نے آپؐ کے اقوال کی مزید تاکید اور توثیق کی۔

نقد کی تاریخ:

مندرجہ بالا امثلہ کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نقد تو آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی شروع ہو گیا تھا لیکن صحابہ کرامؓ کے صدوق ہونے کی وجہ سے اس کا دائرہ بہت تنگ تھا۔ اُمت مسلمہ کیلئے لازم تھا کہ آپؐ کی وفات کے بعد نقد کا دائرہ وسیع کیا جائے تاکہ مسلمانوں کو پتہ چل سکے کہ جو احادیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی جا رہی ہیں وہ صحیح ہیں، اس میں کوئی خلط ملط یا افترا یا کذب نہیں ہے۔

اس باب میں ابوبکر صدیقؓ (صاحب رسول اللہ ﷺ اور ان کے خلیفہ اول کی شخصیت ایسی ہے جنہوں نے سنت نبویہ کی نقد سلیم کی بنا ڈالی جیسا کہ حاکم کا بیان ہے کہ) آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب جھوٹ سے اجتناب کیا اور اخبار (احادیث) کے قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیا، قول اور قبول میں تحری آپ کی مرہون منت ہے؛ لہٰذا آپ ہی وہ پہلی شخصیت ہیں جس نے نقد وتدقیق کے اہم قاعدہ یعنی روایات کے درمیان موازنہ کی طرف رہنمائی کی۔ اس کے بعد عمر فاروق کا دور آیا جن کی موافقت میں بارہا قرآن نازل ہوا تو انہوں نے بحث وتدقیق کے نئے قواعد وضوابط وضع کیے۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ عمرؓ اور علیؓ یہ دونوں وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے رجال سے مروی احادیث کی تفتیش کی اور احادیث کی نقل وروایت کی بحث وتمحیص کی ان کے بعد لوگوں نے آپ دونوں کی اتباع کی۔ ان کے بعد حضرت عائشہ کا دور آیا جنہوں نے نقد کے نئے بابوں کا اضافہ کیا۔ فتوحات اسلامیہ کے ساتھ ساتھ احادیث رسول اللہ ﷺ دنیا کے مختلف گوشوں میں منتشر ہوتی چلی گئیں اور عراق کو اس کا بہت بڑا حصہ نصیب ہوا۔ اس لیے مدینہ میں نقد حدیث کے ساتھ ساتھ عراق میں بھی نقد کی ابتدا ہوئی۔

مدینہ کے مدرسہ کے نقاد:

مدینہ منورہ کے سادات تابعین کی ایک جماعت نے حضرت عمر اور علی کے طریقۂ نقد کو اپنایا ان میں سے چند کے نام ذیل میں درج ہیں:

۱ - سعید بن المسیب.

۲ - القاسم بن محمد بن ابی بکر.

۳ - سالم بن عبداللہ بن عمر.

۴ - علی بن الحسین بن علی.

۵ - ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف.

وغیرہم ان ہی کے تلامیذ میں سے جو مدینہ میں بہت مشہور ہوئے:

۱ - زہری.

۲ - یحییٰ بن سعید انصاری.

۳ - ہشام بن عروہ.

ان میں زہری جماعت مدینہ میں سے بہت زیادہ بیداری، وسعتِ حفظ اور دائمی سفر اور علو ہمت میں

خصوصیت سے مشہور ہوئے۔

عراق کے مدرسہ کے نقاد:

ترمذی نے فرمایا کہ ائمہ تابعین میں بہت سارے موجود تھے جنہوں نے رجال احادیث کے متعلق گفتگو کی۔ان میں:

۱ - حسن بصری.

۲ - طاووس.

۳ - سعید بن جبیر.

۴ - ابراہیم نخعی.

۵ - عامر شعبی.

ان میں بعض بڑے علمائے مسلمین بھی تھے جیسے (۶) ابن سیرین۔ان کے بعد نقد کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور عالم اسلام کے گوشے گوشے میں منتشر ہو گیا۔اس غرض کے لیے محدثین عظام نے عالم اسلامی کی خاک چھانی۔اس طرح نقاد احادیث کی ایک بہت بڑی جماعت تیار ہو گئی جیسے:

۱ - سفیان بن سعید الثوری......کوفہ

۲ - مالک بن انس......مدینہ

۳ - شعبہ بن حجاج......واسط

۴ - عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی......بیروت

۵ - حماد بن سلمہ......بصرہ

۶ - لیث بن سعد......مصر

۷ - حماد بن زید......مکہ

۸ - سفیان بن عیینہ......مکہ

بعد ازیں احادیث کے راویوں کی چھان بین اور آثار کی چھٹائی کے کام میں ایک اور جماعت کھڑی ہو گئی ان میں:

۱ - احمد بن حنبل.

۲ - یحییٰ بن معین.

۳ - علی بن المدینی.

۴ - ابوبکر بن ابی شیبہ.

۵ - اسحاق بن ابراھیم الحنظلی.

۶ - عبداللہ بن عمر القواریری.

۷ - زھیر بن حرب أبوخیثمۃ.

شامل ہیں ۔ان کے تلامیذ کی ایک جماعت تیار ہوئی جنہوں نے نقد آثار واحادیث کے میدان میں ایسے کارنامے انجام دیئے جو تاریخ نقد احادیث کی چوٹی کے علما میں شمار ہوتے ہیں انہوں نے ایسی کتب اور مولفات چھوڑی ہیں جو جرح وتعدیل کے باب میں منتہاء شمار کئے جاتے ہیں۔ان میں:

۱ - محمد بن یحییٰ الذھلی النیسابوری.

۲ - عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی.

۳ - أبوزرع عبیداللہ بن عبدالکریم بن زید الرازی.

۴ - محمد بن إسماعیل الجعفی البخاری.

۵ - مسلم بن الحجاج النیسابوری.

۶ - أبوداود سلیمان بن الأشعث السجستانی، وغیرہم۔

غرضیکہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی قاسمیؒ نے اپنی اس کتاب میں نقد احادیث کے ایسے ابواب کی طرح اشارہ کیا اوران پر بحث کی ہے جن کا مطالعہ ہر طالب حدیث کے لیے لازمی ہے۔جیسے(۱) **النقد العقلي عند المحدثين**، (۲) **المحدثون ومراعاتهم للعقل** وغیرہ۔

جب ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی قاسمیؒ رجال کی تحقیق کے باب میں آتے ہیں تو بحث وتمحیص کی ڈور عنوان، نسب، خاندان، اجتماعی حالت اوران کے ہمعصر تک پھیلا دیتے ہیں۔

ویسے تو اس فن میں اورلوگوں نے بھی خامہ فرسائی کی ہے جیسے ڈاکٹر نورالدین عتر کی کتاب "**منهج**

النقد فی علوم الحدیث'' اوراسی طرح ایک مصری عالم نے بھی اس فن میں ریسرچ کیا لیکن آخر میں وہ منکر حدیث بن گئے۔ان کے علاوہ اور بھی علماء نے اس فن میں کتابیں تصنیف کیں لیکن وہ مقبول نہ ہوسکیں۔

محدثین اور عقلی تقاضے:

یہاں یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ سند کو اہمیت دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ محدثین نے تحقیق حدیث کے دوران عقل کو ملحوظ ہی نہیں رکھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے عقل کو بھی خصوصی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتب اُصول میں صحت حدیث کی اولین شرط ''عدالت'' مکتوب ہے اور عدالت کے متحقق ہونے کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ان میں سے ایک عقل بھی ہے۔جس کا مفہوم یہ ہے کہ صرف اس راوی کی روایت قبول کی جائے گی جو روایت لیتے وقت غفلت، سستی اور لاپرواہی جیسے رذائل سے کنارہ کش ہوتے ہوئے مکمل عقل وفکر سے کام لینے والا ہو اور ہر حدیث کو عقل سلیم کے سانچے میں پرکھنے کے بعد ہی قبول کرے۔

علاوہ ازیں ضبط راوی سے بھی یہی مراد ہے کہ راوی بیدار مغز ہو، سہو ونسیان اور تساہل کا شکار نہ ہو اور پورے غور وفکر اور توجہ کے ساتھ روایت سن کر اسے من وعن آگے بیان کردے۔یہی وہ اساسی شرائط ہیں جن کی بنا پر کسی راوی کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔علاوہ ازیں احادیث پر صحت وسقم کا حکم لگاتے وقت بھی محدثین نے عقل کو ملحوظ رکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے وضع حدیث کی علامات میں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ روایت عقل عام کے خلاف نہ ہو۔وغیرہ وغیرہ۔

بالفاظ دیگر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ محدثین نے چار مقامات پر بطور خاص عقل کو ملحوظ رکھا ہے:

- تحمل حدیث کے وقت
- ادائے حدیث کے وقت
- رواۃ پر حکم لگاتے وقت
- احادیث پر حکم لگاتے وقت

یہی بات ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اپنی کتاب میں بالتفصیل ذکر فرمائی ہے۔سطورِ بالا میں کتاب کے مشمولات کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے۔

✿ ✿ ✿
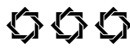
ڈاکٹر اعظمیؒ کا علمی سفر اور شاہ فیصل عالمی ایوارڈ کا حصول

مولانا ڈاکٹر اشتیاق احمد الاعظمی، دارالعلوم مئو

زیرنظر مقالہ، یک روزہ سمینار بعنوان ''ڈاکٹر مولانا محمد مصطفیٰ الاعظمی: حیات وخدمات'' منعقدہ ۱۸/ مارچ ۲۰۱۸ء، بہ مقام: تعلیم الدین نسواں ڈگری کالج، پہاڑ پورہ، مئو وزیر اہتمام انجمن طلبۂ قدیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر شاخ مئو، میں مقالہ نگار کے ذریعہ پیش کیا گیا، افادہ عامہ کی غرض سے قدرے حذف واضافہ کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔

(نائب مدیر)

''مئو ناتھ بھنجن''، جو ماضی قریب تک جغرافیائی اعتبار سے ضلع ''اعظم گڈھ'' کا ایک اہم ترین قصبہ تھا، ۱۹۸۸ء میں اسے ضلع مئو کا صدر مقام بنا دیا گیا، غیر منقسم اعظم گڈھ، وہ خطۂ ارض ہے، جس نے ہر علم وفن کے جیالے پیدا کیے ہیں۔ان میں چند نام بطور خاص مولانا فاروق چریا کوٹیؒ اور ان کے مشہور زمانہ تلمیذ رشید علامہ شبلی نعمانیؒ اور مولانا حمید الدین فراہیؒ، صاحب تفسیر نظام القرآن پیش کیے جاسکتے ہیں۔

علاوہ ازیں محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ اور مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ جیسے نامور مؤرخ نے اس علاقہ کا نام چہاردانگ عالم میں روشن کررکھا ہے، اقبال سہیلؔ مرحوم نے بجا فرمایا تھا ع:

جو ذرّہ یہاں سے اٹھتا ہے، وہ نیر اعظم ہوتا ہے

اِسی مردم خیز سرزمین نے اُس عظیم شخصیت کو جنم دیا، جس کے علم وفن کا لوہا نہ صرف برصغیر اور عالم عرب واسلام نے مانا؛ بلکہ یورپ وامریکہ کے علمی حلقوں نے بھی اس کے رسوخ فی العلم کو داد تحسین بخشا۔ دنیائے علم ومعرفت اُسے مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کے نام سے جانتی ہے۔

ڈاکٹر اعظمی - رحمہ اللہ - نے ۱۹۳۰ء میں اس عالم رنگ وبو میں قدم رکھا، ایک متوسط گھرانے کے آپ چشم وچراغ تھے۔آپ کے والد ماجد مولانا عبدالرحمٰن بن نور محمد بن حاجی رستم، محلّہ پورہ نظام (کیاری

ٹولہ) مئو کے باشندے تھے۔

آپ کے والد کی تین بیویاں تھیں، پہلی سے اختر تولد ہوئے، پہلی بیوی کی وفات کے بعد دوسری شادی پڈرونا ضلع دیوریا کی ایک خاتون سے ہوئی، اِنہی کے بطن سے ڈاکٹر اعظمی پیدا ہوئے جو اپنی ماں کے اکلوتے فرزند تھے، آپ کی صغرسنی ہی میں والدہ کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا، پھر اس ''دُرّ یتیم'' کی پرورش کے لیے والد نے تیسری شادی کر لی، جن سے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تولد ہوئیں۔ باپ کی بڑی اولاد ہونے کے ناطے خانگی مشاغل میں کافی وقت صرف ہوا کرتا تھا، والد ماجد چونکہ عالم دین تھے، بالکل ابتدائی تعلیم گھر ہی میں رہ کر والد کی نگرانی میں پوری کی، ناظرہ قرآن کریم وغیرہ کی تکمیل کے بعد محلّہ کے قریب ہی میں واقع راج اسکول میں پرائمری تعلیم مکمل کی، پھر مڈل اسکول ہرکیش پورہ میں سہ سالہ کورس ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۳ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

دارالعلوم مئو میں داخلہ:

مڈل اسکول کی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد آپ کے والد ماجد نے عصری تعلیم سے دینی وعربی تعلیم کی طرف آپ کا رُخ موڑ دیا؛ جبکہ آپ کا رجحان ہائی اسکول اور مابعد کی تعلیم کے حصول کا تھا۔ عربی تعلیم کے حصول کے لیے مئو کے قدیم ترین عربی ودینی ادارے ''دارالعلوم مئو'' میں ۱۹۴۴ء میں داخلہ لے کر تعلیم شروع کر دی، اس ادارہ میں غالباً چار سال میں پانچ سالہ کورس مکمل کر کے متوسطات کی تعلیم حاصل کر لی، انتہائی ذہین اور شدید محنت ومشقت کے عادی ہونے کے باعث یہاں کے اساتذہ کا دل جیت لیا۔ اور کبار اساتذہ کے منظور نظر بن گئے۔ دارالعلوم مئو کے اساتذہ میں مولانا قاری ریاست علیؒ، مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ، مولانا امین ادرویؒ، مولانا عبدالرشید الحسینیؒ، مولانا اسلام الحق کوپا گنجیؒ اور مولانا محمد سلیم کوپا گنجیؒ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

جامعہ شاہی مرادآباد اور پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ:

دارالعلوم مئو میں ۱۹۴۷ء تک رہ کر جلالین اور مختصر المعانی وغیرہ تک کتابیں پڑھ کر ۴۸ء میں جامعہ شاہی مرادآباد کا رُخ کیا، داخلہ کے بعد چند ماہ رہ کر بعض ناخوشگوار حالات کے باعث درمیان سال ہی میں وہاں سے سیدھے دارالعلوم دیوبند چلے گئے، بیچ سال میں داخلہ ممکن نہ تھا، مطلوبہ کتابوں کی سماعت کرتے رہے، اور پھر نئے سال ۱۹۴۹ء میں باضابطہ داخلہ لے کر تحصیل علم میں مشغول ہو گئے اور بڑی

یکسوئی کے ساتھ کتابوں کے مطالعہ، مذاکرہ اور مراجعہ میں کمال انہماک کے ساتھ لگے رہے۔ درسی کتابوں کے ساتھ خارجی مطالعہ کا شوق بھی دیوانگی کی حد تک رہا کرتا تھا، بقول والدعلام- مدظلھم العالی-(جوڈاکٹر اعظمی کے مئو سے لے کر دارالعلوم دیوبند تک کے زمیل ورفیق رہ چکے ہیں): دو دو سو اور ڈھائی ڈھائی سو صفحات کی کتابیں ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالتے تھے۔

انگریزی پڑھنے، لکھنے اور بولنے کا شوق بھی جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ بقول والد محترم: مولوی محمد اسماعیل افریقی سے بڑی گہری دوستی تھی، ان کے کمرہ میں جا کر جو دارالعلوم دیوبند کے صدر گیٹ کے اُوپر واقع تھا، روزانہ کچھ دیر کے لیے انگریزی سیکھنے کا معمول جاری رہا کرتا۔ دارالعلوم دیوبند کے چار سالہ زمانہ قیام میں ہائی اسکول اونلی انگلش سے شروع کر کے .B.A تک کے انگلش کے غالبًا سارے امتحانات علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے دے ڈالے۔

بہر کیف ۱۹۴۸ء میں فنون میں داخلہ لے کر اوّلا دو سال علوم فنون کی کتابیں پڑھیں، تیسرے سال ۵۱-۱۹۵۰ء میں موقوف علیہ کی کتابیں زیر درس رہیں، پھر اگلے سال ۵۲-۱۹۵۱ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بخاری وترمذی پڑھ کر کی، صحیح مسلم کا درس علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ سے، سنن أبی داؤد شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علیؒ سے، شرح معانی الآثار للطحاوی مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ سے، سنن النسائی اور موطأ امام محمدؒ مولانا سید فخر الحسنؒ سے اور سنن ابن ماجہ وموطأ امام مالکؒ کا درس مولانا ظہور احمد دیوبندیؒ سے پڑھ کر ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

اس زمانے میں طلبہ کو امتیازی نمبرات، میکزیمم مارکس سے بڑھا کر دینے کا رواج تھا، دورۂ حدیث میں محصلہ امتیازی نمبرات کچھ اس طرح تھے:

بخاری شریف: ۵۰، ترمذی شریف: ۵۱، مسلم شریف: ۵۲، ابوداؤد شریف: ۴۷، نسائی: ۵۰، ابن ماجہ: ۴۹، طحاوی شریف: ۵۱، شمائل ترمذی: ۴۵، موطأ امام مالک: ۵۱، موطأ امام محمد: ۵۰۔

دیوبند سے فراغت کے بعد جامعہ ازہر مصر کا سفر اختیار کیا، ایک روایت یہ بھی سننے کو ملی،-جس کی تصدیق ڈاکٹر اعظمیؒ یا ان کے خانوادے سے نہ ہوسکی- کہ دیوبند سے فراغت کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں .M.A میں داخلہ لیا تھا، لیکن مصر جانے کے بعد علی گڈھ کی تعلیم معلق رہ گئی اور جامعہ ازہر میں تین سال رہ کر ''شهادة العالمية مع الإجازة بالتدريس'' (.M.A) کی ڈگری ۱۹۵۵ء میں حاصل

کی اور پھر مئو واپس آ گئے۔ اسی دوران راقم کی پھوپھی سے شادی کی نسبت طے ہوگئی، شادی کے بعد ۱۹۵۵ء میں ہی بغرض ملازمت قطر تشریف لے گئے، ابتدائی چند ماہ وسال، غیر عربی داں لوگوں کو عربی زبان کی تعلیم وتدریس پر مامور ہوئے، پھر قطر پبلک لائبریری میں بحیثیت امین المکتبہ تقرر ہوا۔ اسی دوران بحیثیت لائبریرین، دنیا کے عظیم کتب خانوں میں مخطوطات کی تلاش وجستجو میں سرگرداں رہے، اور متعدد نایاب اور قیمتی مخطوطات کی مائیکروفلم کے حصول میں کامیاب رہے۔ مخطوطات کی مائیکروفلم کی فہرست سازی بھی آپ نے فرمائی جو قطر پبلک لائبریری سے طبع ہوچکی ہے۔

قطر پبلک لائبریری میں تقریباً دس سالہ خدمت انجام دینے کے بعد، ڈاکٹر اعظمیؒ نے کیمبرج یونیورسٹی لندن سے .Ph.D کا عزم کرکے دو مستشرق ا- جناب پروفیسر اے، جے، آربیری (Prof. A. J. Arberry)، ۲- جناب پروفیسر آر بی سارجنٹ (Prof. R. B. Serjeant) کے اشراف اور سرپرستی میں Studies in Early Hadith Literature کے عنوان سے انگریزی زبان میں مقالہ پیش کیا اور ۱۹۶۶ء میں .Ph.D کی ڈگری تفویض ہوئی۔

کیمبرج سے پی ایچ ڈی کی تکمیل کے بعد دوبارہ، قطر پبلک لائبریری میں دو سال مزید خدمت کرکے ۱۹۶۸ء میں جامعہ اُم القری مکہ مکرمہ کے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الإسلامیۃ میں اُصول حدیث کے اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے ۱۹۷۳ء تک خدمات انجام دیتے رہے، اس چھ سالہ تدریس کے زمانہ میں بہت سے عرب تلامذہ نے آپ سے استفادہ کیا، آپ کے انتقال کے بعد دکتور صالح بن عبداللہ بن حمید نے اپنے تأثرات کا اظہار اپنے ایک مضمون بعنوان: ''**شيخي الأعظمي بين مَعلَمَةِ الحديث النبوي وعالمية الانتشار**'' کو عربی جرائد میں شائع کیا، اس تحریر سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صالح بھی آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں، نہ جانے کتنے عربوں نے آپ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیے، ان کی تعداد کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؛ تاہم دو نام بطور نمونہ پیش کیے جاسکتے ہیں، ایک ڈاکٹر احمد محمد نور سیف دبئی کے مشہور ومعروف عالم دین جو متعدد کتابوں کے مولف ومحقق ہیں، ان کی سب سے مشہور تالیف: ''**يحيىٰ بن معين وكتابه التاريخ**'' ہے، دوسری شخصیت شیخ عمر بن حسین بن عثمان محمد فلاتہ ہیں جو اصلاً افریقی ہیں لیکن ان کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی، جامعہ اُم القری سے ماجستیر کیا اور یہیں آپ کی شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی، پھر حدیث کے موضوع پر جامعہ ازہر سے دکتوراہ مکمل کرکے جامعہ اُم القری کے کلیۃ الشریعہ میں اولاً

لیکچرر مقرر ہوئے پھر قسم السنۃ کے رئیس بنے، ان کی سب سے مشہور تالیف: ''**جامع التحصيل لأحكام المراسيل –دراسة وتحقيق**'' ہے۔

جامعۃ الملک سعود ریاض میں:

۱۹۷۳ء سے ۱۹۹۱ء تک جامعۃ الملک سعود ریاض میں مصطلحات الحدیث کے پروفیسر کے طور پر خدمات انجام دیں اور یونیورسٹی کے کلیۃ التربیۃ (Collage of Education) میں رئیس قسم التربیۃ کے عہدۂ جلیلہ پر ایک طویل مدت تک فائز رہ بالآخر ۹۱ء میں عمر نظامی کو پہنچنے کی وجہ سے تدریسی خدمات سے سبکدوش ہو گئے۔

جامعہ اُم القریٰ، جامعہ اسلامیۃ مدینہ منورہ اور جامعۃ الملک سعود ریاض میں تدریس کے دوران سیکڑوں ماجستیر اور دکتوراہ کے بحوث ورسائل کے مناقش رہے اور اول وآخر الذکر یونیورسٹیوں میں طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے آپ کے اشراف میں رہ کر ماجستیر اور دکتوراہ کے رسائل تحریر کیے اور انہیں ڈگریاں تفویض ہوئیں۔

چند بین الاقوامی مشہور ومعروف یونیورسٹیوں میں تدریس کے مواقع:

۱- یونیورسٹی آف مشی گن آن آربر مشی گن میں ۱۹۸۱ء/۱۹۸۲ء میں وزٹنگ اسکالر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

۲- سینٹ کراس کالج، آکسفورڈ، لندن میں ۱۹۸۷ء میں As a Visting Fellow خدمت کا موقع ملا۔

۳- یونیورسٹی آف کولوراڈو، بولڈر، امریکہ میں ۱۹۹۱ء-۱۹۸۹ء کے دوران بحیثیت وزٹنگ اسکالر کے لکچرز دینے کا کام کرتے رہے۔

۴- پرنسٹن یونیورسٹی، نیوجرسی میں ۱۹۹۲ء میں اسلامک اسٹڈیز کے پروفیسر کی حیثیت سے کنگ فیصل فاؤنڈیشن میں علوم اسلامیہ پر لکچرز کے مواقع فراہم ہوئے۔

۵- لندن میں واقع یونیورسٹی آف والس میں اسلامک اسٹڈیز کے ڈیپارٹمنٹ میں اعزازی پروفیسر کے طور پر خدمات انجام دیں۔

ڈاکٹر اعظمی کی تصانیف:

(تصانیف کا نہایت اختصار کے ساتھ تذکرہ درج ذیل ہے)

(۱) دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه:-

یہ آپ کی .Ph.D کے انگریزی زبان میں مقالہ بعنوان : Studies in Early Hadith Literature کا بعض اہم اضافات کے ساتھ عربی زبان میں ترجمہ ہے، یہ آپ کا زبردست علمی وتحقیقی اکیڈمک ورک ہے، جو احادیث شریفہ سے آپ کے قلبی لگاؤ اور حب رسول کا شاہکار ہے۔اس کتاب میں بحث وتحقیق کے جدید معاصر اُسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے سنت نبویہ پر کیے جانے والے مستشرقین کے اعتراضات کی قلعی کھول کر رکھدی ہے اور ان کے شبہات کا دنداں شکن جواب دیا ہے اور ضعیف روایات کا سہارا لیکر انھوں نے جو شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔انکی کج فہمی کو آشکارا کیا ہے۔ یہ کتاب جامعۃ الملک سعود الریاض سے طبع ہوئی ہے۔اس کتاب کا انڈونیشی اور ترکی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۲) كُتَّابُ النبي صلى الله عليه وسلم :-

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کرام سے کتابت وحی کا کام لیا تھا، انہی کا ذکر ہے، عام مورخین نے کاتبین وحی کی تعداد ۴۰، ۴۵ تک بیان کی ہے، اور پچھلی پانچ صدیوں کے دوران اس تعداد میں کوئی اضافہ نہ کیا جاسکا؛ لیکن بحمد اللہ آپ نے تحقیق وجستجو کے بعد اس تعداد میں اضافہ کر کے ۶۰ سے زائد کاتبین وحی کا تذکرہ، تاریخی شواہد کے ساتھ پیش کیا ہے۔ پہلی مرتبہ یہ کتاب دمشق سے ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن بیروت سے ۱۹۷۸ء میں اور تیسرا ایڈیشن ریاض سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔اس کے بعد متعدد ایڈیشن آچکے ہیں، کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۳) منهج النقد عند المحدثين، نشأته وتاريخه:-

یہ کتاب عربی زبان میں ۲۳۴ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخل نصاب ہے اور اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، مصنف نے اس کتاب میں اس بات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ محدثین کرام نے احادیث نبویہ کی جانچ پرکھ کے لیے جو اُسلوب اختیار کیا ہے اس کی نظیر عہد حاضر میں بھی نہیں ملتی، جامعۃ الملک سعود ریاض سے اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔

(٤) كتاب التمييز للإمام مسلم:-

اُصول حدیث کے موضوع پر امام مسلم کی اہم تصنیف مخطوطے کی صورت میں تھی، آپ کی تحقیق وتخریج وتعلیق کے ساتھ ۱۹۷۵ء میں منهج النقد عند ... کے ساتھ شائع ہوئی ہے، پھر بعض اضافات کے ساتھ، مکتبہ کوثر ریاض سے ۱۹۹۰ء میں علیحدہ شائع ہوئی۔

(٥)المحدثون من اليمامة إلى عام ٢٥٠ الهجري تقريباً:-

یمامہ کے محدثین کا تذکرہ اس کتاب سے پہلے عنقا تھا، آپ نے یمامہ کے محدثین کا تذکرہ یکجا کر کے اس کا پہلا ایڈیشن بیروت سے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بالکل منفرد ہے اب تک اس موضوع پر کسی نے حتی کہ یمامہ والوں نے بھی قلم نہیں اٹھایا تھا۔ ڈاکٹر اعظمی نے یہ ثابت کر دکھایا کہ اہل یمامہ، قرون اولی میں بھی محدثین کے نزدیک مرجع کی حیثیت رکھتے تھے، آپ نے اس کتاب میں یمامہ کے ۱۵۰ محدثین کو شمار کرایا ہے، ان میں سب سے مشہور محدث یحییٰ بن ابی کثیر یمامی کی شخصیت ہے جنہیں ان کے دور میں علم (حدیث) کا چھٹا حصہ تصور کیا جاتا تھا۔

(٦) فهرست مصورات دار الكتب القطرية، مجلة معهد المخطوطات:-

قطر پبلک لائبریری میں قیام کے دوران دنیا کی مختلف مشہور لائبریریوں سے جو مائیکروفلم حاصل کیے تھے اسی کی فہرست سازی کا کام انجام دیا تھا۔

(٧) فهرست مخطوطات دار الكتب القطرية:-

قطر پبلک لائبریری میں موجود مخطوطات کی فہرست تیار کر کے آپ نے وہیں سے اسے طبع بھی کرایا۔

(٨) رواة الموطأ :-

موطأ امام مالک کے رواۃ کی تعداد ابن ناصر الدین (م: ۸۴۰ھ) کے بقول صرف ۷۹ تھی، آپ نے رواۃ کی اس فہرست میں اضافہ کر کے ۱۰۵ تک پہنچایا۔

وہ کتابیں جن کی تحقیق وتعلیق کا کام آپ نے انجام دیا:

(١)صحيح ابن خزيمة:-

یہ کتاب بخاری ومسلم کے بعد احادیث صحیحہ کا اہم ترین سرچشمہ شمار کی جاتی ہے، اس کا نسخہ دنیا میں

ایک ہی کتب خانہ میں موجود تھا۔اس کا سراغ لگا کر اسی اکلوتے نسخے کے مقابلہ وتصحیح کے سلسلہ میں زبردست محنت صرف فرمائی، اس میں موجود غلطیوں کو درست کر کے اس کی حدیثوں کی نہ صرف تخریج فرمائی؛ بلکہ ان پر اس صورت میں حکم بھی لگایا؛ جبکہ ان کا وجود صحیحین یا کسی ایک میں نہیں تھا۔ یہ کتاب چار جلدوں میں مطبوع مارکیٹ میں دستیاب ہے، کتاب کا پہلا ایڈیشن بیروت سے ۱۹۷۰ء میں دوسرا ریاض سے ۱۹۸۲ء میں اور تیسرا ایڈیشن بیروت سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہو چکا ہے اور اس کے بعد بھی متعدد ایڈیشن مختلف مکتبات سے شائع ہو چکے ہیں۔

(۲) العلل لِعَلي بن عبد الله المديني:-

یہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں تھی، تحقیق وتعلیق کے بعد اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۲ء میں، دوسرا ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا، پھر اس کے متعدد ایڈیشن منظرعام پر آ چکے ہیں۔

(۳) مغازي رسول الله صلى الله عليه وسلم لعُروة بن زبير برواية أبي الأسود:-

معروف تابعی حضرت عروہ بن زبیر (ولادت ۲۳ھ) کے قلم سے سیرت پاک کے موضوع پر سب سے پہلی کتاب ''مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے مخطوطہ کی تحقیق وتخریج اور تعلیق کے بعد شائع کرنے کا شرف آپ کو حاصل ہوا، یہ کتاب مکتبۃ التربیۃ العربیۃ لدول الخلیج ریاض سے شائع ہو چکی ہے؛ جبکہ اردو ترجمہ پاکستان سے ۱۹۸۷ء میں طبع ہو چکا ہے۔

(٤) السنن الكبرىٰ للنسائي:-

یہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں تھی جسے آپ نے اپنی تحقیق وتعلیق وتخریج کے بعد شائع کیا۔

(۵)سنن ابن ماجه مع الفهارس:-

آپ کی گراں قدر تحقیق وتخریج کے بعد پہلی مرتبہ کمپوٹرائزڈ کر کے چار جلدوں میں مختلف فہارس کے ساتھ ۱۹۸۳ء میں ریاض سے شائع ہو چکی ہے۔

(٦) موطأ الإمام مالك مع الفهارس:-

امام دارالہجرہ امام مالک کی مشہور زمانہ کتاب موطأ امام مالک کو اپنی تحقیق وتخریج وتعلیق کے بعد آٹھ جلدوں میں شائع فرمایا ہے، جو صحیحین کے رواج سے پہلے سب سے معتبر کتاب مانی جاتی تھی، یہ کتاب

مؤسسة زائد بن سلطان آل نهيان، للأعمال الخيرية والإنسانية، أبو ظبي نے ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء میں شائع کی ہے۔

(۷) مخطوط صحيح البخاري بخط المؤرخ الكبير أحمد بن عبدالوهاب بن محمد البكري المعروف بالنويري (م۷۳۳ هـ):-

یہ مخطوطہ مشہور مؤرخ احمد بن عبدالوہاب البکری المعروف بالنویری (م۷۳۳ھ) کے ہاتھ سے ۷۲۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔

کتاب کے شروع میں ۳۰ر صفحات پر مشتمل تمہید میں مخطوطہ کا مکمل تعارف کرایا گیا ہے۔اس کے بعد امام بخاری کے سوانح، علمی اسفار، اساتذہ ومشائخ، امام بخاری کا منہج، ان کے مقررہ شرائط، کتاب کی اہمیت، موجودہ نسخہ کا مکمل تعارف اور امام بخاری کی تصنیفات وغیرہ وغیرہ کا مبسوط تذکرہ تقریباً ۳۷ر بڑی سائز کے صفحات پر مشتمل ہے۔ اصل مخطوطہ کو اس کے مکمل حسن وجمال کے ساتھ فاکسیمائل طباعت (Facsimile Copy) کے ساتھ منصۂ شہود پر لایا گیا ہے۔ کتاب کی طباعت کا صرفہ عالیجناب شیخ نظام یعقوبی بحرینی نے برداشت کیا ہے۔خاص بات یہ ہے کہ اصل کتاب کے آغاز سے پہلے سے دارالعلوم دیوبند کی سند فضیلت اور وہیں کی ایک دوسری خصوصی سند اجازت کا فوٹو مطبوع ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء میں استنبول سے طبع ہوکر شائع ہوئی۔

(۸) رسائل علي ابن المديني :-

اس کتاب کی تحقیق وتعلیق کے بعد اس کی طباعت مکتبۂ نظام الیعقوبی، بحرین سے ہوئی ہے۔

(۹) النَّصُّ القُرآني الخالد عَبْرَ العصور : دراسة مقارنة مصورة لسورة الإسْرَاء بين تسعة عشر مصحفاً من منتصف القرن الأول إلى الخامس عشر:-

کتاب میں سورہ اسراء کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ۱۹ر قدیم قرآن کریم کے مخطوطات کا موازنہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت یا کلمہ میں نزول سے لیکر آج تک کسی قسم کا کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا ہے۔ یہ کتاب دسمبر ۲۰۱۷ء کے آخر میں آپ کی وفات سے کچھ دنوں پہلے چھپ چکی تھی اور نمونہ کی کاپی کا مشاہدہ آپ نے

کرلیا تھا۔

(۱۰) موطأ الإمام مالك برواية ابن القاسم :-

اس کتاب کی تحقیق وتعلیق کا کام بھی آپ نے انجام دیا تھا،لیکن آپ کی حیات میں یہ کتاب زیورطبع سے آراستہ نہیں ہوسکی تھی،لیکن اب طباعت کے مراحل سے گذرنے والی ہے۔

(۱۱) كتاب المناسك لابن أبي عروبة:-

آپ کی تحقیق وتعلیق سے آراستہ ہوکرطباعت کے لیے تیار ہے۔

(۱۲) مختصر رياض الصالحين مع المقدمة:-

ڈاکٹر اعظمی نے احادیث رسول کے مشہور ومعروف منتخب مجموعہ مولفہ امام یحییٰ بن شرف الدمشقی النووی (م:٦٧٦ھ) کا اختصار کر کے اس پر شاندار مبسوط مقدمہ لکھا ہے، پھر اس مختصر کے ترجمے دنیا کی مشہور ومعروف سات زبانوں: اسپینش، جرمن، آذری، البانی، روسی، چینی اور بوسنیائی زبانوں میں کرا کے تقریباً دولاکھ نسخے طبع کرا کے شائع کیے، مزید تین اور زبانوں چیچن، فارسی اور پشتو میں بھی اس کے بعض اجزا کے ترجمے مطبوع ہوکر شائع ہو چکے ہیں۔

انگریزی زبان میں تصانیف:

(۱) Studies in early Hadith Literatare:

یہ آپ کی Ph.D. کا اصل مقالہ ہے جو انگریزی زبان میں لکھ کر اکتوبر ۱۹۶۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کے لیے پیش کیا گیا تھا۔ کتاب کا پہلا انگریزی ایڈیشن ۱۹۶۸ء میں بیروت سے، دوسرا ۱۹۷۸ء اور تیسرا ۱۹۸۸ء میں امریکہ سے شائع ہوا، پھر مزید کئی ایڈیشن اس کے آچکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ ۱۹۹۳ء میں ترکی زبان میں ترجمہ اور ۱۹۹۴ء میں انڈونیسی میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ مشرق ومغرب کی کئی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہے۔

(۲) Studies in Hadith Methodology and Literature:

اس کتاب کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں احادیث نبویہ کے طریقہ کار سے بحث کی گئی ہے اور دوسرے حصہ میں احادیث کے ادبی پہلو کو صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث کی روشنی میں اُجاگر کیا گیا ہے۔ نیز مستشرقین کے احادیث سے متعلق شبہات کا زبردست رد کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۵۵ رصفحات پر مشتمل

ہے، جومختلف یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم میں داخل ہے، اورانگریزی داں شائقین حضرات کے لیے علوم وادب حدیث کے مطالعہ کا ایک اہم ماخذ ہے۔ پہلا، دوسرا ایڈیشن، امریکہ سے ۱۹۷۷ء میں اور تیسرا بھی امریکہ سے ۱۹۸۸ء میں اور ملیشیا سے بھی ۲۰۰۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب کے کئی عالمی زبانوں: ملایا، سنہالی اور ترکی میں ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

(۳) On Sahacht's Origins of Muhammadan Jurusprudence:

انگریزی زبان میں یہ کتاب ۲۴۳ر صفحات پر مشتمل ہے جو معروف مستشرق جوزف شاخت کی کتاب کا تنقیدی جائزہ اور فقہ اسلامی سے متعلق اس کے اعتراضات کے مدلل جوابات پر مشتمل ہے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۵ء میں نیویارک سے، دوسرا انگلینڈ سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا ہے۔ دنیا کی کئی یونیورسٹیوں میں یہ کتاب داخل نصاب ہے، اس کتاب کے ترجمے کئی عالمی زبانوں مثلاً عربی، ترکی اور انڈونیسی میں ہوکر طبع ہو چکے ہیں۔

(۴) The History of the Qur'anic Text, From Revelation To Compilation, A Comparative study with old and New Testaments:

اس کتاب میں قرآن کریم کے نصوص کو نزول وحی کے آغاز سے لیکر کتابت وحی تک، پھر قدیم قرآنی نسخوں سے لیکر عصر حاضر میں متداول نسخوں کو سامنے رکھ کر تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے اور ناقابل تردید دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کریم میں آغاز وحی سے لیکر اب تک، کسی قسم کی تبدیلی کا دعوی بالکل بے بنیاد اور غیر معقول ہے اور اس کے خلاف جو کچھ کہا جاتا ہے وہ سب مفروضات پر مبنی ہے۔ مختلف مستشرقین نے اس قسم کے غلط دعوے کئے ہیں، جن کا مضبوط دلائل سے رد اور دنداں شکن جواب دیا گیا ہے۔

اس اہم کتاب کا انڈونیسی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے، کتاب کے رسم اجرا کے موقع پر انڈونیشیا کے دار الحکومت جکارتہ میں ایک عظیم الشان سرکاری اجلاس سابق انڈونیسی صدر عزت مآب عالی جناب عبدالرحمٰن واحد کی صدارت میں ۲۰۰۵ء میں منعقد ہوا تھا، جس میں کتاب کے اصل مصنف ڈاکٹر اعظمی نے بھی شرکت کی تھی۔ کتاب کے ترجمے ترکی و بوسینیائی میں بھی ہورہے ہیں، اردو میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا

ہے؛ لیکن معیاری نہ ہونے کی وجہ سے زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکا، اب دوبارہ اردو ترجمہ کی ذمہ داری پروفیسر عبدالرحیم قدوائی مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ نے انجام دیا ہے، مسودہ پر نظر ثانی کا کام ہو رہا ہے، اُمید ہے کہ یہ کتاب جلد ہی منظر عام پہ آجائے گی۔

(۵) Ageless Qur'an Timeless Text, A visual study of Sura Isra 17, across 14 Centuries and 19 Manuscripts:

یہ کتاب دسمبر ۲۰۱۷ء میں طبع ہو چکی ہے۔

(۶) Article, Sunnah, in Foundation in Islam:

یہ کتاب یونسکو کی طرف سے ۲۰۱۷ء میں طبع ہو چکی ہے۔

شاہ فیصل عالمی ایوارڈ کا حصول:-

ڈاکٹر اعظمی کے حدیث سے متعلق خدمات کے اعتراف کے طور پر ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء میں انہیں شاہ فیصل عالمی ایوارڈ کا مستحق قرار دیا گیا۔ اس ایوارڈ کے استحقاق میں آپ کی عظیم الشان پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے آپ نے عربی میں منتقل کر کے اس میں اہم اضافات کے ساتھ منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے جسے ''**دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه**'' کے نام سے طبع کرایا ہے۔ دوسری چیز **صحيح ابن خزيمة** کے نایاب نسخے کی کھوج ہے جسے تحقیق و تعلیق اور مبسوط مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

شاہ فیصل ایوارڈ کے حصول میں ایک تیسرا اہم عنصر، احادیث نبویہ کو کمپیوٹرائز کرنے کا اہم ترین منصوبہ تھا جس کی تفصیل بیان کرنے کے لیے کئی صفحات درکار ہوں گے، وقت کی تنگ دامانی کے باعث اس کی تفصیل یہاں نہیں کی جاسکتی۔

شاہ فیصل ایوارڈ کے علاوہ خدمت حدیث کے اعتراف میں شاہ خالد مرحوم کی طرف سے ۱۹۸۲ء میں آپ کو میڈل آف میرٹ فرسٹ کلاس سے بھی سرفراز فرمایا گیا۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ڈاکٹر اعظمیؒ کی تمام خدمات کو شرف قبول بخشیں، اور انہیں جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام پہ فائز فرمائیں. **آمین یا رب العالمین**...

آغاز اسلام میں جزیرۃ العرب کی تمدنی وثقافتی سرگرمیاں

(ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ کی کتاب "دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه" کے ایک باب کی روشنی میں)

مولانا جمیل احمد نذیری، مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ، مبارکپور اعظم گڈھ

محدث کبیر مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نور اللہ مرقدہ کی پی ایچ ڈی کا مقالہ جو اہم اضافوں کے ساتھ عربی زبان میں منتقل ہوکر "دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه" کے نام سے موسوم ومطبوع ہے۔

یہ کتاب بحث وتحقیق کے معاصر اُسلوب میں ان کی ایک شاہکار تصنیف ہے، جو ۷۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں موصوف نے احادیث کریمہ پر مستشرقین کے مختلف اعتراضات کا مدلل جواب بھی دیا ہے۔

اس کتاب کا ایک باب ہے: "**النشاط الثقافي في الجزيرة العربية في العصر الجاهلي وصدر الإسلام**" جو کتاب کے صفحہ ۴۴ سے ۷۰ تک پھیلا ہوا ہے، اور کتابت حدیث کے سلسلے میں مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات کی گویا تمہید ہے۔

اس باب میں سب سے پہلے انہوں نے یہ بتایا ہے کہ زمانۂ جاہلیت ہی اور آغاز اسلام میں عربوں میں وہ لوگ کاملین میں شمار ہونے لگے، جو لکھنا پڑھنا اور تیر اندازی جانتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکھنے پڑھنے کی اہمیت سے واقف تھے؛ لیکن ادھر توجہ زیادہ نہیں تھی، غالبًا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں لکھنے پڑھنے کی ضرورت بہت کم پڑتی تھی۔

فتوح البلدان میں ہے کہ جب اسلام آیا تو مکہ مکرمہ میں ۱۷/ افراد لکھنا جانتے تھے، یہ تعداد قلت کو بتاتی ہے مگر سارے افراد کا احصاء نہیں کرتی؛ کیونکہ اس فہرست میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور سفیان بن حرب وغیرہ کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ دوسری طرف لکھنا جاننے والی عورتیں مثلاً اُم

المؤمنین حضرت حفصہؓ، اُم کلثوم بنت عقبہؓ، شفاء بنت عبد اللہؓ، عائشہ بنت سعدؓ، کریمہ بنت مقداد، اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ اور اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ بھی شامل ہیں۔

مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے قبائل میں لکھنے پڑھنے والے کم تھے، اور یہود میں بھی تھوڑے لوگ ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو علم کی نشر واشاعت کا ایک وسیع باب کھل گیا، اور رسول اللہ ﷺ نے تعلیم کا ایک ایسا نظام بنا دیا جس کی عالم میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

کتاب وسنت میں تعلیمی رہنمائی کی بعض مثالیں:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ایک جماعت پر ''تفقہ فی الدین'' کو فرض قرار دیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

''**وما كان المؤمنون لينفروا كافةً، فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون**''.[التوبة: ۱۲۲]

(اور مسلمانوں کو یہ بھی نہ چاہیے کہ جہاد کے واسطے سب کے سب نکل کھڑے ہوں، پس کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جہاد میں جایا کرے؛ تا کہ باقاعدہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں، اور تا کہ یہ لوگ اپنی اس قوم کو جبکہ وہ ان کے پاس واپس آئیں ڈرائیں؛ تا کہ وہ ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے احتیاط رکھیں۔)

رسول اللہ ﷺ تعلیم کی ترغیب یوں دیتے ہیں:

''**من سلك طريقاً يبتغي فيه علماً سهل الله له به طريقاً إلى الجنة**''. [المستدرك: ۱/۸۸-۸۹]

(جو ایسے راستے پر چلا جس میں وہ علم کو چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔)

رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی بھی ترغیب دی ہے کہ تعلیم مفت ہونی چاہیے، تعلیم کی راہ میں فقر رکاوٹ نہ بنے، چنانچہ عبادہ بن صامتؓ نے جب اپنے شاگرد سے ایک کمان ہدیۃً قبول کر لی، یہ بات ذہن میں رکھ کر کہ اللہ کے راستے میں اس کے ذریعہ تیر اندازی کروں گا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم

اس بات پر خوش ہو کہ یہی کمان تمہیں آگ کا طوق بنا کر پہنا دی جائے تو اس ہدیہ کو قبول کرلو'۔

رسول اللہ ﷺ نے اہل علم پر واجب کیا ہے کہ وہ اسے دوسروں تک پہنچائیں، اور اس کی ترغیب بھی دی کیونکہ انہیں اس پر آخرت میں جزا ملنے والی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه، فرب مبلغ أحفظ له من سامع''. [الدارمي: ١/٧٥]

(اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداب وتروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی کوئی حدیث سنی پھر اسے یاد کیا اور دوسروں تک پہنچادیا، بعض وہ شخص جن تک حدیث پہنچائی جائے، سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وإذ أخذ الله ميثاق الذين أوتوا الكتاب لتبيننه للناس ولا تكتمونه''. [آل عمران: ١٨٧]

(اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالی نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کردینا، اور اس کو پوشیدہ مت کرنا۔)

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''من سئل عن علم ثم كتمه ألجم يوم القيامة بلجام من نار''.

(جس سے کسی علم کی بات پوچھا گیا، پھر اس نے اس کو چھپالیا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔)

یہ وہ بعض تعلیمی نظریات ہیں، جن کی بازگشت زندگی کے میدان میں بہت دور تک سنائی دی۔

رسول اللہ ﷺ کے تعلیمی نظریات کے عملی مظاہر:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد جو سب سے پہلا کام کیا، وہ تعمیر مسجد کا تھا، اس مسجد کا ایک حصہ تعلیمی اغراض کے لیے مخصوص کیا گیا، جسے صفہ کہا جاتا تھا۔ ہم اسے اسلام کی پہلی ''اندرونی یونیورسٹی'' کہہ سکتے ہیں، جو غریب طلباء کا ٹھکانہ بھی تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے کچھ حضرات کو پڑھائی اور لکھائی کی تعلیم پر مامور کردیا؛ چنانچہ عبداللہ بن سعید بن

العاصؓ لکھنا سکھاتے تھے، اور عبادہ بن صامتؓ پڑھنا اور لکھنا دونوں سکھاتے تھے۔ آپ ﷺ نے بعض اسیران بدر کفار کو بھی فدیہ کے بجائے مسلمان بچوں کو لکھنا سکھانے کا پابند کیا تھا، اُبی بن کعبؓ کو تعلیم قرآن پر لگایا۔

علماء اُمت نے اس دینی مدرسے کے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں؛ چنانچہ ابو عبد الرحمٰن اسلمی نے ''تاريخ أهل الصفة'' لکھی اور ابو سعید بن اعرابی نے بھی ''تاريخ أهل الصفة'' کتاب لکھی۔ ابو نعیم نے ''حلية الأولياء'' میں ان دونوں کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

ابو نعیم کہتے ہیں کہ اہل صفہ کی تعداد مختلف احوال واوقات میں مختلف ہوتی رہی، ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ اہل صفہ کی مجموعی تعداد چار سو تک پہنچی، اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ سات سو۔

رسول اللہ ﷺ نے اہل صفہ کو مہاجرین وانصار پر تقسیم کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا: جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو لے جائے اور رسول اللہ ﷺ خود دس کو لے گئے۔

ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہؓ ہر رات اہل صفہ میں سے اسّی کو اپنے گھر لے جاتے اور شام کا کھانا کھلاتے۔

صفہ کے علاوہ بھی تعلیم گاہیں تھیں، مثلاً ابن سعد کہتے ہیں کہ ابن ام کلثوم بدر کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے اور ''دار القراء'' میں اترے، دار القراء مخرمۃ بن نوفل کا گھر تھا۔

مدینہ میں نو مسجدیں تھیں، اندازہ یہ ہے کہ یہ سب تعلیم کے طور پر استعمال کی جاتی تھیں، ان کے علاوہ آپ ﷺ نے تعلیم دین کے لیے دوسرے مقامات پر اصحاب کرام بھیجے۔

مکہ فتح ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ تو مدینہ واپس آ گئے مگر عتاب بن اسید کو مکہ کی ذمہ داری ڈال دی اور معاذ بن جبلؓ کو بھی انہی کے ساتھ مکہ میں چھوڑ دیا کہ وہ لوگوں کو دین سکھائیں اور قرآن کی تعلیم دیں۔

نجران، یمن، حضر موت وغیرہ میں بھی صحابہ کرامؓ کو اسی کام کے لیے بھیجا، رسول اللہ ﷺ کے ہجرت مدینہ کے کچھ ہی عرصہ بعد آیت ''مداینہ'' نازل ہوئی، جس میں مسلمانوں سے کہا گیا کہ اپنے تجارتی معاملات لکھ لیا کریں۔

اس بات کی بہت ہی واضح دلیل کہ مسلمانوں میں لکھنا پڑھنا بہت زیادہ رائج ہو چکا تھا، یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس وقتی یا دائمی لکھنے والے تقریباً پچاس کی تعداد میں تھے۔

قرآن لکھنے کے لیے بھی کاتبین تھے مثلاً حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، زید بن ثابتؓ اور ابی بن کعبؓ۔ اموال صدقات لکھنے کیلئے بھی کاتب تھے جیسے زبیر بن العوامؓ اور قرض و دیگر معاملات لکھنے کیلئے بھی کاتب تھے مثلاً عبداللہ بن ارقمؓ اور حذیفہ بن الیمانؓ اور رسول اللہ ﷺ کے مالِ غنیمت کے لکھنے کیلئے معیقیب بن ابی فاطمہ دَوسیؓ تھے اور حضرت حنظلہؓ بھی تھے، دیگر کسی بھی کاتب کے نہ ہونے کی صورت میں یہی اس کے لکھنے والا کام بھی کرتے تھے، انہی کے پاس رسول اللہ ﷺ کی مُہر رہا کرتی تھی۔

یہاں تک کہ دیگر قوموں (یہود و نصاریٰ) سے خط و کتابت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم فرمایا کہ سریانی زبان سیکھ لو؛ چنانچہ انہوں نے سیکھی اور اس زبان کے خطوط و تحریریں رسول اللہ ﷺ کو پڑھ کر سناتے اور جواب بھی لکھ کر بھیجتے۔

مولانا مصطفیٰ الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ دینی موضوعات پر کتابوں کے علاوہ غیر دینی موضوعات مثلاً اشعار کی جمع و تدوین، کتب امثال، قبل اسلام کی تاریخ عرب، کتب انساب، کتب طب، قیمتی پتھروں عقیق و زبرجد وغیرہ کے خواص پر بھی مسلمانوں نے کتابیں تصنیف کیں۔

پھر لکھتے ہیں کہ یہ تو نہایت بعید ہے کہ مسلمان جزوی معاملات و غیر دینی معاملات تو لکھیں اور کتابت حدیث جیسے اہم موضوع سے غفلت برت جائیں۔

موصوف نے بہت سے مستشرقین کی آرا نقل کی ہیں اور کتابت حدیث سے متعلق غلط اقوال و آرا پر شدید نقد کیا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا تعلیمی نظام اُمید کے مطابق بہت جلد بہترین ثمرات لایا، اور بہت سے کاتبین، مؤلفین، معلمین اور ادارے وجود میں آ گئے، اور ایک صدی بھی نہ گزری تھی کہ کتابیں اور کتب خانے پائے جانے لگے۔

پھر جب معاملہ یہ ہے، اور مسلمانوں کے پاس، کتابت حدیث کے وسیع احکامات بھی پائے جاتے تھے، تو کیا یہ احکامات علم حدیث کو محفوظ کرنے کے لیے کافی نہیں تھے، اور کیا کوئی اور مانع تھا جس کی وجہ سے وہ کتابت حدیث پر قادر نہ ہو سکے، ہم اگلے ابواب میں انہی سوالوں کا جواب دیں گے...... چنانچہ اگلے مباحث میں موصوف نے اس سلسلے کی بے حد قیمتی تفصیلات پیش کر کے کتابت حدیث اور تدوین حدیث کے متعلق مستشرقین کے شبہات کا علمی رد کیا، اور مستشرقین کی اسلام مخالف ذہنیت کو آشکارا کیا ہے۔

نقد حدیث کا استشراقی منہاج
اور ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ

مولانا نسیم ظہیر اصلاحی، استاذ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڈھ

زیر نظر مقالہ، یک روزہ سمینار بعنوان ''ڈاکٹر مولانا محمد مصطفیٰ الاعظمی: حیات وخدمات'' منعقدہ ۱۸/ مارچ ۲۰۱۸ء، بہ مقام: تعلیم الدین نسواں ڈگری کالج، پہاڑ پورہ، مئو زیر اہتمام انجمن طلبۂ قدیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر شاخ مئو، میں مقالہ نگار کے ذریعہ پیش کیا گیا، افادہ عامہ کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔...(نائب مدیر)

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مغربی علماء نے جنہیں مستشرقین کہا جاتا ہے، اسلامی علوم کی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ یہ مستشرقین زیادہ تر یہودی النسل تھے یا پھر عیسائیت سے وابستہ تھے۔ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ ان کی سعی وکاوش کے طفیل اسلامی دنیا کے بہت سے علمی نوادر جو نقش ونگارِ طاق نسیاں بن چکے تھے، از سر نو اجاگر ہوگئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے علوم وفنون کے نادر ونایاب کتابوں کی فراہمی، تلاش وتحقیق اور تصحیح وتحشیہ میں بڑی محنت اور عرق ریزی کا مظاہرہ کیا۔ اسلامی علمی سرمایہ سے ان کی دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایئے کہ مستشرق مارگولیتھ نے مسند امام احمد بن حنبلؒ کی چھ ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا تھا؛ جس کی توفیق اکثر مسلم علماء کو بھی نہیں ہوئی ہوگی۔

یہ صحیح ہے کہ اکثر بحث وتحقیق کرنے والوں سے کچھ غلطیاں ہوجاتی ہیں۔ اسلامی ودینی سرمایۂ علمی کی تحقیق ومطالعہ کے دوران مستشرقین سے بھی غلطیاں ہوئیں؛ لیکن ان کی اکثر غلطیاں دیدہ ودانستہ اور ان کے عناد وتعصب کا نتیجہ ہیں؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی اکثر تحقیق کے پردے میں بسا اوقات انتہائی خطرناک مقصد پنہاں ہوتا ہے، جس کے لیے وہ کتمان حق، تلبیس وتدلیس اور فریب دہی سے کام لیتے ہیں۔ اس تعلق سے مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

''ان کی تحقیقات اور بحث واستنباط کے نتائج کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تصنیفات کو پڑھنے اور ان کے علوم کو سیکھنے کا کام ہی اس لیے کیا گیا کہ مسلمانوں کے علوم وفنون، تاریخ وتمدن، قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کو اعتراضات کا نشانہ بنا کر مسلمانوں کو گمراہی اور شک وشبہہ میں ڈالا اور ان کے علوم ومعارف سے بے گانہ کر دیا جائے۔ اور اس میں شبہہ نہیں کہ ان کے یہ اعتراضات نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں ہی میں نہیں بلکہ بعض علمائے اسلام میں بھی سرایت کر گئے ہیں۔'' (اسلام اور مستشرقین: ۲/۷)

تحریک استشراق نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں شہرت حاصل کی۔ اس عرصہ میں مستشرقین نے اسلام کے دونوں مآخذ قرآن وسنت، نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس، مسلمانوں کی تہذیب وتمدن اور ان کے علوم وفنون سے متعلق جو کچھ لکھا وہ زیادہ تر منفی نوعیت کے تھے، اس لیے اس نے فکر اسلامی کے ماہرین کو اپنی طرف متوجہ کیا؛ چنانچہ بہت سے علماء اسلام تحریک استشراق کا مقابلہ اور دفاع کے لیے آگے آئے۔ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے رسالہ ''اسلامیات اور مغربی مستشرقین اور مسلمان مصنفین'' میں اس موضوع سے متعلق مسلمان علماء ومصنفین کی علمی وتحقیقی کاوشوں کا وسیع جائزہ لیا ہے۔ یہ بات آپ حضرات کے لیے یقیناً باعث مسرت ہوگی کہ تحریک استشراق کا مقابلہ کرنے والوں کی اپنی طویل فہرست میں، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کا نام نامی بھی مولانا مرحوم نے شامل کیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''اس سلسلے میں ڈاکٹر مصطفی اعظمی کی خدمات سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ جنہوں نے ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیقات کو تاریخی دستاویزات اور شہادتوں سے اور زیادہ مدلل اور محکم بنا دیا۔ اور (ابتدائی ذخائر حدیث کے مطالعے) لکھ کر اس علمی دعوی کو زیادہ تفصیل اور مدلل طور پر ثابت کر دیا کہ تدوین حدیث کا کام مسلسل جاری رہا اور اس کی عمر اس سے کہیں زیادہ ہے، جتنی بتائی جاتی ہے۔'' (ص:۳۵)

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے کیمبرج یونیورسٹی میں اپنی تحقیق کے لیے یہی ''ابتدائی ذخائر کا مطالعہ'' بطور موضوع اختیار کیا۔ مغرب کی ایک اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹی میں اس موضوع پر ریسرچ کے پیچھے یقیناً یہ مقصد کارفرما رہا ہوگا کہ وہاں رائج منہج تحقیق کو کام میں لاتے ہوئے، اسی زبان اور اسی اسلوب وانداز میں جو وہاں معروف اور معتبر تھا، حدیث نبوی کا تاریخی تسلسل ثابت کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے انہی مستشرقین کی

زبان میں اور انہی کے علمی و تحقیقی منہاج و معیار پر تدوین حدیث کو اس طرح ثابت کر دیا کہ کسی سنجیدہ مزاج اور حقیقت پسند کے لیے انکار کی گنجائش نہیں رہی۔ اس علمی و معیاری تحقیق کا عربی ترجمہ کسی قدر اضافہ کے ساتھ بعد میں ''**دراسات في الحديث النبوي و تاريخ تدوينه**'' کے نام سے شائع ہوا اور علمی حلقوں میں مقبول ہوا۔

ڈاکٹر اعظمی نے اپنی ایک اور کتاب میں مستشرقین کی دسیسہ کاریوں کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اس کا نام ہے ''**أصول الفقه المحمدي للمستشرق شاخت – دراسة نقدية**''۔ مشہور مستشرق جوزف شاخت کا یہ دعوی ہے کہ وہ حدیثیں جن سے فقہی اور قانونی احکام مستنبط ہوتے ہیں وہ سب کی سب فرضی اور فقہاء کی گھڑی ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر اعظمی نے اس کتاب میں اس کے اس نظریہ کی زبردست تردید کی ہے۔

ڈاکٹر اعظمی نے اپنی اول الذکر کتاب میں بھی دیگر مستشرقین کے ساتھ ساتھ مستشرق شاخت کے نظریۂ حدیث سے بطور خاص بحث کی ہے۔ ان کی طویل بحث کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شاخت کا نظریۂ حدیث بنیادی طور پر تین اہم نکات پر مشتمل ہے:

۱- احادیث کا سلسلۂ اسانید وضعی اور بعد کی ایجاد ہے۔

۲- فقہی حدیثیں وضع کی گئیں اور اپنی ذاتی و مسلکی رایوں کو متقدمین؛ بلکہ رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

۳- احادیث نبوی کے خلاف اصحاب فقہ کی جانب سے سخت مزاحمت ہوئی۔

ان تینوں بنیادی نکات پر ڈاکٹر اعظمی نے جو معرکۃ الآراء گفتگو کی ہے، اس کی مختصر اور جزوی تفصیل پیش کرنا اس وقت پیش نظر ہے۔

سنت اور مستشرقین:

حصول مقصد کے لیے سب سے پہلے ''سنت'' کا مفہوم بدلنے اور اس کی غلط تعبیر کرنے کی کوشش کی؛ چنانچہ ان کا عام خیال یہ ہے کہ صدر اول میں اسلامی معاشرہ کے اندر رائج طور طریق اور عرف و عادات کو ''سنت'' سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے۔ انہیں چیزوں کو بعد میں حضرت محمد ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ اس لیے کسی مستشرق نے سنت کی تعریف ''**الأمر المثالي للمجتمع**'' کے الفاظ سے کی تو کسی نے

''الأمر العرفي'' سے اس کی تعبیر کی اور کسی نے ''الأمر المجتمع علیه'' یا ''الأعراف السائدة'' کے الفاظ سے اس کو بیان کیا۔ ایک مستشرق عالم نے تو یہ دلچسپ بات کہی کہ ''سنت'' ایک مشرکانہ اصطلاح ہے، جسے بعد میں اسلام نے افعال نبی کے لیے خاص کرلیا۔ (دراسات في الحديث النبوي: ٢)

مستشرقین کے نزدیک سنت کا نبی کریم ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں شریعت اسلامی کا دوسرا بنیادی ماخذ سنت کی حقیقت اور اس کی اصطلاحی تعبیر بعد کی پیداوار ہے۔ مستشرقین کے اس خیال کی بنیاد صحابہؓ و تابعینؒ کے بعض ایسے اقوال وآثار پر ہے، جن میں اس طرح کے الفاظ آئے ہیں:

''سنة رسول الله، سنة نبيه، كتاب الله وسنة نبيه، عملاً بالكتاب والسنة''.

ڈاکٹر اعظمی کہتے ہیں کہ مستشرقین کے پیش کردہ ان شواہد میں، اس طرح کے الفاظ ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ سنت کا نبی ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے- سنت نام ہے اسلامی سماج میں رائج عرف ومعمول کا اور یہ دعویٰ کرنا کہ شریعت اسلامی کا مصدر ثانی ''سنت'' کا عہد اول میں تعین نہیں ہوا تھا، یہ بعد کی درآمد شدہ چیز ہے، آنکھ میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے- اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ ابتدائے عہد اسلامی میں لفظ سنت، مسلم سماج کے مالوفات ومعروفات کے لیے بولا جاتا تھا تو ایسا بہت کم اور شاذ ونادر ہوتا تھا؛ لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ انہی چیزوں کو بعد میں نبی ﷺ سے منسوب کردیا گیا؟ جو ثبوت پیش کئے جارہے ہیں، وہ تو الٹے اس دعویٰ کی نفی کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ''أ فرسول الله أحق أن تتبعوا سنته أم سنة عمر؟'' تو اس قضیہ میں قول فیصل رکھتا ہے۔ اس نے سنت رسول اور غیر سنت رسول کے مابین واضح فرق اور امتیاز قائم کر دیا ہے کہ دونوں سنتوں کے مابین اختلاف وتعارض کی صورت میں، سنت رسول واجب الاتباع اور غیر سنت رسول واجب الترک ہوگی۔ اگر عرف عام اور سماج کے مألوفات کی تقلید کا نام سنت ہے تو پھر ابن عمر کے مذکورہ قول کا کیا مطلب ہوگا؟

ڈاکٹر اعظمی نے جاہلی کلام، قرآن مجید اور آثار واحادیث کے متعدد استعمالات کی روشنی میں واضح کیا کہ سنت کا لغوی معنی: طریقہ، عادت اور سیرت واخلاق کے ہیں۔ اسلامی نصوص میں بھی یہ لفظ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ابتدائے عہد اسلامی سے ہی یہ لفظ طریقۂ رسول کے لیے بطور اصطلاح بھی استعمال ہونے لگا تھا؛ لیکن ایسا نہیں ہے کہ اصطلاح بن جانے کے بعد اس کا لغوی

معنی باطل اور معدوم ہو گیا؛ بلکہ اس مفہوم میں بھی اس کا استعمال باقی ہے، گرچہ محدود پیمانے پر۔ اِس کا رسوم ورواج اور مشرکانہ اصطلاح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (ایضاً ص:۵،۱۱)

سندوں کی اصلیت:

حدیث کی سندوں کے بارہ میں مستشرقین کا عام خیال یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے ساٹھ ستر سال بعد تک ان کے استعمال کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ عروہ بن زبیرؒ سب سے قدیم شخص ہیں، جنہوں نے حدیثوں کے جمع کرنے کا اہتمام کیا؛ لیکن وہ سند بیان نہیں کرتے تھے، بطور ثبوت تاریخ طبری میں منقول ان کی بعض مرویات پیش کی جاتی ہیں کہ وہ سندوں سے خالی ہیں، اس بنیاد پر وہ دعوی کرتے ہیں کہ عروہ بن زبیرؒ کی طرف منسوب سندیں جعلی ہیں اور بعد کی ایجاد کردہ ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دوراول کے قدیم فقہاء بھی اپنی تالیفات میں سند بیان کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے۔ دوسری تیسری صدی ہجری میں محدثین نے سندوں کو گھڑا اور ایجاد کیا۔ جوزف شاخت -جس کے نظریات کی تردید بطور خاص ڈاکٹر اعظمی کے پیش نظر ہے- کا خیال ہے کہ سندوں کا رواج بعد میں دھیرے دھیرے اس طرح بڑھا اور پروان چڑھا جب مختلف طبقات اور مکاتب فکر میں اپنے خیالات اور نظریات کو کسی قدیم اور بڑی شخصیت کی طرف منسوب کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر اعظمی کہتے ہیں کہ عروہؒ کی مرویات صرف تاریخ طبری ہی میں نہیں؛ بلکہ حدیث کی بعض ایسی کتابوں میں بھی ہیں جو تاریخ طبری سے زیادہ قدیم اور مقدم ہیں۔ ان کتابوں میں عروہؒ نے اپنی سند بیان کی ہے، جس طریق سے طبری نے عروہؒ کے بعض اقتباسات نقل کیے ہیں، اسی طریق سے آنے والے ایک اقتباس میں عروہؒ نے بطور ماخذ حضرت عائشہؓ کا نام لیا ہے۔ (ڈاکٹر اعظمی نے یہاں مسند احمد: ۲۱۲/۴ کا حوالہ دیا ہے، راقم نے جب مسند احمد سے رجوع کیا تو وہاں ایسی کوئی چیز نہیں ملی)

ڈاکٹر اعظمی کہتے ہیں کہ عروہ سے متعدد لوگوں نے روایتیں لی ہیں، جن میں ایک ابن شہاب زہریؒ بھی ہیں اور جب ابن شہاب کی عروہ سے روایت پر نظر ڈالی گئی تو وہاں سندوں کا ذکر موجود ملتا ہے۔ بطور مثال مسند احمد بن حنبلؒ: ج ۴، صفحات: ۳۲۳، ۳۲۶، ۳۲۸، ۳۳۱ ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ اس سے مستشرقین کے اس دعوی کی تردید ہو جاتی ہے کہ عروہ نے سندوں کا استعمال نہیں کیا ہے۔

ابن سیرینؒ کا ایک قول:

چونکہ مستشرقین کے گمان میں سندوں کا رواج دوسری تیسری صدی ہجری میں رواج پایا اور پروان چڑھا؛ اس لیے وہ ہر اس چیز کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے ان کے مزعومہ کی تردید ہوتی ہو، مثلاً صحیح مسلم کے مقدمہ میں مشہور تابعی محمد بن سیرین کا یہ قول مذکور ہے ''**لم یکونوا یسألون عن الإسناد فلما وقعت الفتنة سموا لنا رجالکم**'' یعنی سندوں کا مطالبہ اور اس کی تحقیق کا سلسلہ فتنہ کے بعد شروع ہوا؛ اس لیے کہ اب حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ بغیر بحث و تحقیق کے کسی کو ثقہ قرار دینا مشکل تھا، چونکہ اس اثر سے مستشرقین کے مذکورہ خیال کی نفی ہوتی ہے؛ اس لیے مستشرق شاخت نے دجل وفریب سے کام لیتے ہوئے اسے محمد بن سیرین کا قول ہی ماننے سے انکار کر دیا۔

شاخت کہتا ہے کہ وہ فتنہ جو ۱۲۶ھ میں ولید بن یزید کے انتقال کے بعد پیدا ہوا، وہ اس اعتبار سے تاریخی اصطلاح بن گیا کہ وہ قدیم بہترین زمانہ جس میں سنت نبوی کی پاسداری اور دین داری غالب تھی اب وہ ختم ہو گیا؛ اس لیے یہاں فتنہ سے مراد یہی ۱۲۶ھ کا فتنہ ہے۔ جب کہ ابن سیرین کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی ہے؛ اس لیے مذکورہ قول کی ابن سیرین کی طرف نسبت صحیح نہیں ہو سکتی۔

ڈاکٹر اعظمی کہتے ہیں کہ لفظ ''فتنہ'' کی یہ تعبیر خود ساختہ اور ان کی خواہش کے تابع ہے، ورنہ حقیقت میں تاریخ اسلام میں کہیں یہ مذکور نہیں ہے کہ ۱۲۶ھ تبدیلی اور انقلاب احوال کا مرکزی نقطہ اور قدیم اچھے زمانہ کی انتہا ہے۔ اگر ایسا کوئی وقت یا زمانہ اس وصف سے متصف قرار دیا جا سکتا ہے تو وہ مسلمانوں کے نزدیک خلفائے راشدین کا عہد ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ اسلام میں، اس سے قبل پیش آنے والے کئی فتنوں کا ذکر ملتا ہے، مثلاً فتنۂ ابن الزبیرؓ اور اس سے پہلے حضرت علیؓ و معاویہؓ کے مابین اٹھنے والا فتنہ، تو پھر اثر مذکور میں، مذکور فتنہ سے ولید بن یزید کے قتل کے بعد کے واقعات مراد لیے جانے کی کیا بنیاد ہے؟ اگر تاریخی حقائق کو دیوار پر مار کر اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق حادثات و واقعات کی تعبیر کرنی ہو تو پھر کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہاں فتنہ سے مراد فتنۂ ہلاکو اور فتنۂ تاتار ہے۔ فتنہ کی مذکور تعبیر تمام تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ مستشرقین کا یہی طریقہ ہے کہ وہ تمام تاریخی حقائق کو نظر انداز کر کے عمداً وقصداً حادثات و واقعات کی اپنی مرضی کے مطابق ایسی تعبیر و توجیہ کرتے ہیں جن سے ان کا مقصد حاصل ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ وہ فتنہ جس کی طرف ابن سیرینؒ کے اثر میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ فتنۂ علیؓ و معاویہؓ ہے؛ اس لیے کہ پہلی صدی ہجری کے نصف تک جب صحابۂ کرام کی بڑی تعداد فوت ہو چکی تھی اور جن لوگوں نے

نبی پاک ﷺ کو دیکھا نہیں تھا وہ نبی ﷺ کے حوالہ سے باتیں بیان کرنے لگے تو ممکن ہے لوگوں نے ان سے پوچھنا بھی شروع کیا کہ یہ باتیں آپ کو کہاں سے معلوم ہوئیں؟ اس لیے عین ممکن ہے کہ سند یا ماخذ ومصدر دریافت کرنے کی ابتدا اسی قرن اول کے نصف سے ہوئی ہو جیسا کہ بعض مستشرقین کا بھی یہی خیال ہے؛ لیکن اس عہد تک پہنچنے سے قبل قرن اول کے چوتھے دہے میں حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کا سیاسی حادثہ پیش آ گیا اور سیاسی میدان میں وضع حدیث کا آغاز ہو گیا، چنانچہ دوران جنگ سیاسی مقصد سے بہت سی حدیثیں گھڑی گئیں پھر وضع حدیث کا سلسلہ چل پڑا؛ اس لیے اب ضروری تھا کہ محدثین قبول حدیث میں زیادہ سے زیادہ احتیاط برتتے، حدیثوں کے ذرائع اور ان کی ثقاہت کا پتہ لگاتے، حالات کا نیا موڑ نہایت مضبوط قرینہ ہے کہ یہاں فتنہ سے یہی فتنہ مراد لیا جائے۔

ڈاکٹر اعظمی کہتے ہیں کہ اس خیال کی تائید خود ابن سیرین کے مذکورہ قول سے بھی ہوتی ہے، ابن سیرین کی طرف اس قول کے انتساب کی صحت میں کسی شک وشبہہ کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ ابن سیرین کے الفاظ ایک ایسے طریقہ کا پتہ دیتے ہیں جو ان سے پہلے وجود میں آ چکا تھا، انہوں نے غائب کی ضمیر اور ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے، جو اس بات کا اشارہ ہے کہ سند کا رواج ان سے پہلے ہو چکا تھا اور آج بھی یہ چیز رائج اور عام ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں ''ما كانوا يسألون'' یعنی ''لوگ سندوں کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے''، انہوں نے یہ نہیں کہا ہے ''لم يكن الإسناد موجوداً'' اس سے واضح ہوتا ہے کہ سندیں تو پہلے موجود تھیں؛ البتہ لوگ بہت زیادہ تحقیق وتفتیش نہیں کرتے تھے، راوی کو اختیار ہوتا کہ وہ چاہے اپنے شیخ کا نام لے یا نہ لے۔

مالك عن نافع عن ابن عمر کی صحت:

مالک عن نافع عن ابن عمر کی یہ سند محدثین کے نزدیک اصح الاسانید یا سلسلۃ الذہب کہلاتی ہے؛ لیکن مستشرق شاخت اس سند کو صحیح نہیں سمجھتا، اس پر اس کا اعتراض دو پہلوؤں سے ہے، ایک امام مالکؒ کی عُمر، دوسرے ابن عمرؓ سے نافع کے تعلق کے پہلو سے ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ نافع کی وفات تقریباً ۱۱۷ھ میں ہوئی اور امام مالک کی ۱۷۹ھ میں، اس اعتبار سے نافع کی وفات کے وقت امام مالک کی عمر لگ بھگ پندرہ سال ہوتی ہے، جو ایک بچے کی عمر سے تھوڑا زیادہ ہے، تو کیا ایک ایسے کمسن کے لیے ممکن ہے کہ وہ نافع کی طرف منسوب تمام مجموعہ ہائے حدیث کو اخذ ومحفوظ کر سکے؟ یہ واضح رہے کہ شاخت نے یہ بھی صراحت کی

ہے کہ امام مالک کی تاریخ ولادت کے متعلق کوئی باوثوق چیز موجود نہیں ہے۔

ڈاکٹر اعظمی لکھتے ہیں کہ کس قدر بوالعجبی ہے کہ ایک طرف یہ اعتراف کیا جاتا ہے کہ امام مالک کی صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں ہے اور دوسری طرف یہ فیصلہ بھی کر دیا جاتا ہے کہ نافع کی وفات کے وقت یعنی ۱۱۷ھ میں وہ پندرہ سال کے لڑکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب مزید یہ فرماتے ہیں کہ کتب طبقات وتراجم کی طرف اگر وہ رجوع کرتے تو ان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ خود امام مالک کے معاصرین نے صراحت کی ہے کہ امام صاحب کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی، جب کہ بعض نے ۹۴ھ تو کسی نے ۹۰ھ کو ان کا سال ولادت قرار دیا ہے۔ کسی نے ۹۷ھ کے بعد ان کی ولادت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اگر ۹۷ھ کو ہی تسلیم کر لیا جائے تب بھی نافع کی وفات کے وقت امام مالکؒ کی عمر بیس سال بنتی ہے، جب کہ صحیح یہ ہے کہ ان کا سال ولادت ۹۳ھ ہے، اس طرح نافع کی وفات کے وقت امام مالک کی عمر چوبیس سال قرار پاتی ہے، نہ کہ پندرہ سال؛ اس لیے شاخت کی مذکورہ بات بالکل لغو اور خلاف واقعہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب مزید یہ کہتے ہیں کہ امام مالک نے نافع سے کل ۸۰/ مرفوع وموصول حدیثیں اور تقریباً اتنے ہی آثار نقل کیے، جو مکتوب کی شکل میں تیس صفحات سے زیادہ نہیں ہیں۔ نافع اور مالک دونوں ہی مدینہ میں ساتھ ساتھ رہے، تو چوبیس سال کی عمر میں اس معمولی مقدار کا اخذ وروایت کرنا کون سا عجوبہ اور مشکل بات ہے؟ جب کہ ہمارے اس زمانہ میں اس عمر کے بہت سے لوگ پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کر لیتے ہیں۔

اس سند پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نافع، ابن عمر کے مولیٰ یعنی آزاد کردہ تھے۔ یہ فرق مرتبہ اس امر میں حارج ہے کہ نافع، ابن عمرؓ کے قریب ترین شاگرد پھر ان کے جانشین ہو جائیں؛ اس لیے ابن عمرؓ سے نافع کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

دکتور اعظمی کہتے ہیں کہ جب نافع کے معاصرین اور ان کے معاً بعد کے لوگ اس بات کی توثیق کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے روایت کرنے والوں میں نافع سب سے زیادہ قابل اعتماد لوگوں میں ہیں تو پھر ان کو ضعیف اور ساقط الاعتبار قرار دینے کی کوئی وجہ اور معقول دلیل نہیں ہے۔ اگر کسی کے بارے میں اس کے سب سے قریبی، اس کو سب سے زیادہ جاننے والے اور سب سے زیادہ تعلق رکھنے والے کی تعدیل یا تجریح کا اعتبار نہیں ہو سکتا، تو پھر لوگوں کے بارہ میں کوئی حکم کیسے لگایا جائے گا؟ عدالت کا فیصلہ کیسے ہوگا،

سیرت و تاریخ کی تدوین کا کام کس اُصول پر انجام پائے گا؟

دوسری بات یہ ہے کہ ابن عمرؓ سے روایت کرنے والے تنہا نافع نہیں ہیں؛ بلکہ راویوں کی ایک بڑی تعداد ہے، جو ابن عمرؓ سے روایت کرتی ہے۔ اور ناقدین حدیث ایک شیخ کے شاگردوں کی روایات کا ایک دوسرے سے موازنہ و مقابلہ کرتے رہتے ہیں تاکہ ان پر کوئی حکم لگایا جا سکے۔ اب اگر کسی کے یہاں کوئی غلطی یا بالقصد جھوٹ کا ثبوت موجود ہو تو یہ ناممکن ہے کہ وہ تمام ناقدین خاموش رہیں اور اس کی تعریف کریں۔ یہ ناقدین ایسے بے لاگ ہوتے ہیں کہ اس باب میں اپنے باپ، بیٹے، بھائی اور اہل خاندان کے ساتھ بھی کوئی رورعایت نہیں کرتے۔

پروفیسر شاخت کے کچھ دعوے:

جوزف شاخت نے حدیثوں پر نقد کرتے ہوئے کچھ ایسی اُصولی اور بنیادی باتیں کہی ہیں، جن پر اس کے نقد حدیث کی عمارت قائم ہے۔ ڈاکٹر اعظمی نے عقلی بنیادوں پر بھی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں بھی، ان بنیادوں کو نہ صرف ہلا کر رکھ دیا ہے؛ بلکہ اس کی پوری عمارت کو زمیں بوس کر دیا ہے۔

پہلے شاخت کی ان باتوں میں سے چند باتیں ملاحظہ ہوں:

شاخت کا خیال ہے کہ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین نے اپنے عہد میں قضاۃ کا تقرر نہیں کیا، پہلے پہل اُموی خلفاء نے قضاۃ مقرر کیے، اور دوسری صدی ہجری تک ان قضاۃ کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا، یہ قضاۃ نیک اور دین دار ہوتے تھے اپنی دین داری کی وجہ سے ذاتی طور پر یہ لوگ چاہتے تھے کہ اسلامی نظام زندگی کا کوئی مربوط خاکہ مرتب کر دیں، یہ قضاۃ ایک دوسرے کے رابطہ میں بھی ہوتے تھے، چنانچہ ان کی کوششوں سے دوسری صدی کی ابتدائی دہائیوں میں متعدد فقہی مکاتب وجود میں آ گئے، یہ فقہی مکاتب قانون کے بنیادی نظریہ میں متفق الخیال تھے۔ اس نظریہ کا دار و مدار "عمل" یا "امر متفق علیہ" پر تھا، اور دو اہم نکتوں کے گرد گردش کرتا تھا:

۱- ماضی کے واقعات کو بغور دیکھنا اور ان پر غور و فکر کرنا۔

۲- عصری اور وقتی حالات و مسائل پر نظر رکھنا۔

شاخت کے مطابق ماضی کے واقعات "سنت" یا "عمل" کے لبادہ میں ظاہر کیے گئے۔

ماضی کی چیزوں کو سنت سے تعبیر کرنے کا نظریہ وقت اور حالات کے تقاضوں کے تحت ایجاد کیا گیا،

کچھ دوسرے خیالات چونکہ فقہاء کے خیالات تھے جو دوسری صدی ہجری کی ابتدائی دہائیوں میں وجود میں آئے تھے؛ اس لیے ان فقہاء کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے خیالات کو ماضی میں تلاش کریں اور ماضی کی کسی بڑی شخصیت کی طرف ان کا انتساب کریں، چنانچہ کوفہ والوں نے سب سے پہلے اپنی رایوں کو ابراہیم نخعی کے ساتھ منسوب کیا، پھر مدینہ والے بھی اسی راہ پر چل پڑے۔

فقہ اسلامی کے اساسی نظریہ کی ایجاد کے لیے اپنی آراء کو ماضی سے ہم آہنگ کرنے کے لیے صرف یہی نہیں کیا گیا کہ صرف ماضی قریب کی شخصیات کی طرف اپنے آراء ونظریات کو منسوب کیا گیا؛ بلکہ اس میں انتہائی غلو سے کام لیا گیا، یہاں تک کہ صحابہ کرام کی جانب بھی اپنے خیالات منسوب کیے جانے لگے، چنانچہ کوفہ والوں نے اپنے اس عمل میں عبداللہ بن مسعودؓ کو شامل کرلیا۔

شاخت کا دعوی ہے کہ فقہاء، خصوصاً فقہاء عراق، حدیثوں کے مقابلہ میں صحابہ کے اقوال وآثار کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے بعد شاخت نے یہ انکشاف کیا کہ دوسری صدی ہجری میں محدثین کا ظہور دراصل قدیم فقہ کے مختلف طبقات کے خلاف ایک طرح کا ردّعمل تھا، محدثین پر دین واخلاق کا اثر زیادہ تھا؛ اس لیے ان کی بنیادی سوچ یہ تھی کہ نبی ﷺ سے منقول آثار واحادیث کے لیے ضروری ہے کہ وہ فقہی سنتوں پر غالب رہیں؛ چنانچہ اس مقصد کے تحت محدثین نے تفصیلی حدیثیں وضع کیں اور دعوی کیا کہ یہ تمام حدیثیں نبی ﷺ کے اقوال وافعال یا ان کی تقریرات ہیں، یہ ساری چیزیں متصل سندوں اور معتبر راویوں کی زبانی ہم تک پہنچی ہیں۔ شاخت کہتا ہے کہ جب ایسا ہے تو ان میں سے کسی حدیث کو خصوصاً فقہی حدیثوں کو صحیح ومعتبر قرار دینا بڑا مشکل کام ہے۔

شاخت کہتا ہے کہ محدثین کے اس سخت طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام فقہی مکاتب فکر ان کے سخت مخالف ہوگئے؛ لیکن محدثین نے فقہاء کی شدید مزاحمت ومخالفت پر غلبہ پانے کی کامیاب کوشش کی، بالآخر فقہاء کو محدثین کا نظریہ قبول اور احادیث کی بالادستی منظور کرنی پڑی۔

شاخت کہتا ہے کہ ہم بغیر کسی تحفظ کے کہہ سکتے ہیں کہ شعبی (م ۱۱۰ھ) کے زمانہ تک فقہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ابراہیم نخعی نے عبادات اور بعض معمولی دینی مسائل میں اپنی رائے دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا۔ فقہی اور قانونی مسائل میں ان کی کوئی رائے نہیں ہے۔ (**لمحة عن نشاطات الفقهاء في القرنين الأول والثاني: ٤٤٠ - ٤٤٢**)

مستشرق شاخت کے یہ وہ کچھ بنیادی اور اُصولی نکات ہیں جن کی بنا پر وہ فقہی حدیثوں کو من گھڑت اور بعد کی ایجاد واختراع قرار دیتا ہے، ان نکات یا نام نہاد تحقیقات پر ڈاکٹر اعظمی کا استدراک ملاحظہ ہو۔

ڈاکٹر اعظمی نے پہلے تو مضبوط تاریخی شہادتوں سے شاخت کی اس کذب بیانی کا پردہ چاک کیا کہ قضاۃ کے تقرر کا عمل اُموی عہد سے شروع ہوا اور بتایا کہ قضاۃ کا تقرر عہد رسالت میں بھی ہوتا رہا اور زمانۂ خلفائے راشدین میں بھی، پھر اس کے مذکورہ بلند بانگ دعووں کی ہوا، اس کے اس دعوے کے ذریعہ نکال دی کہ امام شعبی (م ۱۱۰ھ) کے عہد تک فقہ کا وجود نہیں تھا، لکھتے ہیں:

شاخت کے مطابق امام شعبی (م ۱۱۰ھ) تک فقہ کا کوئی وجود نہیں ملتا؛ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۴۰ھ کے حدود میں فقہاء کے تیار کردہ ایسے فقہی لٹریچر موجود ملتے ہیں، جو فقہی جزئیات کے علاوہ حدیث نبوی کے اعتراف اور اس کی بالا دستی پر مشتمل ہیں۔ فقیہ الرای امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کا جو علمی تعلق حدیث سے ہے وہ مشہور ومعروف ہے، امام صاحب کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی، ان تاریخی حقیقتوں کی روشنی میں جب ہم شاخت کے مذکورہ دعووں پر نظر ڈالتے ہیں تو صرف تیس سال بچتے ہیں اور لازم آتا ہے انہی تیس برسوں میں وہ سارے واقعات پیش آئے ہیں جنہیں شاخت بیان کرتا ہے۔ یعنی ان تیس سالوں میں:

۱- قدیم فقہی مدارس کا ظہور۔
۲- تمام فقہی مدارس نے نشو ونما پاکر ترقی کی اور ان میں اجماع کا خیال پروان چڑھا۔
۳- کسی قدیم بڑی شخصیت کی طرف اپنے اقوال کو منسوب کرنے کا رواج پیدا ہوا، جیسے اہل عراق نے ابراہیم نخعی کی طرف اپنی رایوں کو منسوب کر دیا۔
۴- اس سے بھی زیادہ قدیم اشخاص کی طرف اپنی رایوں کو منسوب کرنا، مثلاً مسروق سے۔
۵- اس سے آگے بڑھ کر صحابۂ کرام، مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ سے انتساب کرنا۔
۶- اس میدان میں سب سے بڑی اور آخری تبدیلی یہ آئی کہ اپنے ذاتی اقوال نبی ﷺ کے اقوال کہے جانے لگے۔
۷- ان کوششوں کے رد عمل میں محدثین کا ظہور ہوا۔
۸- ان محدثین نے فقہاء کے رد میں نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی سیرت واخلاق اور ان کے افعال واقوال سے متعلق بڑی بڑی حدیثیں وضع کیں۔

۹- فقہاء کے اور محدثین کے درمیان کشمکش اور آویزش پیدا ہوئی۔

۱۰- نتیجتاً فقہاء کو شکست کھانی پڑی اور محدثین کا رسوخ اور سنت کی بالا دستی قائم ہوئی۔

ڈاکٹر اعظمی کہتے ہیں کہ تیس سال کی مختصر مدت میں ان سارے عوامل کا ظہور پذیر ہونا، ناممکن ہے۔ تحریک اور مخالف تحریک دونوں ایک ساتھ نہیں برپا ہوتیں، بلکہ دونوں میں زمانی بعد ہوتا ہے، جب ایک تحریک اپنی زندگی کا بڑا زمانہ گزار لیتی ہے، تب مخالف تحریک سر اٹھاتی ہے؛ اس لیے مخالف تحریک یعنی محدثین کا فقہاء کے مدمقابل کھڑے ہونے کا دعوی صرف خیالی بات اور خلاف عقل ہے۔ اسی طرح یہ بات کہ فقہاء اسلام کو سنت نبوی سے دشمنی تھی وہ حدیثوں کے بالمقابل صحابہ کے اقوال وآثار کو ترجیح دیتے تھے، فقہاء کی حدیثیں جھوٹی اور موضوع ہیں، یا یہ دعویٰ کہ فقہاء اور محدثین کے مابین محاذ آرائی پائی جاتی تھی، صرف ذہنی اختراع اور اسلامی معاشرہ کے مزاج سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہیں۔

شاخت کے مطابق ایک بھی کوئی فقہی حدیث ایسی نہیں پائی جاتی، جس کی نسبت رسول خدا کی طرف صحیح وثابت ہو۔ تمام فقہی مکاتب فکر احادیث نبوی کے بڑے مخالف تھے، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ امام شافعیؒ سے دو نسل قبل تک حدیثوں سے استدلال استثنائی اور شاذ امر تھا، مگر دوسری طرف وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ''کسی حدیث کا زمانۂ وضع معلوم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس حدیث کو فقہاء نے اپنی گفتگو میں ذکر کیا ہے یا نہیں، اگر فقہاء کی بحثوں میں اس حدیث کا ذکر نہیں ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اس حدیث کو بعد کے کسی زمانہ میں وضع کیا گیا ہے''۔

ڈاکٹر اعظمی کہتے ہیں کہ ان باتوں سے شاخت کی تضاد بیانی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے دعوی کے مطابق جب فقہاء احادیث نبویہ کے سخت مخالف تھے تو ان سے یہ امید کیوں کر کی جائے کہ باوجود مخالفت کے احادیث نبویہ کو اپنی گفتگو میں شامل کریں گے، اگر واقعی ان کی بحثوں میں حدیثوں کی شمولیت ضروری تھی تو پھر وہ حدیثوں کے اتنے شدید مخالف کیوں تھے؟ اس سے نہ صرف اس کی تضاد بیانی ظاہر ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حدیثوں سے فقہاء کی دشمنی کا دعوی محض فسانہ اور لغو ہے۔

ڈاکٹر اعظمی یہ بھی کہتے ہیں کہ وضع حدیث کی شاخت کا وہ پیمانہ جسے شاخت نے وضع کیا ہے، انسانی طبیعت ومزاج کے بھی خلاف ہے، کوئی بھی شخص یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ کسی زیر بحث موضوع سے متعلق تمام حدیثیں اس کے علم میں ہیں، کوئی ایک بھی حدیث اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہے، جب ایسا ہے تو کسی

حدیث کا کسی فقیہ کے یہاں ذکر نہ ہونا، اس کے حدیث نہ ہونے کی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟

شاخت نے اپنے مذکورہ دعوی یعنی ''کوئی بھی فقہی اور قانونی حدیث ایسی نہیں ہے جس کی نسبت رسول خدا کی طرف صحیح اور ثابت ہو'' کو ثابت کرنے کے لیے متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔ڈاکٹر اعظمی نے اس کی پیش کردہ ہر ایک مثال پر نہایت مدلل گفتگو کر کے اس کی بے اُصولی، واضح حقیقتوں سے چشم پوشی اور تضاد فکر وعمل واضح کیا ہے۔ان سب کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پہلی مثال:

وضع حدیث کے اثبات میں بطور مثال شاخت کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، حمادؒ، ابراہیم نخعیؒ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک حدیث پر عمل نہیں ہے، حالانکہ وہ حدیث ایک عراقی سند سے بھی امام شافعی کی کتاب الام میں موجود ہے، اس سے فقہائے عراق کا تضاد فکر وعمل ظاہر ہوتا ہے۔ابن مسعودؓ جو ان کا مرجع ومصدر ہیں، ان کا رجحان اور عمل اس حدیث کے خلاف ہے، پھر یہی حضرات ان کے رجحان وعمل کے خلاف روایت بھی نقل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر اعظمی کہتے ہیں کہ یہاں کیا دلیل ہے کہ یہ حدیث ابراہیم نخعی اور حماد کے درمیانی زمانہ میں وضع کی گئی؟ پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق سورہ ص میں سجدۂ تلاوت سے ہے، ابن مسعودؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے یہاں سجدہ نہیں کیا، جب کہ ایک روایت میں ہے جسے امام ابوحنیفہؒ، حماد عن عبدالکریم کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہاں سجدہ کیا۔یہی روایت ایک دوسری سند ''**عن ابن عيينه عن أيوب عن ابن عباس**'' سے بھی منقول ہے۔ایک تیسری سند سے بھی یہ حدیث منقول ہے ''**عن عمر بن جبير عن أبيه عن ابن جبير عن ابن عباس عن النبي ﷺ أنه سجدها**''. بات صرف اتنی ہے کہ یہ تینوں حدیثیں عبداللہ بن مسعودؓ کے عمل کے خلاف ہیں؛ لیکن اس چیز کو شاخت ان روایتوں کے وضعی اور من گھڑت ہونے کی دلیل بنا کر پیش کرتا ہے۔ڈاکٹر اعظمی کہتے ہیں:

یہاں چند باتیں قابل غور ہیں:

۱- شاخت کی گفتگو فقہی اور قانونی احادیث سے متعلق ہے، جب کہ اس حدیث کا تعلق قانون کے بجائے عبادت سے ہے؛ اس لیے یہاں اس کا ذکر غیر مناسب ہے۔(حدیثوں میں عبادت ومعاملات کی یہ تفریق شاخت کے لحاظ سے ہے، ورنہ ہمارے یہاں ان میں کوئی فرق نہیں ہے)

۲- اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے کسی بھی حدیث کا فوت ہونا محال ہے۔

۳- جب یہ حدیث ابن مسعود کے رجحان و عمل کے خلاف عراقیوں نے وضع کی، تو عراقیوں نے ابن عیینہ مکیؒ کو کس طرح آمادہ کرلیا کہ وہ ان کی مصلحت و مفاد کے موافق کوئی حدیث وضع کریں؟

۴- وہ کیا دلیل ہے کہ سفیان بن عیینہؒ، ایوب سختیانیؒ اور حماد واضع حدیث ہیں؟

۵- یہ اور اس طرح کی حدیثیں شاخت کے اس خیال کی پرزور تردید کرتی ہیں کہ کوفہ وعراق کے فقہاء اپنے فقہی آراء وخیال کے لیے عبداللہ بن مسعودؓ کا نام غلط طور سے استعمال کرتے تھے اور ان سے جھوٹی حدیثیں منسوب کرتے تھے۔

ڈاکٹر اعظمی کہتے ہیں کہ شاخت کے مطابق ''ابن مسعودؓ اور ابراہیم نخعیؒ کوفی مدرسۂ فقہ کے بنیادی ستون ہیں''، اور یہ بھی واضح ہے کہ حمادؒ اور ابوحنیفہؒ اس مدرسہ کے دو بڑے امام ہیں۔ اب اگر یہ بات ہے تو پھر کیسے ممکن ہوسکتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبان سے اپنی آراء کی تائید میں جھوٹی حدیثیں بیان کریں، پھر ابن مسعودؓ کی مخالفت کرتے ہوئے، ان کے مسلک کے خلاف بھی حدیثیں وضع کریں؟ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ یہ حضرت ابن مسعودؓ کے علم کو مطعون اور ان کی شہرت کو داغ دار کرتے ہیں اور ان پر غفلت و بے خبری کا الزام لگاتے ہیں۔

یہ بعید از عقل وقیاس ہے کہ یہ لوگ اسی شاخ کو کاٹیں جس پر ان کے افکار وآراء وابستہ ہیں اور اسی بنیاد کو منہدم کریں جس پر ان کا اعتماد ہے۔

مذکورہ سوال کا جواب شاخت اس طور پر دیتا ہے کہ حمادؒ نبی ﷺ اور صحابۂ کرام سے منسوب ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جو بعد کے زمانہ میں رواج عام کی تائید کے لیے وضع کی گئیں اور یہ حدیثیں جو بعد میں قدیم فقہی مدارس کے دائرہ سے باہر وضع کی گئیں، ان مدارس فقہیہ کے مرکزی نقطہ (امر مجتمع علیہ) کے خلاف تھیں؛ اسی وجہ سے وہ زیادہ تر حماد کی رایوں کے خلاف اور برعکس تھیں، اور حقیقت یہ ہے کہ ان حدیثوں کی روایت، قدیم فقہی مکاتب و مدارس پر محدثین کے بھاری دباؤ کا نتیجہ ہے، اسی دباؤ کی وجہ سے فقہاء مجبور ہوئے کہ باوجود مخالف ہونے کے، ان حدیثوں کو روایت کریں۔

شاخت کے اس بیہودہ جواب پر ڈاکٹر اعظمی کہتے ہیں کہ ایک طرف تو اس کا دعوی یہ ہے کہ ۱۱۰ھ سے قبل تک فقہ اسلامی کا کوئی وجود نہیں تھا، اور دوسری طرف اس کا یہ بھی دعوی ہے کہ دوسری صدی ہجری کی

آمد کے بعد قدیم فقہی مدارس وجود میں آئے۔ اب غور کیجیے کہ باتفاق مؤرخین حماد کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی، اس طرح وہ دوسری صدی ہجری میں بیس سال سے زیادہ حیات نہیں رہے اور فقہ اسلامی کے آغاز وابتدا کے بعد دس سال سے کم ہی زندہ رہے۔

اتنا کم وقفہ فقہی مدارس کی بنیاد پڑنے اور پروان چڑھنے کے لیے کافی نہیں ہے، پھر اسی وقفہ میں مخالف گروپ یعنی محدثین کا ظہور اور نومولود مکاتب فقہ کے خلاف ان کا محاذ آراء ہونا اور ان پر زبردست دباؤ بنانا اور بھی زیادہ خلاف عقل وفہم ہے؛ اس لیے محدثین کی جانب سے قدیم مدارس فقہیہ پر دباؤ ڈالنے کی بات صرف ایک خیالی چیز ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسے کسی طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔

پھر یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ حزب مخالف یعنی محدثین کی حدیثیں جب زیادہ تر حمادؒ کی رایوں کے خلاف تھیں تو کون تھا جو ان کو مجبور کرتا تھا کہ وہ اپنے ائمہ کی طرف ایسی جھوٹی روایتیں منسوب کریں جس سے خود ان کے اور ان کے ائمہ کے مسلک ومرکز پر ضرب پڑے اور کمزور ہوں۔ کون اتنا طاقتور تھا جو ان کی زبان سے خود ان کے مسلک کے خلاف باتیں نکلواتا تھا؟

کیا حمادؒ اتنے چھوٹے تھے کہ دوسروں کی طرف ایسی باتیں منسوب کیا کرتے تھے جو انہوں نے کہی ہی نہیں ہیں؟ یا وہ ایسے سادہ لوح اور نافہم تھے کہ مخالفین کے اقوال کو اپنے ائمہ کی رائے سمجھ کر ان سے منسوب کر دیں؟ پھر اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ اپنے اقوال کو دوسروں کے اقوال بنا کر پیش کیا کرتے تھے؟

دوسری مثال:

اہل مدینہ یعنی فقہ مالکی پر نقد کرتے ہوئے شاخت نے ایک عجیب وغریب یہ تصریح کی ہے کہ پہلے عمل وجود میں آتا ہے پھر اس کے مطابق، اس کی تائید کے لیے حدیث وضع کی جاتی ہے۔ اپنے اس الزام کے اثبات میں فقہ مالکی کی معروف کتاب "المدونة الکبری" (۲۸/۴) کی ایک عبارت پیش کرتا ہے کہ ابن القاسم اہل مدینہ کی نظری تصویب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ایک حدیث موجود ہے، اگر اس کے ساتھ عمل کا تسلسل بھی پایا جاتا ہو، یعنی جن سے ہم نے یہ حدیث لی ہے اور ان حضرات نے جن سے یہ حدیث اخذ کی ہے، ان سب لوگوں کا، اس حدیث کے مطابق عمل بھی ہے تو اس حدیث کو قبول کرنا حق ہے؛ لیکن اگر حدیث ایسی نہیں ہے بلکہ ان

دوسری حدیثوں کی طرح ہے، جن کے ساتھ عمل کا تسلسل نہیں پایا جاتا، عامۃ الناس اور صحابہ کرامؓ نے اس حدیث کو عملاً قبول نہیں کیا تو یہ حدیث موقوف رہے گی، نہ اس کی تکذیب کی جائے گی اور نہ اس پر عمل ہوگا، بلکہ پہلی والی وہ حدیث جس کے ساتھ عمل بھی پایا جاتا ہے، اس پر عمل ہوگا''۔

اس اُصولی گفتگو سے شاخت نے یہ نتیجہ نکالا کہ ''اہل مدینہ اس طرح عمل کے مطابق حدیث وضع کر کے لاتے ہیں''۔ ڈاکٹر اعظمی اس عجیب وغریب استدلال پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر شاخت کی بات تسلیم بھی کر لی جائے، تو بھی یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ عمل پہلے وجود میں آیا پھر اس کے مطابق حدیث بعد میں وضع کی گئی؟ پھر وہ لکھتے ہیں کہ ابن القاسم کی گفتگو دو بنیادی نکات پر مرتکز ہے، ایک یہ کہ حدیثیں دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک قسم ان حدیثوں کی ہے جن پر ہر دور میں مسلسل عمل بھی ہوتا رہے، اور دوسری ان حدیثوں کی ہے جن پر مدنی معاشرہ میں عمل نہیں پایا جاتا، دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر کبھی دو ایسی حدیثوں کے درمیان تعارض نظر آئے تو عمل پہلی قسم کی حدیث پر ہوگا۔ اس سادہ سی بات سے شاخت نے جو نتیجہ اخذ کیا، وہ اس کے ذہنِ زرخیز کی صرف گلکاری ہے اور کچھ نہیں۔

تیسری مثال:

شاخت کہتا ہے کہ ایک حدیث میں امام مالکؒ نے اپنی طرف سے بطور تفسیر ووضاحت ''**لبیع الملامسة والمنابذة**'' کے الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے؛ لیکن یہ اضافہ بخاری ومسلم کے یہاں پہنچ کر حدیث کا حصہ بن گیا۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ لوگ اپنی طرف سے حدیثوں میں اضافہ کر دیا کرتے تھے۔

ڈاکٹر اعظمی بطور استدراک لکھتے ہیں کہ شاخت کو اچھی طرح معلوم ہے کہ محدثین اس نوع کی غلطیوں سے واقف تھے اور مصطلحات الحدیث کی کتابوں میں ''**المدرج**'' کے عنوان سے فصل یا باب ہوتا ہے جس میں محدثین اس طرح کے مسائل سے بحث کرتے ہیں۔

رہی امام مالکؒ کی وہ حدیث جس کو بطور مثال شاخت نے پیش کیا ہے، تو وہ بخاری ومسلم میں بالکل صحیح صحیح نقل ہوئی ہے، اس میں امام مالکؒ کی وہ تفسیر مذکور نہیں ہے جو ان کی موطأ میں ہے؛ البتہ ایک دوسری روایت میں امام مالکؒ جیسی بات پائی جاتی ہے جو اس سند سے مروی ہے: ''**عقيل عن ابن شهاب عن عامر بن سعد عن أبي سعيد الخدريؓ**''.

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ

اپنی حیات وخدمات کے آئینے میں

(۱۹۳۰ء-۲۰۱۷ء)

مولانا محفوظ احمد قاسمی، بھیروی، ریاض، سعودی عرب

+966543491645

مصر کے معروف ادیب احمد امین نے اپنی خودنوشت سوانح "حیاتي" میں لکھا ہے کہ انسان اپنے گردوپیش کی پیداوار ہوتا ہے یعنی ماحول کی جو مشینری اس کے اردگرد مصروف کار ہوتی ہے وہ اس کے سانچے میں ڈھلتا ہے۔ انسانی زندگی کے تجربات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات بلاخوف تردید درست ہے مگر پھر لوگ دو طبقوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ زیادہ بڑی تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جن پر ان کا ماحول حکمرانی کرتا ہے خواہ وہ ماحول اپنے جملہ اجزائے ترکیبی کے ساتھ صالح ماحول ہو یا فاسد۔ دوسری قسم ایسے انسانوں کی ہوتی ہے جو ماحول کی حکمرانی قبول نہیں کرتے بلکہ اپنی دیدہ وری سے حالات کا مشاہدہ اور تجزیہ کرتے ہیں۔ قابل قبول اور مفید چیزوں کو گلے لگاتے ہیں۔ فرسودہ ودوراز کار روایات کی بیخ کنی کرتے ہیں۔ چمنستان حیات کو نت نئے گلوں کی تخم ریزی وآبیاری سے سنوارتے اور نکھارتے ہیں اور اس کا دامن خس وخاشاک کی آویزشوں اور آلودگیوں سے پاک کرتے ہیں۔ کارگہ حیات میں فرسودہ پگ ڈنڈیوں پر قطع مسافت ان کے دل غیور اور حوصلۂ بلند کے لیے وجہ ننگ وعار ہوتی ہے۔ وہ اپنے کاروان زندگی کے لئے شاہراہِ حیات خود تعمیر کرتے ہیں۔ ان کی منزلیں اور مرحلے خود ساختہ وپرداختہ ہوتے ہیں، منت کش غیر نہیں۔ ع:

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ صاحب قاسمی کا شمار ہمارے نزدیک یقیناً اسی دوسری قسم کی کمیاب اور گراں مایہ ہستیوں میں ہے جن کا دیدار چشم فلک کو کم ہی نصیب ہوتا ہے۔اس حد تک آپ کے تفوق اور امتیاز کی سب سے خاص وجہ نامساعد حالات کے باوجود ذاتی عزم واستقلال کی بنیاد پر اپنے آپ کو ایسے بلند مقام تک پہنچانا ہے جہاں تک عموما لوگوں کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔مثلا ایک پسماندہ علاقہ اور متوسط گھرانہ میں آنکھیں کھولنے کے باوجود اپنی اولوالعزمی اور بلند ہمتی سے ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دینا کہ مشرق ومغرب تک کے تمام علمائے کرام جس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں۔آئندہ سطور میں ہم انہیں اسباب وعوامل کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے جنہوں نے صاحب اسم مصطفیٰ کو بامسمی بنا کر اس بلند وبالا قطب مینار پر لا کھڑا کیا جہاں وہ سارے زمانے میں چنندہ نظر آئے یہاں تک کہ خلق خدا بیک زبان بول اٹھی۔ **لم تری العیون مثله وما رای هو مثل نفسه** یعنی سارے زمانے میں ان جیسا نہیں۔

پیدائش:

آپ کا وطن اصلی مشرقی یوپی کا مردم شہر، شہر مئو ناتھ بھنجن (ضلع مئو) ہے جس کے محلّہ کیاری ٹولہ کے ایک متوسط گھرانہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔حکومت ہند اور سعودی عرب کے سرکاری کاغذات کے مطابق آپ کا سن پیدائش ۱۹۳۰ء ہے جبکہ آپ کے ذاتی فرمودات کے مطابق غالبًا ۱۹۲۷ء ہے۔آپ کے والد محترم کا اسم گرامی مولوی عبدالرحمٰن اور دادا محترم کا نام نور محمد تھا۔

ابتدائی تعلیم:

رواج زمانہ کے مطابق ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے شہر کے مقامی مدرسہ میں حاصل کی۔راقم السطور سے اپنے ابتدائی حالات پر گفتگو کے دوران آپ نے جو فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ پرائمری کی تکمیل کے بعد نامساعد حالات کے پیش نظر آپ کے والد محترم کا خیال ہوا کہ اب آپ کے تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیا جائے تا کہ گھر کے کام کاج میں آپ ان کا ہاتھ بٹا سکیں اور ان کے لیے سہولت کا کچھ سامان پیدا کر سکیں لیکن آپ کی حیات مستعار پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے اور آپ کی کتاب زندگی کے صفحات کی ورق گردانی کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے اور اس کے تمام دریچے اس طرح وا ہو جاتے ہیں کہ یہ سمجھنے میں تھوڑی بھی دقت باقی نہیں رہ جاتی کہ بلند حوصلوں اور پہاڑوں سے ٹکراتے عزائم کے

ساتھ خدا کی بنائی ہوئی اس دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں ہے۔ ع:

میں کہاں رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حد پرواز سے

چنانچہ والد محترم کی مرضی کے برخلاف خاموشی سے آپ نے گھر سے راہ فرار اختیار کر لی اور قرب وجوار میں واقع ایک مدرسہ میں (جس کا نام عاجز کو یاد نہیں رہا) داخل ہو کر مزید تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ تعلیم کے تئیں آپ کے اس والہانہ شوق اور وارفتگی کو دیکھ کر والد محترم کی قیافہ شناسی نے اپنے بیٹے کے اندر چھپے جواہرات کو پہچان لیا اور کسی کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ جا کر اس سے کہہ دو کہ جب پڑھنا ہی ہے تو آئے اور یہیں کسی مدرسہ میں داخلہ کرائے دیتے ہیں۔ ع:

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

والد صاحب کے اس مشورہ پر آپ واپس آئے اور مدرسہ دارالعلوم مئو میں عربی و فارسی کی تعلیم کے لیے آپ کو داخل کر دیا گیا۔ آپ کے والد محترم چونکہ ایک عالم دین تھے اس لیے انہوں نے اپنے بچہ کی تعلیم وتربیت اور اس کی روحانی پرورش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جیسا کہ بعد کے ایام میں خود آپ نے اپنی کتاب Studies in Early Hadith Literature میں اس کا اظہار کیا ہے۔ کسے خبر تھی کہ آج درجہ منشی میں داخل کیا جانے والا بچہ کل ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی بن کر پوری علمی دنیا میں دارالعلوم مئو کا نام روشن کرے گا اور دارالعلوم کو یہ کہنے کا فخر حاصل ہوگا کہ عالم اسلام کو ہم نے ایک مصطفیٰ دیا ہے۔

اعلیٰ تعلیم:

دارالعلوم مئو میں عربی درجات کی تکمیل کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آپ نے مدرسہ شاہی مرادآباد کا رخ کیا لیکن کچھ ذاتی وجوہات کی بنا پر وہاں زیادہ مدت تک ٹھہر نہیں سکے اور اس کے بعد ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا جہاں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اعزاز علی اور علامہ ابراہیم بلیاوی وغیرہم جیسے اجل اساتذۂ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے ۱۹۵۲ء میں سند فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے رسمی فراغت کے بعد طبیعت ہزار رنگ اور ذوق جدت پسند نے ایک نئی راہ سجھائی اور آپ نے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کا رخ کر ڈالا، وہاں ایک سال قیام پذیر رہے لیکن مقصد کے

حصول میں عدم اطمینان نے آپ کو علی گڑھ چھوڑنے پر مجبور کر دیا چنانچہ وہاں سے جامعہ ازہر مصر کوچ کر گئے اور وہاں کے کلیۃ اصول الدین سے شہادۃ العالمیہ مع الاجازۃ بالتدریس (MA) کی ڈگری حاصل کر ۱۹۵۵ء میں وطن عزیز واپس آئے۔

قطر میں ملازمت:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت، جامعہ ازہر مصر سے ایم اے کی ڈگری اور کچھ دنوں وطن عزیز میں قیام کے بعد تلاش معاش کی فکر میں ۱۹۵۵ء میں ہی آپ نے خلیجی ممالک میں ملک قطر کا رخ کیا جہاں کچھ دنوں غیر عربی داں حضرات کو عربی زبان کی تعلیم دی اور پھر قطر کی پبلک لائبریری میں بحیثیت لائبریرین آپ کا تقرر ہو گیا۔ پڑھنے اور پڑھ ڈالنے کا شوق چونکہ آپ کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی اس لیے موقع سے فائدہ اٹھا کر آپ نے اپنی علمی تشنگی کو وہاں خوب خوب سیراب کیا اور اسی کے ساتھ بہت سے قیمتی مخطوطوں کو بھی جمع کر ڈالا۔

کیمبرج یونیورسٹی لندن سے پی ایچ ڈی:

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بچپن سے ہی زندگی میں کچھ کر دکھانے کا جذبہ آپ کے رگ و پے میں خون کی طرح اترا ہوا تھا۔ آپ کے سامنے ایک سوچا ہوا نشانہ تھا اور آپ کا تابناک مستقبل آپ کی نگاہوں کے سامنے رقص کر رہا تھا جس کا آپ عین یقین سے مشاہدہ کر رہے تھے چنانچہ عین اُس وقت جب آپ قطر کی پبلک لائبریری میں ایک اعلیٰ قسم کی ملازمت (Collar-White) پر فائز ہو کر ایک پر تعیش زندگی گذار رہے تھے، آپ کی فکر دور اندیش نے ایک بار پھر آپ کی رہنمائی کی اور کیمبرج یونیورسٹی لندن سے آپ نے .PhD کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ راقم سے آنجناب کے براہ راست فرمودات کے مطابق آپ نے ملازمت کو خیر باد کہا اور ۱۹٦۴ء میں اپنے ذاتی اخراجات پر کیمبرج یونیورسٹی لندن میں داخلہ لیا۔ آپ کے ریسرچ کا موضوع تھا Studies in Early Hadith Literature جو آپ نے Pro. Arthur John Arberry (1905-1969) اور Pro. Robert Bertram Serjeant (1915-1993) کی نگرانی میں سخت محنت اور جہد مسلسل کے ذریعہ صرف دو سال کی مدت میں (۱۹٦٦ء) پورا کر ڈالا لیکن یونیورسٹی کے قانون کے مطابق اس کے لیے کم از کم تین سال کی مدت درکار

تھی۔اس لیے انتظامیہ نے آپ کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کرنے سے انکار کردیا۔پھر آپ نے بتایا کہ ہندوستان کی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں نفس موضوع پر آپ نے ایک سال پہلے ہی ریسرچ کیا ہوا ہے اور بطور ثبوت علی گڑھ سے یونیورسٹی کے لیٹر پیڈ پر تصدیق نامہ منگا کر جمع کیا۔اس کے بعد آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا گیا۔ایک اعلی ملازمت کو ترک کرا پنے ذاتی اخراجات کی بنیاد پر دوبارہ تعلیمی سلسلہ شروع کرنا کتنا مشکل ترین امر ہے اس کا اندازہ صرف اُس وقت ہوتا ہے جب کبھی کبھی ہمارے ذہنوں میں بھی اس طرح کا خیال پیدا ہوتا ہے۔کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی تکمیل کے بعد ایک بار پھر آپ قطر واپس لوٹے اور مزید دو سال (۱۹۶۸ تک) وہاں کی لائبریری میں خدمت انجام دیں۔

تدریسی خدمات:

درس وتدریس کو اپنا میدان عمل بنانے کے لئے آپ قطر سے سعودی عرب منتقل ہو گئے چنانچہ وہاں کے کلیۃ الشریعۃ (مکہ مکرمہ) جس کا الحاق ام القریٰ یونیورسٹی کے قیام کے بعد اس سے ہو گیا، میں ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۳ء تک بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر آپ نے حدیث کی خدمات انجام دیں۔

۱۹۷۳ء سے ۱۹۹۱ء (ریٹائرمنٹ تک) تقریبا اٹھارہ سال ریاض شہر کی مشہور ومعروف کنگ سعود یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر آپ نے احادیث نبویہ کی خدمات انجام دیں۔

۱۹۶۸ء سے ۱۹۹۱ء کے دوران آپ کی نگرانی اور سرپرستی میں بے شمار طلبہ علوم نبویہ نے احادیث کے مختلف پہلوؤں پر ریسرچ کی، بعد میں جن کا شمار فن حدیث کے ممتاز علماء کرام میں ہوا جن میں دبئ کے ڈاکٹر احمد محمد نور سیف اور مدینہ منورہ کے ڈاکٹر عمر حسن عثمان فلاتہ وغیرہ کا نام سرفہرست ہے۔اسی طرح اس دوران مغربی ممالک کی مختلف یونیورسٹیز میں بحیثیت Visiting Professor آپ مدعو کئے گئے جن میں سے چند یونیورسٹیز کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) استاذ حدیث، Harvard University امریکہ۔

(۲) استاذ حدیث، University of Michigan امریکہ، 1981-1982

(۳) استاذ University of Oxford لندن، 1987

(۴) استاذ University of Colorado Boulder امریکہ، 1989-1991

(۵) استاذ Princeton University, New Jersey امریکہ، 1992

(۶) استاذ University of Wales، برطانیہ

علمی خدمات:

آپ کی علمی خدمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔(1) تعلیم و تدریس، (2) تصنیف و تالیف۔ قسم اول کا تذکرہ بالتفصیل اوپر گذر چکا۔ اب ہم ذیل میں مولانا مرحوم کی دوسری خدمات کا ذکر کرتے ہیں۔ عصر حاضر میں مستشرقین علماء کی جانب سے قرآن و حدیث پر کئے جانے والے اعتراضات کے جواب انہیں کے لب و لہجہ اور ان ہی کی زبان میں دینا وقت کا اہم تقاضہ تھا۔ مشرق کا پرودہ ہونے کے باوجود مولانا موصوف کو مغرب کی دانشگاہوں اور ان کی درسگاہوں سے کسب فیض کا ایک اچھا موقع میسر ہوا تھا اور انہیں بہت قریب سے دیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے کا موقع ملا تھا اس لیے آپ کو ان کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کا خوب خوب اندازہ تھا چنانچہ آپ نے اسی کو اپنا میدان عمل بنایا اور ان کے ذریعہ اسلام پر کیے جانے والے ہر اعتراض کا مدلل جواب دے کر نہ صرف انہیں خاموش کیا بلکہ انگشت بدنداں کر دیا۔ بقول ڈاکٹر مرحوم کے مستشرقین کے خلاف کھڑے ہونے اور ان کے اعتراضات کا جواب دینے کا جذبہ آپ کے اندر ساٹھ کی دہائی میں پیدا ہوا جب آپ قطر کی پبلک لائبریری میں بحیثیت لائبریرین ملازم تھے۔ مطالعہ کا ذوق تھا اور لائبریری میں ہونا علمی تشنگی کو بجھانے کا سنہرا موقع تھا، اسی دوران آپ کو مشہور مستشرق عالم جوزیف شاخت کی کتاب أصول الفقه المحمدي (The Origins of Mohammadan Jurisprudence) پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کتاب میں جہاں اس نے احادیث پر بہت سارے بے بنیاد اعتراضات کئے تھے وہیں ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ **مالك عن نافع عن ابن عمر** کی سند جو کہ کتب احادیث میں اصح الاسانید کا درجہ رکھتی ہے صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ نافع کی وفات ایک سو سترہ ہجری (۱۱۷ھ) میں ہوئی ہے، مالک اس وقت کم عمر تھے۔ شاخت کا مقصد اصح الاسانید کو غیر معتبر قرار دے کر ذخیرۂ احادیث کو غیر معتبر ٹھہرانا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام مالک کی پیدائش مختلف اقوال کے مطابق ترانوے (۹۳)، چورانوے (۹۴) یا ستانوے (۹۷) ہجری میں ہوئی جبکہ نافع کی وفات ۱۱۷ ہجری میں ہوئی ہے، اس اعتبار سے امام مالک کی عمر نافع کی وفات کے وقت بیس سال ہوتی ہے

جو کہ احادیث سننے، یاد رکھنے اور روایت کرنے کے لیے کافی ہے۔ڈاکٹر مرحوم کے بقول اس واقعہ نے مستشرقین کے خلاف کام کرنے کا جذبہ ان کے اندر پیدا کر دیا۔یہیں سے باضابطہ آپ کے علمی وتالیفی سفر کا آغاز ہوتا ہے۔اس میدان میں عرب اور ہندوستان کے دیگر علماء کرام نے بھی کام کیا ہے،جن میں ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی کتاب **السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي** شیخ عبدالغنی کی **حجية السنة**، ڈاکٹر محمد ابن محمد ابوشہبہ کی **دفاع عن السنة ورد شبهات المستشرقين والكُتّاب المعاصرين**، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی ''تدوین حدیث'' اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی ''سنت کی آئینی حیثیت'' وغیرہ اس موضوع کی معرکۃ الآراء کتابیں ہیں،لیکن یہ تمام کتابیں چونکہ عربی یا اردو زبان میں ہیں اس لیے ان کی افادیت عام نہیں ہوسکی اور ایک مخصوص طبقہ تک ہی محدود رہ گئی۔ضرورت اس بات کی تھی کہ مستشرقین کی تردید کسی عالمی زبان میں کی جائے تاکہ اس کی افادیت عالمی ہو۔ڈاکٹر مرحوم کو چونکہ انگلش اور عربی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا اس لیے آپ کا یہ امتیاز رہا کہ آپ نے مستشرقین کو انہیں کی زبان میں جواب دیا اور آپ کی تحریریں بااثر ثابت ہوئیں۔کچھ کتابیں مقبولیت کی اس انتہاء کو پہنچیں کہ وہ دنیا کی کئی عظیم یونیورسٹیز میں داخل نصاب ہیں۔استشراقیت کو سمجھنے،مستشرقین کے ناپاک ارادوں کو جاننے اور ان کی تردید کے لیے یہ کتابیں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔چند مشہور مستشرق علماء جن کی آپ نے اپنی تصنیفات میں تردید کی ہے گولڈزیہر،جوزیف شاخت اور الفرید یون وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ذیل میں ہم ڈاکٹر مرحوم کی کچھ مشہور ومعروف تصانیف کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) Studies in Early Hadith Literature:

انگلش زبان میں تحریر کردہ یہ کتاب آپ کے پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۸ء میں بیروت سے، دوسرا اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۸ء اور ۱۹۸۸ء میں بالترتیب امریکہ سے شائع ہوا، اس کے بعد اس کے متعدد ایڈیشنز شائع ہو چکے ہیں۔ترکی زبان میں ۱۹۹۳ء میں اور انڈونیشین زبان میں ۱۹۹۴ء میں اس کتاب کا ترجمہ بھی شائع کیا جا چکا ہے۔کہا جاتا ہے کہ مشرق ومغرب کی متعدد یونیورسٹیز میں یہ کتاب داخل نصاب ہے۔

(۲) Studies in Hadith Methodlogy and Literature:

یہ کتاب بھی انگلش زبان میں ہے۔اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں احادیث کے طریق کار سے بحث کی گئی ہے تا کہ حدیث کو سمجھنے میں آسانی ہو جبکہ دوسرے حصہ میں حدیث کے ادبی پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۷ء و ۱۹۷۸ء میں جبکہ تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں امریکہ سے شائع ہوا۔اس کے بعد بھی متعدد ایڈیشنز شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب بھی دنیا کی مختلف یونیورسٹیز میں داخل نصاب ہے۔

(۳) On Schacht's Origins of Muhammadan Jurisprudence:

انگلش زبان میں ۲۴۳ صفحات پر مشتمل یہ کتاب معروف مستشرق جوزیف کی کتاب کا تنقیدی جائزہ ہے۔مولانا مرحوم نے اس کتاب میں شاخت کے ذریعہ فقہ اسلامی پر کئے گئے اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے۔ یہ کتاب بھی مختلف یونیورسٹیز میں داخل نصاب ہے۔

(۴) The History of the Quranic Text, From Revelations to Completion, a Comparative Study With The Old and New Testments:

تقریباً ۴۰۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب بھی انگلش زبان میں ہے۔ یہ کتاب آپ نے امریکہ کے "Atlantic Monthly" نامی میگزین میں ٹوبی لسٹر کے مضمون ''قرآن کیا ہے؟'' جس میں اس نے یمن کے بعض مخطوطوں میں الف کی کتابت پر سخت اعتراض کیے تھے اور اس کا مقصد حفاظت قرآن سے متعلق مسلمانوں کے عقیدہ کو متزلزل کرنا تھا، کے جواب میں لکھی ہے۔آپ نے اس کتاب میں قرآن کریم میں تحریف سے متعلق مستشرقین علماء کے دعووں کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی ہیں۔ان کے ناپاک عزائم کھول کر رکھ دیے ہیں۔ پھر قرآن کریم کے تدوین کی مدلل تاریخ بیان کی اور اس کے متن کے دائمی ہونے پر سیر حاصل گفتگو کی۔ نیز اس میں حضرت زید بن ثابتؓ کے ذریعہ قرآن کریم کا فائنل نسخہ تیار کرنے کے طریق کار پر بھی مفصل روشنی ڈالی ہے۔اس کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۳ء میں انگلینڈ سے جبکہ دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں دبئی سے شائع ہوا ہے۔

(۵) تاريخ النص القرآني من الوحي إلى التدوين : دراسة مقارنة مع العهد القديم والعهد الجديد :

یہ دراصل مذکورہ بالا کتاب کا عربی ترجمہ ہے جو ڈاکٹر مرحوم نے بذات خود اپنے قلم گہر بار سے کیا ہوا ہے۔ یہ کتاب لندن کی اسلامی اکیڈمی سے ۲۰۰۳ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔ اس کے بعد کناڈا، امارات، سعودی عرب اور کویت سے اس کے بے شمار ایڈیشنز شائع ہوئے۔ ترکی، ملیشیائی اور دنیا کی متعدد زندہ زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

(۶) Ageless Qur'an - Timeless Text – النص القرآني الخالد عبر العصور:

اپنی زندگی کے آخری ایام میں زندگی کی آخری کتاب آپ نے جو لکھی وہ بھی اسی موضوع پر ہے۔ ۲۵۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب دراصل مستشرقین کی جانب سے قرآن کریم کے متعدد نسخوں پر کیے جانے والے اعتراضات کا مدلل جواب ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں ڈاکٹر مرحوم کے مکمل پندرہ سال صرف ہو گئے اور اس کے لیے آپ کو مختلف ممالک کے اسفار بھی کرنے پڑے۔ دنیا میں موجود قرآن کریم کے مشہور ومعروف انیس (۱۹) مخطوطوں سے اعراب اور نقطوں کو حذف کر ان کے درمیان موازنہ کر کے آپ نے یہ ثابت کیا ہے ڈیڑھ ہزار سال گذرنے کے باوجود قرآن کریم کے الفاظ میں ذرہ برابر کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا ہے۔ کتاب کے ایک سو پچاس (۱۵۰) صفحات پر مذکورہ مخطوطوں کے درمیان موازنہ اور پچاس پچاس صفحات پر عربی اور انگلش زبان میں آپ کا مفصل مقدمہ شامل ہے۔ یہ کتاب دسمبر ۲۰۱۷ء میں ترکی سے شائع ہو چکی ہے، چونکہ پندرہ سال کی محنت کے بعد یہ کتاب تیار ہوئی تھی اس لیے ڈاکٹر مرحوم کو شدت سے اس کا انتظار تھا لیکن افسوس کہ ابھی یہ منظر عام پر نہیں آسکی تھی اور ۲۰ دسمبر ۲۰۱۷ء بروز بدھ بعد نماز فجر شہر ریاض میں مولانا اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ وكم حسرات في بطون المقابر.

(۷) دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه:

سات سو بارہ (۷۱۲) صفحات پر مشتمل یہ کتاب آپ کے پی ایچ ڈی مقالہ کا اضافہ شدہ عربی ترجمہ ہے جو بذات خود آپ نے اپنی زندگی میں کر ڈالا تھا۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں کنگ سعود

یونیورسٹی ریاض، سعودی عرب سے شائع ہوا۔اس کے بعد ریاض و بیروت سے اب تک متعدد ایڈیشنز شائع ہو چکے ہیں۔اس کتاب کی تصنیف ایسا عظیم کارنامہ ہے جس کے لیے ایک مکمل اکیڈمی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن آپ نے تن تنہا یہ کام انجام دے ڈالا۔اس میں مستند دلائل کے ذریعہ یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ تدوین حدیث کا آغاز حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی ہو گیا تھا، جس سے مستشرقین کے اس کمزور الزام کی تردید ہوتی ہے جس پر اعتماد کر کے انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ تدوین حدیث کا آغاز دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ہوا تھا۔

(۸) منهج النقد عند المحدثين، نشأته وتاريخه:

عربی زبان میں ۲۳۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں ابتدائی دور میں تدوین حدیث کے طریق کار پر روشنی ڈالی گئی ہے نیز یہ بتایا گیا ہے کہ احادیث کے علمی ذخیرہ کو صحیح قرار دینے کے لیے محدثین نے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں، دوسرا ۱۹۸۲ء اور تیسرا ۱۹۸۳ء میں ریاض سے شائع ہوا جس کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔یہ اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اندر داخل نصاب کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا تمام کتابوں کا مقصد استشراقیت کو قریب سے جاننے، سمجھنے اور ان کی جانب سے قرآن وحدیث پر کیے جانے والے اعتراضات کا مدلل جواب دینے سے رہا ہے۔اب ہم ذیل میں ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا تعلق احادیث شریفہ کی تخریج و تحقیق سے ہے۔

(۹) كتاب التمييز للإمام مسلم:

امام مسلمؒ کی اس کتاب کی تحقیق و تخریج کا عظیم الشان کارنامہ انجام دے کر آپ نے اسے زیور طبع سے آراستہ کرایا۔

(۱۰)صحيح ابن خزيمة:

اس کتاب کے بارے میں عام خیال یہ تھا کہ یہ کتاب ضائع ہو چکی ہے جبکہ صحیحین کے علاوہ احادیث صحیحہ پر مشتمل یہ ایک اہم کتاب ہے لیکن آپ کی کوششوں اور آپ کی تحقیق و تخریج کے بعد دوبارہ شائع ہو سکی۔اس کی چار جلدیں ہیں۔اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں بیروت سے، دوسرا ۱۹۸۲ء میں ریاض

سے اور تیسرا ۱۹۹۳ء میں بیروت سے شائع ہوا۔

(۱۱) موطأ إمام مالك:

بخاری و مسلم کی تصنیف سے قبل یہ کتاب سب سے اہم تسلیم کی جاتی تھی اور کتب احادیث میں آج بھی اسے ایک اہم مقام حاصل ہے۔ آپ کی تحقیق و تخریج کے بعد اس کتاب کی آٹھ جلدوں میں اشاعت ہوئی۔ آپ کے مطابق اس کے روات کی تعداد ایک سو پانچ ہے۔

(۱۲) سنن ابن ماجه:

اپنی تحقیق و تخریج کے بعد ۱۹۸۳ء میں چار جلدوں میں ریاض سے آپ نے اس کی اشاعت کرائی۔

(۱۳) سنن کبری للنسائي:

۱۹۶۰ء میں اس کے مخطوطہ کو حاصل کر کے اپنی تحقیق و تخریج کے بعد اس کی اشاعت کرائی۔

احادیث نبویہ کے لئے سب سے پہلے کمپیوٹر کا استعمال:

کیمبرج یونیورسٹی سے آپ کی تعلیم مکمل ہونے کے دس سال بعد شکاگو امریکہ میں امام بخاریؒ کی شخصیت پر ایک سیمینار ہو رہا تھا جس میں آپ بھی شریک تھے۔ دوران سیمینار ایک مستشرق عالم نے احادیث نبویہ کے مطالعہ کے لیے کمپیوٹر کے استعمال پر بات شروع کی۔ کیوں کہ یہ دور جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ آج صرف وہی قوم ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہے جو اس ٹیکنالوجی میں پیش پیش ہو۔ ٹیکنالوجی کی مدد سے معلومات بآسانی جمع کی جاسکتی ہیں۔ بسہولت مواد کے ذخیرہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اپنی فکر اور آئیڈیالوجی کی وسیع پیمانہ پر نشر و اشاعت کی جاسکتی ہے۔ اس کی باتوں میں حدیث کے خلاف سازش کی بو آرہی تھی جو آپ کی فراست طبع نے محسوس کر لی۔ آپ کو اس بات کا ڈر ہوا کہ مسلمانوں سے قبل اگر مستشرقین نے اس کام کو شروع کر دیا تو بہت ممکن ہے کہ وہ احادیث کو مخلوط اور مشتبہ کر دیں۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت احادیث نبویہ کے لیے کمپیوٹر کے استعمال کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور جب ۱۹۷۳ء میں آپ کا تقرر کنگ سعود یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر ہوا تو آپ کو احادیث کو کمپیوٹرائزڈ کرنے کا ایک سنہرا موقع ہاتھ آ گیا اور آپ نے وہیں سے حدیث کو کمپیوٹرائزڈ کرنے کا کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے سنن ابن ماجہ کو مکمل کمپیوٹرائزڈ کر ڈالا۔ اس طرح کنگ سعود یونیورسٹی صرف آپ کی بدولت دنیا کی سب سے پہلی یونیورسٹی بنی جہاں

سب سے پہلے کمپیوٹرائزڈ حدیث کی کتاب زیر تعلیم ہوئی اور آپ دنیا کے پہلے انسان بنے جنہیں سب سے پہلے حدیث کو کمپیوٹرائزڈ کرنے کا شرف واعزاز حاصل ہوا۔

اس کے علاوہ بھی آپ نے دین اسلام کی بے شمار خدمات انجام دی ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ خلاصہ یہ کہ مولانا مرحوم نے قرآن وحدیث کی جو بے شمار خدمات انجام دی ہیں اس کا اعتراف عالم اسلام ہی نہیں بلکہ مستشرقین کو بھی کرنا پڑا ہے، **والفضل لما شهدت به الأعداء.**

کنگ فیصل انٹرنیشنل ایوارڈ اور سعودی نیشنلٹی:

دین اسلام کی مندرجہ بالا خدمات سے خوش ہو کر حکومت سعودیہ نے ۱۹۸۰ء میں آپ کو کنگ فیصل ایوارڈ جس کی مالی حیثیت دو لاکھ امریکی ڈالر (200,000 امریکی ڈالر) یعنی کم وبیش سوا کروڑ ہندوستانی روپئے بشمول دو سو گرام کی گولڈ میڈل سے نوازا اور ایک سال بعد ۱۹۸۱ء میں سعودی عرب کی نیشنلٹی سے بھی سرفراز فرمایا۔

پسماندگان:

آپ کی تین اولاد ہیں۔ (۱) بیٹی فاطمہ مصطفیٰ اعظمی جو کہ امریکہ سے .PhD کرنے کے بعد شیخ زائد یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ (۲) ڈاکٹر محمد عقیل مصطفیٰ اعظمی جو امریکہ سے اپنی انجینئرنگ اور ڈاکٹریٹ مکمل کرنے کے بعد ریاض کی کنگ سعود یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ (۳) ڈاکٹر انس مصطفیٰ اعظمی ہیں جو UK سے پی ایچ ڈی کرنے کے بعد ریاض کے کنگ فیصل اسپیشلائزڈ ہاسپٹل میں برسر روزگار ہیں۔

عظیم محدث مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ اور ان کی علمی زندگی

مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی، رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارن پور

مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ ایک مخلص عالم دین، عظیم محدث اور بڑے ریسرچ اسکالر تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات علمی کاموں میں صرف کیے، وہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فیض یافتہ، جامعہ ازہر مصر کے خوشہ چیں اور کیمبرج یونیورسٹی لندن سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لیے ہوئے تھے، انہوں نے مختلف علمی سرچشموں سے اپنی علمی پیاس بجھانے کے بعد اپنی عملی زندگی کا آغاز قطر سے کیا، جہاں پر انہوں نے ایک پبلک لائبریری میں لائبریرین کی حیثیت سے اپنی علمی خدمات انجام دیں، اسی دوران انہوں اپنے علمی ذوق وشوق کی بنیاد پر متعدد قیمتی مخطوطات پر بھی کام کیا۔ قطر سے لندن کیمبرج یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینے کے بعد دو سال مزید قطر میں ملازمت کی۔ اس کے بعد اُم القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں مساعد پروفیسر کی حیثیت سے ذمہ داری کے فرائض انجام دیئے، اس کے بعد کنگ سعود یونیورسٹی میں ''مصطلحات الحدیث'' کے پروفیسر کی حیثیت سے علم حدیث کی گراں قدر خدمات انجام دیں، یہ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۹۱ء تک کا دور ہے۔

ویسے ۱۹۶۸ء سے ۱۹۹۱ء تک مکہ مکرمہ اور ریاض میں آپ کی سرپرستی میں بے شمار حضرات علماء کرام نے حدیث کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی کام کیا، اس دوران آپ سعودی عرب کی متعدد یونیورسٹیوں میں علم حدیث کے ممتحن کی حیثیت سے بھی متعین کیے گئے، نیز مختلف تعلیمی وتحقیقی اداروں کے رکن رکین بھی رہے۔

مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ یوپی کے مردم خیز علاقہ مئو (اعظم گڑھ) میں ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے، پرائمری تعلیم راج اسکول کیاری ٹولہ (مئو) میں حاصل کی، مڈل تعلیم، مڈل اسکول ہرکیش پورہ مئو میں حاصل کی، عربی اول سے پنجم تک دارالعلوم مئو میں تعلیم مکمل کی، کچھ ماہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں بھی پڑھا، پھر دورۂ حدیث کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کی، آپ کے دارالعلوم دیوبند کے مشہور اساتذہ میں شیخ

الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ، مفتی سید مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ، موالانا سید فخر الحسن مرادآبادیؒ اور مولانا ظہور احمد دیوبندیؒ تھے۔ مزید تعلیم جامعہ ازہر میں حاصل کی، لندن سے پی ایچ ڈی کی، اس طرح ڈاکٹر محمد مصطفیٰ صاحب کی بھاری بھرکم علمی شخصیت تیار ہوئی، اور پھر آپ نے اپنے نبی کے کلام کی جو عظیم خدمات پیش فرمائیں، وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، حدیث کی ان عظیم خدمات کی بنا پر ۱۹۸۰ء میں ''کنگ فیصل عالمی ایوارڈ'' سے بھی آپ کو نوازا گیا، آپ کی علمی خدمات کا اعتراف عالم اسلام نے ہی نہیں؛ بلکہ مستشرقین نے بھی آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے، آپ کے علمی و تصنیفی کارناموں کی تعداد ۱۸/ رہے، آپ کی گرانقدر حدیث کی خدمات کی بنا پر ۱۹۸۱ء میں سعودی عرب کی نیشنیلٹی بھی عطا کی گئی ہے، بہت سی یونیورسٹیوں میں آپ کو تدریسی خدمت کے مواقع بھی مہیا ہوئے، اور کئی یونیورسٹیوں میں وزیٹنگ اسکالر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔

مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی صاحبؒ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک تھے، وہ اپنی خصوصیات و امتیازات کی بنا پر ہر دل عزیز تھے، وہ اپنے اہل تعلق اور قریبی لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے، ان کی قدر کرتے تھے، ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے تھے، اور ان کی خدمات کو سراہتے تھے، انہوں اپنے آپ کو خالص علمی سرگرمیوں میں ہی محدود رکھا، اور یکسو ہو کر علمی کاموں میں مشغول رہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ صاحبؒ انتہائی مخلص انسان اور قرآن و حدیث کے سچے داعی تھے، وہ نام و نمود، شہرت اور ریاء سے کوسوں دور رہتے تھے، جو کرتے تھے اپنا وظیفہ سمجھ کر کرتے تھے اور رضائے الٰہی کی خاطر کرتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جس کو ڈاکٹر محمد نجیب سنبھلی بیان کرتے ہیں: ''ایک مرتبہ جب ان سے ملاقات کے دوران کہا کہ آپ نے قرآن و حدیث کی تدوین پر مستشرقین کے اعتراضات کا مدلل جواب دے کر، احادیث نبویہ کو سب سے پہلے کمپیوٹرائز کر کے نیز عربی اور انگریزی میں متعدد کتابیں تحریر فرما کر وہ عظیم کارنامہ انجام دیا ہے کہ اس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود آپ کی شخصیت عوامی سطح پر متعارف نہ ہو سکی، جب کہ سعودی عرب میں مقیم ہند و پاک کے بعض دیگر علماء نے آپ کی بہ نسبت بہت کم کام کیا ہے، لیکن انہوں نے اپنا نام اور منصب کی قیمت وصول کی، جس پر موصوف نے جو جواب دیا، اس میں ہم سب کے لیے عبرت و نصیحت ہے، ''حضرت میں تاجر نہیں ہوں؛ بلکہ ریسرچ اسکالر ہوں''۔ ڈاکٹر صاحب کا ایک دوسرا جملہ بھی ہمارے خاص کر علماء کے لیے انتہائی سبق آموز ہے:

''میں روزانہ اپنا محاسبہ کرتا ہوں، اور جس دن میں کوئی علمی کام نہیں کرتا ہوں اس دن اپنے کو مردہ سمجھتا ہوں''۔

ڈاکٹر صاحبؒ قرآن وحدیث کی تدوین پر مستشرقین کے اعتراضات پر بہت زیادہ فکرمند رہتے تھے، اس لیے ان کی گفت وشنید مستشرقین کی ریشہ دوانیوں پر ضرور ہوا کرتی تھی، نیز وہ ہجری کلینڈر کو زیادہ سے زیادہ رائج کرنے کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے، انہوں نے قوم کے کچھ رفاہی کام بھی انجام دیئے جن کا صلہ ان کو ان کے رب کی طرف سے ضرور مل رہا ہوگا، ان سب باتوں سے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کو سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ کس فکر کے حامل انسان تھے، ان کا اوڑھنا بچھونا، ان کے شب وروز اور ان کا چلنا پھرنا خالص علمی تھا، اللہ تعالیٰ ان کی محنت اور خدمت کا ان کو بہترین صلہ عطا فرمائے، اور ہر انسان کو چونکہ اپنے رب سے انعامات حاصل کرنے کے لیے موت کا مرحلہ طے کرنا ہوتا ہے، اس لیے ڈاکٹر صاحب کو بھی یہی راہ اختیار کرنی پڑی اور ۲۰/دسمبر ۲۰۱۷ء بروز بدھ بعد نماز فجر ریاض میں انتقال کر گئے، اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

۞ ۞ ۞

اوّلیاتِ ڈاکٹر اعظمیؒ

- كان –رحمه الله– أول من درّس الحديث النبوي في جامعة هارفارد بأمريكا.
(ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں سب سے پہلے ڈاکٹر اعظمیؒ نے حدیث نبوی کا درس دیا۔)
- وأول من قام بتطويع الحاسوب الآلي لخدمة الحديث النبوي.
(سب سے پہلے ڈاکٹر اعظمی ہی نے حدیث نبوی کی خدمت کے لیے کمپیوٹر کے استعمال کی راہ ہموار کی۔)
- وأول من كشف عن ''صحيح ابن خزيمة'' وقام بتحقيقه.
(سب سے پہلے ڈاکٹر اعظمیؒ ہی نے ''صحیح ابن خزیمہ'' کو کھوج نکالا اور اس پر تحقیق وتعلیق کا کام انجام دیا۔[نیز اس کی احادیث پر؛ جبکہ وہ صحیحین یا کسی ایک میں نہ تھیں، ان پر حکم بھی لگایا])
- وأول من قام بدراسة علمية قيمة حول تدوين الحديث النبوي وتاريخه.
(سب سے پہلے ڈاکٹر اعظمیؒ نے ہی ''تدوین حدیث نبوی اور اس کی تاریخ'' کے موضوع پر یکجا ٹھوس علمی وقیمتی معلومات پیش کیں۔)

(من مقالة الدكتور عبد السميع الأنيس، ترجمانی: سعد اشتیاق)

ڈوبا ہے جانے کون کہ دریا اُداس ہے

مولانا شمس الرحمٰن قاسمی، استاذ جامعہ اسلامیہ قلندر پور مظفر پور اعظم گڈھ

برصغیر آغاز اسلام ہی سے آفتاب نبوت کی درخشاں کرنوں سے منور رہا، خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں سندھ کے علاقہ میں مسلمانوں کی آمد ہوگئی تھی، علم حدیث سے تعلق واشتغال اور اعتناء محمد بن قاسم ثقفی (ت: ۹۵ھ) کے سندھ میں فاتحانہ داخلہ کے وقت سے ہی ہوگیا تھا، دوسری صدی ہجری میں مشہور محدث تبع تابعی ربیع بن صبیح السعدی (ت: ۱۶۰ھ) کا ورودِ مسعود گجرات میں ہوا، یہ ان بزرگوں میں ہیں جن کا شمار حدیث کے اولین مصنفین میں ہوتا ہے، تذکرۂ علماء ہند کے مصنف رحمان علی ناروی نے لکھا ہے کہ یہ اسلام کی سب سے پہلی صاحب تصنیف شخصیت ہیں۔ (تذکرۂ علماء ہند: ۳)

اسی طرح سیر ومغازی کے سلسلہ میں اولیت کا سہرا دوسرے ہندنژاد محدث ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن السندی (ت: ۱۷۰ھ) کو حاصل ہے، جو سفیان ثوری (ت: ۱۶۱ھ)، عبدالرزاق صنعانی صاحب المصنف (ت: ۲۱۱ھ)، وکیع بن الجراح (ت: ۱۹۷ھ)، لیث بن سعد مصری (ت: ۱۷۵ھ) اور واقدی (ت: ۲۰۷ھ) جیسے مشاہیر اہل علم کے استاذ ہیں۔

غزنوی فتوحات سے پہلے سندھ میں علوم اسلامیہ کی نشو ونما اور ترقی کے باوجود ان کے اثرات ملک کے دوسرے حصوں میں نہ پہونچ سکے، لیکن سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملہ کے بعد باقاعدہ اور منظّم شکل میں اسلامی علوم وفنون کی ترقیات کا آغاز ہوا، اور بعد کے ادوار میں علوم اسلامیہ کی ہر شاخ کو وہ ترقی ہوئی اور ماہرین کی کثیر جماعت نے ملک کے کونے کونے کو اپنی علمی جدو جہد سے ایسا رشک فلک بنادیا کہ اس کی نظیر دیگر ممالک میں خال خال ہی ملتی ہے، بقول ضیاء الدین برنی اس وقت صرف دہلی میں ایسے علماء اور ماہرین فن موجود تھے جن کی مثال بخارا، سمرقند اور بغداد میں بھی نہیں مل سکتی (تاریخ فیروز شاہی: ۱/۶۵۲، بحوالہ: ہندوستان میں علم حدیث، از ڈاکٹر نعیم صدیقی)

چنانچہ رضی الدین حسن بن محمد صغانی (ت: ۶۵۰ھ) علی متقی برہانپوری (ت: ۹۷۵) محمد طاہر پٹنی

(ت:۹۸۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ت:۱۰۵۲ھ) اور شاہ ولی اللہ دہلوی (ت:۱۱۷۶ھ) کے ذریعہ علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت نہایت جامعیت کے ساتھ ہوئی، خصوصاً شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کی اولاد واحفاد اور تلامذہ کی جدوجہد سے سرزمین ہند علوم اسلامیہ کا مرکز بن گئی، اور علماء ہند نے علوم اسلامیہ کے ہر فن میں اپنی عبقریت کے نمونے پیش کیے، بالخصوص علم حدیث وفقہ اور تفسیر میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

اسی سلسلۂ ولی اللّٰہی کی سنہری کڑی علماء دیوبند ہیں جنہوں نے ہندوستانی فضاؤں کو قال اللہ اور قال الرسول کے نورانی نغموں سے معمور کردیا، خاص طور سے محدث احمد علی سہارنپوریؒ (ت:۱۲۹۷ھ)، حجۃ الاسلام محمد قاسم نانوتویؒ (ت: ۱۲۹۷ھ)، فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (ت: ۱۳۲۳ھ)، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (ت:۱۳۳۹ھ)، محدث خلیل احمد سہارنپوریؒ (ت:۱۳۴۶ھ)، امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (ت:۱۳۵۲ھ) اور شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ (ت: ۱۹۵۷ء) وغیرہ کے ذریعہ اسلامی علوم وفنون خصوصاً علم حدیث کی ترویج واشاعت میں یہ ملک ہندوستان تمام بلاد اسلامیہ سے فوقیت لے گیا، جس کا اعتراف عالم اسلامی کے نامور محقق وادیب علامہ رشید رضا مصری نے یوں کیا:

" لولا عناية إخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر، لقُضِيَ عليها بالزوال من أمصار الشرق، فقد ضَعُفَتْ في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة" (مقدمة مفتاح كنوز السنة)

(اگر علماء ہند اس زمانہ میں علوم حدیث کی طرف توجہ نہ کرتے تو یہ فن مشرقی دنیا سے رخصت ہوجاتا، کیونکہ مصر، شام، عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری ہی سے علم حدیث زوال پذیر ہوگیا تھا)۔

شیخ الاسلام حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے علوم وفنون سے عرب وعجم نے یکساں طور پر استفادہ کیا، علماء ربانیین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے کسب فیض کیا اور پورے عالم میں علوم اسلامیہ کے پھیلانے میں نمایاں کردار ادا کیا، اسی سلسلۃ الذہب کی نمایاں اور مضبوط کڑی عالم اسلام کے نامور محدث ومحقق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نور اللہ مرقدہ ہیں جن کی عبقری ذات نے محدثین ومحققین کے علم وفضل اور تحقیق وتدقیق کی تابناک روایت کو غیر معمولی طور پر آگے بڑھایا اور علم حدیث کے گنج ہائے گراں مایہ کو جو مخطوطات

کی دنیا میں مدفون ومجہول تھے اپنی تحقیق وتدقیق سے منصۂ شہود پر لا کر حیاتِ نوبخشی۔

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نور اللہ مرقدہ نے علوم اسلامیہ کی گراں قدر خدمات انجام دیں، جن اساتذۂ کرام سے آپ نے فیض حاصل کیا وہ سب اپنے وقت کے علم وفن کے امام اور درکفِ جام شریعت درکفِ سندان عشق کے عملی پیکر تھے، آپ کے استاذ شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ جہاں علم وفضل میں امامت کے مقام پر فائز تھے وہیں میدان کے غازی بھی تھے، آپ کا ہر لمحہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا تھا، لائق شاگرد پر استاذ کا اثر پڑنا ناگزیر تھا، شاگرد نے بھی قلم کے ذریعہ جہاد فی الاسلام کا جو کارنامہ انجام دیا وہ تاریخ اسلام کا سنہرا باب ہے، آپ حدیث پاک: ''**يحمل هذا العلم من كل خلف عدو له، ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين**'' کے نمونہ اور ''**أ ينقص في الدين وأنا حي**'' کے عملی پیکر تھے۔

ڈاکٹر اعظمیؒ اور مستشرقین:

دشمنان اسلام نے ہمیشہ اسلام کی بیخ کنی کے لیے کوئی موقع نہیں چھوڑا، عہد عباسی میں زنادقہ نے اسلام کے خلاف منظّم سازشیں کیں، اس وقت کے علمائے راسخین نے ان کا دنداں شکن جواب دیا، ماضی قریب میں ہمارے ملک ہندوستان میں بھی منکرینِ حدیث، اور جھوٹے مدعیانِ نبوت نے بال و پر نکالے، علماء ربانیین نے ان کا بھرپور تعاقب کیا اور ان کے مکروفریب اور دسیسہ کاریوں کی قلعی کھول کر رکھ دی، محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہ نے ''نصرۃ الحدیث'' لکھ کر ان کے دجل وفریب کو آشکارا کیا اور ان کے فتنے کو ان کے گھر تک پہونچایا۔

اسی طرح مستشرقین نے بھی اسلام کے پورے ڈھانچے کو تباہ وبرباد کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، اور اسلام کے دو بنیادی مأخذ قرآن وحدیث کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، قرآن کے کتابِ الٰہی ہونے کا انکار کیا، اور حدیث شریف کی استنادی حیثیت میں شکوک وشبہات پیدا کیے، نیز انہیں حکومتوں کی پشت پناہی بھی حاصل رہی، مغربی حکومتوں نے انہیں ہر طرح کی سہولتیں مہیا کرائیں تاکہ بالکل یکسو ہو کر اس کام میں مشغول ومنہمک رہیں، چنانچہ مستشرقین جو بھی لکھتے ہیں اسے خالص علمی رنگ میں پیش کرتے ہیں اور اپنی تحقیقات کو مصادر ومراجع کے حوالوں سے مزین کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی علمی تحقیقات کی خوب پزیرائی ہوئی اور مغربی دانش کدوں میں تقدس واحترام کے مقام پر جگہ ملی، بعض مسلم تعلیم یافتہ جو جدید مغربی

تہذیب کے پروردہ ہیں وہ بھی ان کی نام نہاد علمی تحقیقات کے دام فریب میں مبتلا ہو گئے، وقت کے باغیرت علماء نے منکرین ومستشرقین کے دجل وفریب اور دسیسہ کاریوں کے تار وپود بکھیرے اور دنداں شکن جواب دیا، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے ''السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي'' میں، اور ڈاکٹر عجاج الخطیب نے ''السنة قبل التدوين'' میں ان کا مسکت جواب دیا لیکن منکرین ومستشرقین کے سلسلہ میں جتنے کام وجود میں آئے وہ عربی اور اردو زبان میں ہیں، ضرورت تھی کہ مستشرقین کا جواب انہیں کی زبان واسلوب اور معیار میں دیا جائے تاکہ اس کا فائدہ عالمگیر ہو، یہ توفیق ایزدی ضیغم اسلام ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نور اللہ مرقدہ کا مقدر تھی، دفاع عن الاسلام آپ کے خمیر کا جزو تھا، آپ سچے عاشق رسول تھے، اور قاعدہ ہے کہ عاشق اپنے خلاف تو برداشت کرسکتا ہے لیکن محبوب کی ذات وصفات پر کوئی حرف آئے اسے ایک لمحہ کے لیے گوارا نہیں، رسول کی ذات وصفات پر حملہ ہو اور عاشق رسول اس کے دفاع کے لیے ماہی بے آب کی طرح بے چین نہ ہو یہ ممکن نہیں۔

۱۹۵۵ء کی بات ہے کہ آپ بغرض ملازمت قطر تشریف لے گئے، اور وہاں ایک معروف امریکی کمپنی نے کچھ مستشرقین کی اسلامیات سے متعلق کتابیں تقسیم کیں، اسی میں مشہور مستشرق جوزف شاخت کی کتاب بھی تھی جس کو مغربی دنیا میں غیر معمولی تقدس واحترام کا مقام حاصل تھا، ڈاکٹر صاحب نے عربی نیوز چینل ''صفا'' کو انٹر یو دیتے ہوئے بتایا کہ: کتاب کا میں نے مطالعہ کیا، اس میں مذکور سطحی مباحث اور اس کی ہفوات کو پڑھ کر مجھے شدید حیرانی لاحق ہوئی، اسی وقت میں نے عزم کیا کہ مستشرقین کی علمیت کا پول اور ان کے استدلال کا جھول انہیں کے گھر میں بیٹھ کر کھولوں گا، چنانچہ اسی مقصد کے لیے ۱۹۶۴ء میں قطر سے لندن گئے، اور دنیا کی مشہور ومعروف کیمبرج یونیورسٹی سے (Studies in Early Hadith Literature) کے عنوان پر انگریزی زبان میں مقالہ پیش کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، اور جوزف شاخت کے حدیث پاک کی استنادی حیثیت کے سلسلہ میں شکوک وشبہات اور گمراہ کن نظریات وہفوات کا ناقابل تردید دلائل کے ساتھ دنداں شکن جواب دیا کہ یورپ حیران وششدر رہ گیا اور شاخت کی کتاب کے تقدس واحترام کا تاج محل زمیں بوس ہو گیا، اس کتاب کا عربی ترجمہ اہم اضافات کے ساتھ ''دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه'' کے نام سے شائع ہوا جو بیحد مقبول ہوا۔

حدیث پاک کی طرح قرآن مجید کو بھی مستشرقین نے اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اس کے کلام الٰہی

ہونے کا انکار کیا، اس سلسلہ میں بھی آپ نے نہایت اہم کارنامہ انجام دیا اور انگریزی زبان میں: (The History of The Quranic Text, From Revelation To Compilation, A Comparative Study With Old and New Testaments) تصنیف فرمائی، جس میں تاریخ تدوینِ قرآن پر مفصل کلام اور قرآن و بائبل کی تدوین کا تقابلی مطالعہ کیا اور نا قابلِ انکار دلائل سے ثابت کیا کہ قرآن کریم میں کسی قسم کی تبدیلی کا دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے، اس کتاب کی تیاری میں مصنف علام نے کس قدر محنت صرف کی ہے کتاب کے مآخذ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جس میں توریت وانجیل کے نسخے اور سریانی وعبرانی زبان کی بعض کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، مآخذ کی تعداد ۳۵۶ ہے، در حقیقت یہ کتاب آپ کے علمی کارناموں میں سب سے اہم کارنامہ ہے، ان شاءاللہ جلد ہی یہ کتاب اردو زبان میں پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے ترجمہ سے نورِ نظر ہوگی۔

اسی طرح آپ کی سب سے آخری تصنیف: "**النص القرآني الخالد عبر العصور، دراسة ومقارنة مصورة لسورة الإسراء بين تسعة عشر مصحفاً من منتصف القرن الأول إلى الخامس عشر**" بھی قرآنیات کے موضوع پر ہے، جسے آپ نے سفرِ آخرت سے کچھ پہلے تصنیف فرمایا، دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود مختلف ادوار کے ۱۹ رقدیم قرآن مجید کے مخطوطات کی روشنی میں سورۂ اِسراء کا خصوصی مطالعہ کیا اور یہ ثابت کیا کہ متنِ قرآن نزول سے لے کر آج تک کسی قسم کی تبدیلی اور تحریف سے مکمل پاک ہے۔

شاہ فیصل عالمی ایوارڈ اور سعودی شہریت:

آپ نے فن حدیث کی گراں قدر خدمات انجام دیں جنہیں عالمِ عربی واسلامی میں سراہا گیا اور نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا، استاذ محترم ڈاکٹر اشتیاق احمد اعظمی مدظلہ العالی نے آپ کے علمی کارناموں کو تفصیل سے ذکر کردیا ہے، انہیں حدیثی خدمات کے صلہ میں ۱۹۸۰ء میں آپ کو شاہ فیصل عالمی ایوارڈ سے نوازا گیا، اور اس کے ایک سال بعد ۱۹۸۱ء میں سعودی شہریت بھی تفویض کی گئی۔

سفرِ آخرت:

زندگی کی شام ہوچکی ہے، چراغِ سحری خاموش ہونے کے لیے تیزی سے بھبھک رہا ہے، مگر اسلام کا یہ مردِ مجاہد باطل کی سرکوبی کے لیے ہروقت تازہ دم، وہی جذبہ، وہی جوش،....... بقیہ صفحہ (۴۴) پر

فیضانِ الٰہی ہے یکسر

حافظ ممتاز احمد، سابق استاذ دارالعلوم مئو

خطۂ اعظم گڑھ جو اپنے جغرافیائی رقبہ کے لحاظ سے ایک چھوٹی سی ریاست کا درجہ رکھتا ہے۔ وہاں کے شہر، قصبوں اور قریوں میں پیدا ہونے والی یگانۂ روزگار ہستیوں کی کثرت تعداد کو دیکھ کر ایک دیدہ ور شاعر، مشہور لائر اور عالم دین نے بطور تحدیث نعمت جو فیضان الٰہی کا اعتراف کیا ہے، وہ ایک تاریخی حقیقت کا اظہار ہے۔ مدرسہ دارالعلوم مئو بھی اسی خطۂ ارض کی ایک قدیم دینی درسگاہ ہے۔ باوجود اس کے کہ دارالعلوم نے ''جامعہ'' ہونے کا دعویٰ کبھی نہیں کیا، مگر اس کے فارغین نیز ابنائے قدیم میں ایسے ایسے نابغۂ روزگار علمائے عظام کے نام ملتے ہیں جو اپنی ہمہ جہت صلاحیتوں کے اعتبار سے بجائے خود ایک دائرۃ المعارف کا درجہ رکھتے ہیں۔ محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نوراللہ مرقدہ، فقیہ عصر حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی رحمہ اللہ، صاحب ''معارف الحدیث'' حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور محقق شہیر حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی برد اللہ مضجعہ، ان تمام عظیم ہستیوں کی مدرسہ دارالعلوم کے ساتھ نسبت، بانیان مدرسہ اور منتسبین ادارہ پر یقیناً فیضان الٰہی کا مظہر ہے۔

مولانا محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ نے اولاً عصری ابتدائی نیز مڈل کلاس کی تعلیم، قریب کے سرکاری اسکولوں میں حاصل کی۔ یہ ٹھوس بنیادی تعلیم بھی آگے چل کر مرحوم کی حدیثی خدمات کے سفر میں معاون ثابت ہوئی۔ خاص طور پر انگریزی زبان کے حصول وعبور کے سلسلے میں؛ کیونکہ ماضی قریب تک کسی بھی زبان کی تدریس میں گرامر پر خاص توجہ ہوا کرتی تھی۔ قواعد کا علم نہ صرف زبان کو آسان بنا دیتا ہے؛ بلکہ طالب علم کے لیے زبان کے سیکھنے میں یک گونہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے مشکل نصاب تعلیم کے ساتھ ڈاکٹر صاحبؒ کسی ہم سبق سے انگلش بھی پڑھتے رہے، پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ''اونلی انگلش'' میں ہائی اسکول کا امتحان بھی پاس کرلیا۔ ایک ذہین طالب علم کی حیثیت سے انگلش زبان

وادب پر بتدریج بڑھتی ہوئی مہارت نے مولانا کی تحقیقی خدمات کو ایک نیا رنگ وآہنگ عطا کیا، تحصیل وابلاغ کے نئے مواقع میسر آئے۔

حصول علم کا سفر:

ڈاکٹر مولانا محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ کی عربی ودینی علوم کی پہلی منزل مدرسہ دارالعلوم مئو ہے، جہاں آپ ۱۹۴۴ء میں داخل ہوئے، پانچ سال تک دارالعلوم کے لائق اساتذۂ کرام سے اکتساب فیض کی برکت نے شمع علم کے اس پروانے کے دل میں نئے علمی جہانوں کی سیر کا شوق پیدا کر دیا، اولاً مدرسہ قاسمیہ شاہی مراد آباد، پھر از ہر ہند دارالعلوم دیوبند تک رسائی ہوئی۔ تکمیل فضیلت کے بعد قسمت نے یاوری کی تو از ہر ہند سے از ہر مصر جا پہنچے۔ جامعہ از ہر دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد بھی آپ کے شوق حصول علم میں کوئی کمی نہیں آئی۔ قطر میں ملازمت کا زمانہ تو ڈاکٹر صاحبؒ کے علمی سفر کا ایک ''ہالٹ'' تھا۔ یہاں سے اُڑان بھری تو لندن کے کیمبرج یونیورسٹی میں جا کر ہی دم لیا۔ قدیم مخطوطات کی تلاش بھی معاش کے لیے نہیں تھی۔ علمی تشنگی دور کرنے اور قرآن وسنت کی خدمت کے نیک جذبوں نے مولانائے موصوف سے متعدد شہروں اور کتب خانوں کی خاک چھنوائی۔ رضا لائبریری رامپور، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، حیدرآباد سالار میوزیم، سعیدی لائبریری ٹونک، خدابخش لائبریری پٹنہ اور پیر محمد شاہ لائبریری احمد آباد وغیرہ، پبلک لائبریری قطر تو آپ کی سفری قیام گاہ تھی ہی۔ ڈاکٹر مولانا محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ کی طالب علمانہ تگ ودو کا دائرہ تین براعظموں کے ہزاروں میل رقبے کا احاطہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے جس حوصلہ مندی کے ساتھ حصول علم کی منزلیں طے کی ہیں، وہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوں گی، ان شاءاللہ۔

علوم اسلامیہ سے مغرب کو روشناس کرانے کی کوشش:

ایمان کے بغیر نیک عمل بھی انسان کے لیے سودمند نہیں ہوتا، اس کی واضح مثال مستشرقین کی علمی کاوشیں ہیں۔ بلاشبہ انہوں نے علوم اسلامیہ کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں؛ مگر بقول علامہ شبلی مرحوم:

''لیکن باوجود عربی دانی، کثرت مطالعہ، تفحص کتب، ان کا حال یہ ہے کہ ع:

دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں''

مستشرقین اُنیسویں صدی تک پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات بابرکات پر نقطہ چینیاں کرتے رہے۔ سید

علی، سر سید احمد خان اور علامہ شبلی وغیرہ جیسے باہمت وباحمیت علماء کرام نے ان کے کھوکھلے الزامات کے جواب میں کتابیں اور مقالات لکھے۔ بیسوں صدی میں مستشرقین کی علمیت بڑھی تو ان کی اتہامی جارحیت بھی روز افزوں ہوئی، قرآن کی صداقت واصلیت اور حدیث کی معتبریت پر سوالیہ نشانات قائم کیے نیز فقہ اسلامی پر سخت تنقیدیں کیں۔

ڈاکٹر مولانا محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ کی عربی اور انگریزی زبانوں پر مضبوط دسترس نیز علمی وفنی مہارت کے روبرو یوروپین مصنفین اور دنیائے عرب کے غیر مسلم دانشوروں کی علمی خیانتیں، علوم اسلامیہ، قرآن وحدیث اور فقہ پر ان کی ہرزہ سرائیاں ہاتھ باندھے بے نقاب کھڑی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن پاک پر اپنی دو محققانہ کتابیں انہی کی زبان میں لکھ کر دلائل سے ثابت کیا کہ موجودہ قرآن وہی ہے جو نبی پاک ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ مشہور مستشرق پروفیسر شاخت کی فقہ اسلامی پر تنقیدی کتاب کا رد بھی انگریزی زبان میں کتاب لکھ کر کیا۔ ڈاکٹر مولانا محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ نے سب سے پہلے انگریزی زبان میں، انگریزوں کے ملک میں، مشہور زمانہ انہی کی کیمبرج یونیورسٹی میں دو مستشرق پروفیسروں کی نگرانی میں حدیث کی تاریخ وتدوین کے موضوع پر اپنا وقیع وپُر از معلومات مقالہ Studies in Early Hadith Literature تیز رفتاری کے ساتھ مکمل فرما کر Ph.D. کی ڈگری حاصل کی، اپنے مقالے میں ڈاکٹر صاحبؒ نے حدیث کی جمع وتدوین کے بارے میں حقیقی تاریخی صورت حال کو واضح کرتے ہوئے ثابت کیا کہ حدیث کی تدوین کا آغاز عہد نبوی میں ہی ہو گیا تھا، اس ضمن میں ہر طرح کے شکوک وشبہات باطل ہیں۔

یہ بھی فیضان الٰہی ہے یکسر:

ڈاکٹر مولانا محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ نے جتنی بھی کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے اکثر کی اشاعت مختلف ملکوں میں ہوئی، ہر ایک کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے، طباعت وترجمہ کا سلسلہ جاری ہے۔ اسلامی وغیر اسلامی ملکوں کی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم کا حصہ بنایا، اس سے آپ کی تصنیفات وتحقیقات کی وقعت وافادیت نیز مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت کے دربار میں آپ کی تمام علمی کاوشیں مقبول ہو کر نجات اخروی کا ذریعہ بن جائیں۔ آمین ثم آمین۔

مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی، کچھ یادیں، کچھ باتیں

مولانا محمد ارشد الاعظمی، مکہ مکرمہ

مولانا کے علمی شان، حیثیت، کارنامے پر تو اصحاب علم وفن ہی روشنی ڈالیں گے۔ یہ ناچیز تو صرف کچھ ملاقاتوں، یادوں اور شفقتوں کے ذکر پر ہی اکتفا کرے گا۔

مولانا کا ذکر خیر تو جب سے شعور آیا اسی وقت سے سنتا تھا؛ لیکن پہلی بار دیدار مسجد خوان جہاں بابا (مئو) پر ہوا، جو ہمارے پرانے گھر سے متصل ہے، جہاں کے ہم لوگ مصلی رہا کرتے تھے، مولانا غالبًا عصر کی نماز پڑھنے کے لیے آئے تھے، ان کے ساتھ بڑے صاحبزادے عقیل بھی تھے، پینٹ شرٹ میں ملبوس تھے، یہ ۱۹۷۰ء کے قریب کی بات ہے۔

پھران کا ذکر اس وقت بڑے اہتمام سے سنا جب انہیں دراسات اسلامیہ میں شاہ فیصل ایوارڈ ملا، اس وقت میں ندوۃ العلماء میں تھا اور اسی سال حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کو بھی خدمت اسلام میں فیصل ایوارڈ دیا گیا تھا۔

باقاعدہ ملاقات وتعارف اس وقت ہوا جب میں ۱۹۸۷ء میں تعلیم کی غرض سے ریاض گیا، میں معہد اللغۃ العربیۃ (Arabic Language Institute) کے شعبۂ تدریب المعلمین میں گیا تھا اس لیے کہ اس وقت ترکیشور (گجرات) کے مدرسے میں مدرس تھا۔ ترکیشور کے مدرسہ فلاح دارین کے مہتمم، حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی صاحبؒ، مولانا اعظمی صاحب سے واقف تھے، دیوبند میں وہ لوگ ایک ساتھ رہے تھے، جب میں ریاض کے لیے نکلنے لگا تو مولانا عبداللہ صاحب نے ایک خط دیا کہ ڈاکٹر اعظمی صاحب کو دے دوں، جامعۃ الملک سعود ریاض (King Saud University) پہنچنے کے بعد میں نے معلومات کی کہ ڈاکٹر اعظمی صاحب کہاں ہوتے ہیں تو پتہ چلا کہ کلیۃ التربیۃ (Education College) کے قسم الثقافۃ الإسلامیۃ میں مولانا ہوتے ہیں۔

ہم جب اپنے ہاسٹل سے معہد اللغۃ جاتے تھے تو بیچ میں کلیۃ التربیۃ کی بلڈنگ ملتی تھی اور مولانا کی یاد

آتی تھی۔ (جامعۃ الملک سعود کافی بڑی یونیورسٹی ہے اور بہت بڑے رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے)

بہر حال ایک دن ہم کلیۃ التربیۃ پہنچ گئے کہ مولانا کو خط دے دیں؛ لیکن ملاقات نہیں ہوئی، یا شاید ہمیں اندر جانے نہیں دیا گیا، مولانا اس وقت غالباً قسم الثقافۃ الإسلامیۃ کے ہیڈ (Head) تھے، ان کے سکریٹری نے مجھ سے خط لے لیا کہ میں پہنچا دوں گا، ہم واپس آ گئے، چند دنوں کے بعد میں دوبارہ گیا کہ پتہ نہیں وہ خط ان تک پہنچایا نہیں، تو اس دن مولانا اپنے آفس سے نکل کر کہیں جا رہے تھے، میں پہچان گیا تو میں نے کچھ پوچھنا ہی چاہا تھا کہ انہوں نے اردو میں کہا کہ بات کیا ہے؟ میں نے خط کا ذکر کیا تو انہوں نے صرف اتنا کہا کہ وہ مجھے مل گیا تھا اور تیزی سے چلے گئے۔

اب ہم لوگ اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گئے، کلاس آتے جاتے رہے، اساتذہ سے درس گاہ میں کچھ مناقشات بھی ہوتے، کچھ پاکستانی طلبہ (اردو بولنے والے) پہلے سے جامعہ میں تھے، وہ ہمیں سمجھ گئے، دیوبندی مکتبۂ فکر کے تھے، وہ ہمیں بھی ملنے لگے، تعارف ہوا اور وہ ڈاکٹر اعظمی صاحب کے کچھ کام بھی کرتے تھے، ایک دن ایک صاحب مجھ کو لے کر اعظمی صاحب کے پاس گئے کہ یہ نئے نئے آئے ہیں، میں نے اپنا تعارف کرایا ہوگا، والد صاحب اور دادا کا نام بتایا ہوگا، یہ بھی کہا ہوگا کہ دیوبند اور ندوہ میں پڑھا ہے، ڈاکٹر صاحب چونکہ بے پناہ ذہین آدمی تھے، فوراً سمجھ گئے اور اب بہت اچھی طرح ملے، غالباً انہوں نے میری عربی میں لکھی کچھ تحریر بھی دیکھی تھی، اس کے بعد تو پھر برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں، بیشتر ملاقات کلیۃ التربیۃ کی بلڈنگ ہی میں ہوتی، ان کے کچھ کام جو پروف ریڈنگ (Proof Reading) جیسے تھے، وہ میں نے کئے، مسند امام احمد کا کام یاد آ رہا ہے، کمپیوٹر سے مطبوعہ اوراق ہوتے تھے جس میں کچھ نشانات لگانے ہوتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب اب اس دنیا میں نہیں ہیں، اللہ انہیں جزائے خیر دے، انہوں نے کام کا پورا معاوضہ مجھے دیا جو ہم جیسے لوگوں کے لیے بڑی خوشی اور مالی تقویت کا باعث بنا۔ الحمد للہ ہم نے کبھی پیسے کا مطالبہ نہیں کیا، وہ اپنی صوابدید سے دیتے رہے، پوچھتے تھے کہ کتنے گھنٹے کام کرتے ہو، ان کی عنایتوں اور اعتماد کے اور بھی مواقف ہیں، اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ وہ مجھے اپنے گھر لے گئے، صرف ہم دونوں تھے، کچھ کام کیا اور پھر چائے بنا کر لائے اور پی گئی۔ بتایا کہ یہاں شیخ ابن بازؒ بھی آئے تھے، گھر کا قیمتی فرنیچر بھی دکھایا، فیملی اس وقت غالباً

امریکہ میں تھی۔

مکہ مکرمہ بھی تشریف لائے، ہم جیسے ناچیز کے گھر پر بھی آئے، رمضان کا زمانہ تھا، کچھ خورد ونوش نہیں ہوسکا، اس وقت ان کی اہلیہ اور بیٹی ساتھ تھیں، کہنے لگے کچھ کھجور دیدو اس سے افطار کرلیں گے۔

انٹرکونٹینینٹل ہوٹل (Inter Continental Hotel) مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ قیام پذیر تھے، مجھے ٹیلیفون کیا، گیا تو کہنے لگے کہ تمہاری گاڑی میں AC ہے؟ پھر میرے ساتھ اپنی دوزمینوں پر گئے، وہ راستہ بتاتے اور میں ڈرائیونگ کرتا، اپنے مکہ مکرمہ میں قیام کا ذکر بھی کرتے، اس زمانے کے ایک سیلاب کا بھی ذکر کیا، جب حرم شریف میں کافی پانی بھر گیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کی شفقتیں یاد آتی رہیں گی اور ان کے لیے دل سے دعائیں نکلتی رہیں گی، میرے تدریب المعلمین سے فراغت کے بعد میرا داخلہ **الدبلوم العالي في تدريس اللغة العربية** میں ہوگیا تھا، اس کے اسکالرشپ (Scholarship) کا پرابلم تھا، اس کے حل کے لیے ڈاکٹر صاحب خود مدیر معہد اللغۃ اور وکیل الجامعۃ کے پاس گئے اور اسے حل کرایا یعنی اسکالرشپ بڑھوائی۔

اخیر میں ان کی شفقتیں بہت بڑھ گئی تھیں، بڑی محبت سے بات کرتے، میری گفتگو ہمیشہ اردو میں بے تکلف ہوتی، کہیں کوئی تصنع یا دکھاوا نہیں تھا، ٹیلیفون سے لمبی لمبی گفتگو فرماتے، مئو کی خیریت، وہاں کے کاروبار کی صورت حال، میری ملازمت کے بارے میں، چھٹی جانے کے سلسلے میں پوچھتے اور بعض مرتبہ مئو کے حجاج کرام کی تعداد بھی معلوم کرتے، آخری گفتگو ان کی ایک کتاب کے سلسلے میں ہوئی جو انہوں نے قرآن کی حقانیت پر لکھی ہے، میں نے ریاض میں **وزارة الثقافة والإعلام** کے طریقۂ کار کو لکھ کر عقیل اعظمی کو بھیج دیا تھا، وہ کتاب انگریزی اور عربی میں تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات ایک بہت بڑے محدث، عالم، مؤلف، محقق اور مدرس کی تو ہے ہی، مجھ ناچیز کے لیے ان کی وفات ایک بہت بڑے مشفق سرپرست کی بھی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالحہ کو قبول فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے، جنت میں اعلیٰ مقام بخشے، آمین۔ ع:

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

۞ ۞ ۞

شاہ فیصل عالمی ایوارڈ یافتہ عظیم محدث مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ کی وفات پر عالم اسلام کا علمی حلقہ سوگوار

مولانا ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ریاض

سال ۲۰۱۷ء میں متعدد جید علماء کرام اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ ان میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے جیالے سپوت، حدیث کی عظیم خدمات پر شاہ فیصل عالمی ایوارڈ یافتہ ہندنژاد سعودی مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی بھی ہیں، جو ریاض شہر میں بروز بدھ ۲۰/دسمبر ۲۰۱۷ء کو بعد نماز فجر انتقال فرما گئے۔ شہر ریاض کی مشہور مسجد الراجحی میں اُسی دن نماز ظہر کے بعد مرحوم کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور محلّہ نسیم کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہے کہ مجھے حدیث کے اس امام کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور جنازہ کو کندھا دینے کے ساتھ آپ کی قبر پر مٹی ڈالنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ مرحوم کے انتقال پر عالم اسلام سمیت ہندوستان کے علمی حلقوں میں رنج وغم کا ماحول ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم نے ڈاکٹر اعظمی کی وفات کو امت مسلمہ کے لیے ایک بڑا علمی خسارہ قرار دیا۔ ریاض میں مقیم فضلاء دارالعلوم دیوبند نے بھی ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کے دولت کدہ پر حاضری دے کر آپ کی وفات پر اپنے دکھ درد کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ احادیث نبویہ کو سب سے پہلے کمپیوٹرائز کرکے مرحوم نے حدیث کی وہ عظیم خدمت انجام دی ہے کہ آنے والی نسلیں آپ کی اس اہم خدمت سے استفادہ کرتی رہیں گی۔

۲۰۱۳ء میں اپنی .Ph.D کے مقالہ کی تحقیق کے دوران ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کے نام نامی سے واقفیت ہوئی۔ ۱۹۹۹ء سے ریاض میں مقیم ہونے کے باوجود عصر حاضر کے عظیم محدث سے اب تک ملاقات نہ کرنے پر بہت قلق اور افسوس ہوا، لیکن موصوف سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے میں مزید تاخیر کرنے

کے بجائے آپ کے علاقہ کے ہی ریاض میں مقیم مولانا شانِ الٰہی قاسمی کے ہمراہ آپ کے دولت کدہ پر حاضری دی۔ پہلی ہی ملاقات میں ڈاکٹر صاحب سے ایسا خصوصی تعلق ہوگیا کہ اس کے بعد سے ملاقات کا ایک معمول بن گیا یا کم از کم فون پر ہی بات ہوجاتی۔ اگر ملاقات یا فون کرنے میں تاخیر ہوتی تو ڈاکٹر صاحب کی محبت پر قربان جائیے کہ خود ہی مجھے فون کرلیا کرتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب انتہائی مخلص انسان اور قرآن وحدیث کے سچے داعی تھے، جس کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ ایک مرتبہ جب اُن سے ملاقات کے دوران کہا کہ آپ نے قرآن وحدیث کی تدوین پر مستشرقین کے اعتراضات پر مدلل جوابات دے کر، احادیث نبویہ کو سب سے پہلے کمپیوٹرائز کر کے نیز عربی اور انگریزی میں متعدد کتابیں تحریر فرما کر وہ عظیم کارنامہ انجام دیا ہے کہ اُس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے، لیکن اُس کے باوجود آپ کی شخصیت عوامی سطح پر متعارف نہیں ہوسکی، جب کہ سعودی عرب میں مقیم ہندپاک کے بعض دیگر علماء نے آپ کی بہ نسبت بہت کم کام کیا ہے لیکن انہوں نے اپنے نام اور منصب کو کیش کیا۔ جس پر موصوف نے جو جواب دیا اُس میں ہم سب کے لیے عبرت ونصیحت ہے: ''حضرت میں تاجر نہیں ہوں بلکہ ریسرچ اسکالر ہوں۔'' ڈاکٹر صاحب کا ایک دوسرا جملہ بھی ہمارے خاص کر علماء کے لیے انتہائی سبق آموز ہے: ''میں روزانہ اپنا محاسبہ کرتا ہوں اور جس دن میں نے کوئی علمی کام نہیں کیا ہوتا تو میں اس دن اپنے کو مردہ سمجھتا ہوں۔'' ڈاکٹر صاحب قرآن وحدیث کی تدوین پر مستشرقین کے اعتراضات سے بہت زیادہ فکرمند رہتے تھے، اس لیے ان کی گفت وشنید مستشرقین کی ریشہ دوانیوں پر ضرور ہوا کرتی تھی، نیز وہ ہجری کیلنڈر کو زیادہ سے زیادہ رائج کرنے کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔

کم وبیش ہر ملاقات میں آپ کی ۹۰/ سالہ زندگی کے مختلف مراحل پر گفتگو کے ساتھ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کا بھی ذکر خیر ہوا کرتا تھا۔ موصوف نے ہمیشہ دارالعلوم دیوبند سے اپنی نسبت کو فخریہ طور پر ہی بیان فرمایا۔ ایک طویل عرصہ سعودی عرب میں رہنے کے باوجود ہندوستان خاص کر اپنے علاقہ سے تعلق کو برقرار رکھا۔ ہندوستان کے موجودہ حالات پر بھی آپ کافی فکرمند رہا کرتے تھے۔ ۲۰۱۳ء سے ۲۰۱۶ء کے دوران جب بھی ہم نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے کسی پروگرام میں شرکت کی دعوت دی، اپنی بیماری اور ضعف کے باوجود اس میں ضرور تشریف لائے۔ دسمبر ۲۰۱۳ کے ایک پروگرام میں ڈاکٹر اعظمی صاحب کے

ساتھ ہندوستان کے مشہور اسکالر پروفیسر اختر الواسع صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ انہوں نے اس وقت کہا تھا کہ مجھے ہندوستان سے سعودی عرب کے اس پورے سفر کا ماحصل مل گیا اور وہ ہے ڈاکٹر اعظمی صاحب سے ملاقات۔ انہوں نے مزید کہا کہ تابعین کہا کرتے تھے کہ ہم نے فلاں صحابی سے ملاقات کی، اور تبع تابعین کہا کرتے تھے کہ ہماری فلاں تابعی سے ملاقات ہوئی، اسی طرح علماء لکھتے ہیں کہ ہماری فلاں محدثین ومفسرین سے ملاقات ہوئی، اب مجھے بھی یہ شرف حاصل ہوگیا ہے کہ میں بھی کہوں اور لکھوں کہ میری ملاقات عصر حاضر کے عظیم محدث یعنی ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی صاحب سے ہوئی ہے۔

ڈاکٹر اعظمی صاحب نے اپنی خصوصی دلچسپی سے قرآن کریم کے نسخوں پر مستشرقین کے اعتراضات کے مدلل جوابات کے لیے ۲۵۰ر صفحات پر مشتمل ایک ایسی کتاب مکمل فرمادی جو صدیوں تک دین اسلام کی حفاظت کے لیے مضبوط قلعہ کا کام کرتی رہے گی۔ ڈاکٹر اعظمی صاحب تقریباً ۱۵ر سال سے اس کتاب کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے، جس کے لیے انہوں نے مختلف ممالک کے اسفار بھی کیے۔ انہوں نے اس کتاب میں قرآن کریم کے دنیا میں موجود مشہور ومعروف ۱۹ر مخطوطوں کا مقارنہ کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ میں ۱۴۰۰ر سال سے آج تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اس کتاب کے ۱۵۰ر صفحات پر مشتمل قرآن کریم کے مخطوطوں کا مقارنہ ہے، جبکہ ۵۰ر صفحات پر انگریزی میں اور ۵۰ر صفحات پر عربی میں ڈاکٹر صاحب کا تحقیقی مقدمہ ہے۔ یہ کتاب ترکی سے شائع ہونے کے بعد جنوری ۲۰۱۸ء کو ریاض پہنچنے والی تھی، مگر اُس سے قبل ہی حضرت اپنے حقیقی مولا سے جا ملے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون. مگر اس کتاب کے دو نسخے پوسٹ کے ذریعہ آپ کے پاس پہنچ گئے تھے، غرضیکہ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کی آخری واہم کتاب (Ageless Qur'an Timeless Text) (النص القرآني الخالد عبر العصور) بھی آپ کی زندگی میں شائع ہوگئی ہے۔ میری ڈاکٹر صاحب سے اس نئی کتاب کے اجرا کی تقریب منعقد کرنے کے لیے متعدد مرتبہ گفتگو ہوئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہر چیز پر غالب آتا ہے۔

مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ کی علمی خدمات اور اُن کی سوانح حیات پر بندہ کی کاوش پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

آپ کی پیدائش ۱۹۳۰ء (۱۳۵۰ھ) کے آس پاس اتر پردیش کے مردم خیز علاقہ مئو (اعظم گڑھ)

میں ہوئی۔ برصغیر کی معروف علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۵۲ء (۱۳۷۲ھ) میں فراغت حاصل کی۔ ازہر الہند دارالعلوم دیوبند سے علوم نبوت میں فضیلت کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد دنیا کے معروف اسلامی ادارہ جامعہ ازہر، مصر سے ۱۹۵۵ء میں "شهادة العالمية مع الإجازة بالتدريس" (MA) کی ڈگری حاصل کی اور وطن عزیز واپس آ گئے۔ ۱۹۵۵ء میں ملازمت کی غرض سے قطر چلے گئے اور وہاں کچھ دنوں غیر عربی داں حضرات کو عربی زبان کی تعلیم دی، پھر قطر کی پبلک لائبریری میں لائبریرین کی حیثیت سے فرائض انجام دئے۔ اس دوران آپ نے اپنے علمی ذوق وشوق کی بنیاد پر متعدد قیمتی مخطوطات پر بھی کام کیا۔

۱۹۶۴ء میں قطر سے لندن چلے گئے اور ۱۹۶۶ء میں دنیا کی معروف یونیورسٹی Cambridge London سے جناب A.J.Arberry اور جناب Prof.R.B.Serjeant کی سرپرستی میں Studies in Early Hadith Literature کے موضوع پر Ph.D کی۔ مذکورہ موضوع پر انگریزی زبان میں Thesis پیش فرما کر CambridgeUniversity سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے سرفراز ہونے کے بعد آپ دوبارہ قطر تشریف لے گئے اور وہاں قطر پبلک لائبریری میں مزید دو سال یعنی ۱۹۶۸ء تک کام کیا۔

۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۳ء تک جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں مساعد پروفیسر کی حیثیت سے ذمہ داری بخوبی انجام دی۔

۱۹۷۳ء سے ریٹائرمنٹ یعنی ۱۹۹۱ء تک کنگ سعود یونیورسٹی میں مصطلحات الحدیث کے پروفیسر کی حیثیت سے علم حدیث کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

۱۹۶۸ء سے ۱۹۹۱ء تک مکہ مکرمہ اور ریاض میں آپ کی سرپرستی میں بے شمار حضرات نے حدیث کے مختلف پہلوؤں پر ریسرچ کی۔ اس دوران آپ سعودی عرب کی متعدد یونیورسٹیوں میں علم حدیث کے ممتحن کی حیثیت سے متعین کئے گئے، نیز مختلف تعلیمی وتحقیقی اداروں کے ممبر بھی رہے۔

حدیث کی عظیم خدمات پر ۱۹۸۰ء میں کنگ فیصل عالمی ایوارڈ:

۱۹۸۰ء (۱۴۰۰ھ) میں مندرجہ ذیل خدمات کے پیش نظر آپ کو کنگ فیصل عالمی ایوارڈ سے سرفراز

کیا گیا۔

۱) آپ کی کتاب "**دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه**" جوکہ انگریزی زبان میں تحریر کردہ آپ کی Thesis کا بعض اضافات کے ساتھ عربی میں ترجمہ ہے، جس کا پہلا ایڈیشن کنگ سعود یونیورسٹی نے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا تھا۔اس کتاب میں آپ نے مضبوط دلائل کے ساتھ احادیث نبویہ کا دفاع کر کے تدوین حدیث کے متعلق مستشرقین کے اعتراضات کے بھرپور جوابات دئے ہیں۔

۲) صحیح ابن خزیمہ جو صحیح بخاری وصحیح مسلم کے بعد احادیث صحیحہ پر مشتمل ایک اہم کتاب ہے، عصر حاضر میں چار جلدوں میں اس کی اشاعت آپ کی تخریج وتحقیق کے بعد ہی دوبارہ ممکن ہوسکی۔اس کے لیے آپ نے مختلف ممالک کے سفر کیے۔

۳) احادیث نبویہ کو عربی زبان میں سب سے پہلے کمپیوٹرائز کر کے آپ نے حدیث کی وہ عظیم خدمت کی ہے کہ آنے والی نسلیں آپ کی اس اہم خدمت سے استفادہ کرتی رہیں گی۔ان شاء اللہ یہ عمل آپ کے لیے صدقۂ جاریہ بنے گا۔

اس طرح ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی دنیا میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث کی عربی عبارتوں کو کمپیوٹرائز کیا۔غرضیکہ منتسبین مکتب فکر دیوبند کو فخر حاصل ہے کہ جس طرح احادیث کو پڑھنے وپڑھانے، کتب حدیث کی شروح تحریر کرنے اور حجیت حدیث اوراس کے دفاع میں سب سے زیادہ کام ان کے علماء نے کیا ہے، اسی طرح احادیث نبویہ کو کمپیوٹرائز کرنے والا پہلا شخص بھی فاضل دارالعلوم دیوبند ہی ہوا، جس نے قرآن وحدیث کی تعلیم وتعلم سے کامیابی کے وہ منازل طے کیے جو عموماً لوگوں کو کم میسر ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے کتب حدیث کی تخریج وتحقیق، ان پر تعلیقات، اپنی نگرانی میں ان کی اشاعت اور قرآن وحدیث کی تدوین کے متعلق مستشرقین کے اعتراضات کے مدلل جوابات انگریزی وعربی زبان میں پیش کر کے دین اسلام کی ایسی عظیم خدمت پیش کی ہے کہ ان کی شخصیت صرف ہندوستان یا سعودی عرب تک محدود نہیں ہے بلکہ دنیا کے کونے کونے سے ان کی خدمات کو سراہا گیا ہے، حتی کہ اسلام مخالف قوتوں نے بھی آپ کی علمی حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔غرضیکہ عصر حاضر میں شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۷۵ء-۱۹۳۳ء) کے شاگرد رشید محدث کبیر شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۰۱ء-۱۹۹۲ء) کے بعد شیخ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کا نام سرفہرست ہے، جنہوں نے متعدد کتب حدیث کے مخطوطات پر کام کرکے احادیث کے ذخیرہ کو امت مسلمہ کے ہر خاص و عام کے پاس پہونچانے میں اہم رول ادا کیا۔ شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تقریباً گیارہ احادیث کی کتابوں کی تخریج وتحقیق کے بعد ان کی اشاعت کروائی تھی۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی صاحب نے سعودی نیشنلٹی حاصل ہونے کے باوجود اپنے ملک، علاقہ اور اپنے ادارہ سے برابر تعلق رکھا ہے، تقریباً ہر سال ہی اپنے وطن کا سفر کرتے رہے ہیں، اپنے علاقہ کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے متعدد کام کرواتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر اعظمی صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ سے قبل تقریباً چھ ماہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں تعلیم حاصل کی ہے، نیز آپ تقریباً ایک سال علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھی زیر تعلیم رہے ہیں۔ آپ کے تین بچے ہیں، بیٹی فاطمہ مصطفیٰ اعظمی امریکہ سے M.Com اور Ph.D کرنے کے بعد شیخ زاید یونیورسٹی میں مساعد پروفیسر ہیں۔ بڑے صاحبزادے عقیل مصطفیٰ اعظمی امریکہ سے Engineering پھر Master in Engnireering اور Ph.D کرنے کے بعد کنگ سعود یونیورسٹی میں مساعد پروفیسر ہیں، چھوٹے بیٹے جناب انس مصطفیٰ اعظمی نے UK سے Ph.D کی ہے اور King Faisal Specialist Hospital میں برسر روزگار ہیں۔

اس کے علاوہ کنگ خالد بن عبدالعزیزؒ نے آپ کی عظیم خدمات کے پیش نظر ۱۹۸۲ء میں آپ کو Medal of Merit, First Class سے سرفراز فرمایا۔

سعودی نیشنلٹی: ۱۹۸۱ء (۱۴۰۱ھ) میں حدیث کی گرانقدر خدمات کے پیش نظر آپ کو سعودی نیشنلٹی عطا کی گئی۔

دیگر اہم ذمہ داریاں:

- Chairman of the Dept. of Islamic Studies, College of Education, King Saud University.
- Visiting Scholar at the University of Michigan, Ann Arbor, Michigan (1981-1982).
- Visiting Fellow of St. Cross College, Oxford, England, during Hilary term (1987).

- Visiting Scholar at the University of Colorado, Boulder, Colorado, USA (1989-1991).
- King Faisal Visiting Professor of Islamic Studies at Princeton University, New Jersy (1992).
- Member of Committee for promotion, University of Malaysia.
- Honorary Professor, Department of Islamic Studies, University of Wales, England.

علمی خدمات: آپ کی علمی خدمات کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

۱) **Studies in Early Hadith Literature**: یہ کتاب دراصل ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب کی Ph.D کی Thesis ہے جو انگریزی زبان میں تحریر کی گئی تھی جس کا پہلا ایڈیشن بیروت سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا، دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۸ء اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں امریکہ سے شائع ہوا اور اس کے بعد متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور الحمد للہ یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ اس کا ۱۹۹۳ء میں ترکی زبان میں اور ۱۹۹۴ء میں اندونیشی زبان میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ مشرق و مغرب کی متعدد یونیورسٹیوں میں یہ کتاب نصاب میں داخل ہے۔

۲) **دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه**: موصوف نے انگریزی زبان میں تحریر کردہ اپنی Thesis میں بعض اضافات فرما کر خود عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے، جو ۷۱۲ صفحات پر مشتمل ہے، جس کا پہلا ایڈیشن کنگ سعود یونیورسٹی نے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا تھا۔ اس کے بعد ریاض و بیروت سے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ان دونوں مذکورہ انگریزی و عربی کتابوں میں مستند دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تدوین حدیث کا آغاز حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ہی ہو گیا تھا، نیز اس دعوی کو غلط ثابت کیا گیا ہے کہ تدوین حدیث کا آغاز دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ہوا تھا۔

۳) **منهج النقد عند المحدثين نشأته وتاريخه**: اس کتاب میں موصوف نے مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے کہ محدثین کرام نے احادیث کے علمی ذخیرہ کو صحیح قرار دینے کے لیے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس کی کوئی نظیر حتی کہ ہمارے زمانہ میں بھی نہیں ملتی ہے۔ نیز اس کتاب میں تدوین حدیث کے ابتدائی دور میں محدثین کے حقیقی طریق کار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور

۲۳۴ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں ریاض سے، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۲ء میں ریاض سے اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء میں ریاض سے شائع ہوا ہے، اس کے بعد بھی اس کتاب کے شائع ہونے کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ کتاب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نصاب میں داخل ہے۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی اہم کتاب ہے۔

۴) **كتاب التمييز للإمام مسلم:** امام مسلمؒ کی اصول حدیث کی مشہور کتاب التمییز آپ کی تحقیق وتخریج کے بعد شائع ہوئی۔

۵) **Studies in Hadith Methodology and Literature:** اس کتاب میں حدیث کے طریق کار سے بحث کی گئی ہے تاکہ احادیث کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ نیز مستشرقین نے جو شبہات پیدا کردئے تھے ان کا ازالہ کرنے کی ایک بہترین کوشش ہے۔مصنف نے اس کتاب کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے پہلے حصہ میں احادیث کے طریق کار سے بحث کی گئی ہے جبکہ دوسرے حصہ میں حدیث کے ادبی پہلو کو صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث کی روشنی میں اجاگر کیا ہے۔ یہ کتاب انگریزی داں اصحاب کے لیے علوم وادب حدیث کے مطالعہ کا اہم ذریعہ ہے جو مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہے۔ کتاب کا پہلا اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۷ء میں امریکہ سے، تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں امریکہ سے شائع ہوا۔اس کے بعد متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۶) **The History of the Quranic Text from Revelation to Compilation:** یہ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کی بہترین تصانیف میں سے ایک ہے جس میں قرآن کریم کی تدوین کی تاریخ، مستند دلائل کے ساتھ ذکر فرمائی ہے۔ دیگر آسمانی کتابوں کی تدوین سے قرآن کریم کی تدوین کا مقارنہ فرما کر قرآن کریم کی تدوین کے محاسن وخوبیوں کا تذکرہ فرمایا ہے، نیز اسلام مخالف قوتوں کو دلائل کے ساتھ جوابات تحریر کیے ہیں۔اس کتاب میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ قرآن کریم کا حتمی نسخہ تیار کرنے کے لیے طریق کار پر بھی مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۳ء میں انگلینڈ سے، دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں دبئی سے شائع ہوا۔اس کے بعد سعودی عرب، ملیشیا، کناڈا اور کویت سے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ابھی تک اس اہم کتاب کا عربی یا اردو زبان میں ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ مولاناؒ نے ۸/فروری ۲۰۱۳ء کو میری ملاقات کے دوران اس عظیم کتاب کے اردو یا ہندی میں ترجمہ کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ یہ کتاب تقریباً ۴۰۰/صفحات پر مشتمل ہے۔

۷) **On Schacht's Origins of Muhammadan Jurisprudence**: مشہور ومعروف مستشرق "شاخت" کی کتاب کا تنقیدی جائزہ اور فقہ اسلامی کے متعلق اس کے ذریعہ اٹھائے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات پر مشتمل ایک اہم تصنیف ہے جو مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہے۔ یہ کتاب ۲۴۳صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۵ء میں نیویارک سے، دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۶ء میں انگلینڈ سے شائع ہوا ہے۔ اس کے بعد متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور سلسلہ برابر جاری ہے۔ یہ کتاب دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہے۔ ۱۹۹۶ء میں اس کا ترکی زبان میں ترجمہ شائع ہوا۔ عربی زبان میں ترجمہ اور اردو میں ملخص طباعت کے مرحلہ میں ہے۔

۸) **أصول الفقه المحمدي للمستشرق شاخت (دراسة نقدية)**: یہ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی صاحب کی انگریزی زبان میں تحریر کردہ کتاب کا عربی ترجمہ ہے جو ڈاکٹر عبدالحکیم مطرودی نے کیا ہے، جو ابھی تک شائع نہیں ہو سکا ہے۔

۹) **کُتّاب النبي ﷺ**: اس کتاب میں نبی اکرم ﷺ کی جانب سے خطوط لکھنے والے صحابۂ کرام کا تذکرہ ہے۔ مؤرخین نے عموماً ۴۰-۴۵ کاتبین نبی کا ذکر فرمایا ہے لیکن ڈاکٹر اعظمی صاحب نے ۶۰/ سے زیادہ کاتبین نبی ﷺ کا ذکر تاریخی دلائل کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۴ء میں دمشق سے اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں بیروت سے اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں ریاض سے شائع ہوا ہے۔ اس کے بعد اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ جلدی ہی شائع ہوا ہے۔

۱۰) **المحدثون من اليمامة إلى ۲۵۰ هجري تقريباً**: ابتدائے اسلام سے اب تک عالم اسلام کے تمام شہروں کے محدثین کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر مصنف نے الیمامہ کے

محدثین کا تذکرہ اس کتاب میں کیا ہے۔اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۹۴ء میں بیروت سے شائع ہوا ہے۔

۱۱) موطأ إمام مالك: آپ کی تخریج وتحقیق کے بعد اس اہم کتاب کی ۸ جلدوں میں اشاعت ہوئی۔ یہ حدیث کی مشہور ومعروف کتاب ہے جو امام مالکؒ نے تصنیف فرمائی ہے، بخاری ومسلم کی تحریر سے قبل یہ کتاب سب سے معتبر کتاب تسلیم کی جاتی تھی۔آج بھی اسے اہم مقام حاصل ہے۔مؤسسۃ زاید بن سلطان آل نہیان، ابوظبی نے اس کی اشاعت کی ہے۔آپ نے مؤطا مالک کے راویوں پر بھی کام کیا ہے جن کی تعداد آپ کی تحقیق کے مطابق ۱۰۵ ہے۔

۱۲) صحيح ابن خزيمه: صحیح ابن خزیمہ جو حدیث کی صحیح بخاری وصحیح مسلم کے بعد احادیث صحیحہ پر مشتمل ایک اہم کتاب ہے، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی صاحب نے ہی حدیث کی اس نایاب کتاب کو تلاش کیا جس کے بارے میں یہ خیال تھا کہ یہ ضائع ہو چکی ہے، اس طرح حدیث کی یہ اہم کتاب موصوف کی تخریج وتحقیق کے بعد ہی دوبارہ شائع ہو سکی۔اس کی چار جلدیں ہیں، پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں بیروت سے، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۲ء میں ریاض سے اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۳ء میں بیروت سے اور اس کے بعد بے شمار ایڈیشن مختلف اداروں سے شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

۱۳) العلل لعلي بن عبد الله المديني : آپ کی تحقیق وتعلیق کے بعد اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۲ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔اس کے بعد سے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۱۴) سنن ابن ماجه : حدیث کی اس اہم کتاب کی آپ نے تخریج وتحقیق کرنے کے بعد اس کو کمپیوٹرائز کر کے چار جلدوں میں ۱۹۸۳ء میں ریاض سے شائع کرایا۔

۱۵) سنن كبرى للنسائي : آپ نے ۱۹۶۰ء میں اس کے مخطوطہ کو حاصل کر کے اس کی تخریج وتحقیق کے بعد اشاعت فرمائی۔

۱۶) مغازي رسول الله ﷺ لعروة بن الزبير برواية أبي الأسود : مشہور ومعروف تابعی حضرت عروہ بن زبیرؒ (ولادت ۲۳ھ) کی سیرت پاک کے موضوع پر تحریر کردہ سب سے پہلی کتاب (مغازی رسول اللہ ﷺ) ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی صاحب نے اپنی تخریج وتحقیق اور تنقید کے بعد شائع کی۔اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب اس بات کی علامت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات

کے فوراً بعد سیرت نبوی پر لکھنا شروع ہو گیا تھا۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ، پاکستان نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کر کے ۱۹۸۷ء میں شائع کیا ہے، اس کتاب کا انگریزی زبان میں تعارف طباعت کے مرحلہ میں ہے۔ اصل کتاب (عربی زبان میں) کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں ریاض سے شائع ہوا ہے۔

۱۷) **صحیح بخاری کا مخطوطہ**: متعدد علماء کے حواشی کے ساتھ ۷۲۵ھ میں تحریر کردہ صحیح بخاری کا مخطوطہ جو ۱۹۷۷ء میں استنبول سے حاصل کیا گیا، موصوف کی تحقیق کے بعد طباعت کے مرحلہ میں ہے۔

۱۸) **Ageless Qur'an Timeless Text (النص القرآني الخالد عبر العصور)**: قرآن کریم کے نسخوں پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات کے لیے ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ڈاکٹر صاحب کی یہ آخری کتاب ہے، جو انہوں نے تقریباً ۱۵ سال میں مکمل فرمائی ہے۔ اس کتاب کی تکمیل کے لیے انہوں نے مختلف ممالک کے اسفار بھی کیے۔ ڈاکٹر اعظمی صاحب نے اس کتاب میں قرآن کریم کے دنیا میں موجود مشہور و معروف ۱۹ مخطوطوں میں نقطے اور اعراب ہٹا کر یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ میں ۱۴۰۰ سال سے آج تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، اور نہ کل قیامت تک ان شاء اللہ کوئی تبدیلی رونما ہوگی۔ اس کتاب میں ۵۰ صفحات پر انگریزی میں اور ۵۰ صفحات پر عربی میں ڈاکٹر صاحب کا تحقیقی مقدمہ، جبکہ ۱۵۰ صفحات پر مشتمل قرآن کریم کے مخطوطوں کا مقارنہ ہے۔ یہ کتاب ترکی سے دسمبر ۲۰۱۷ء میں شائع ہوئی ہے۔

غرض ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی صاحب نے حدیث کی ایسی عظیم خدمات پیش فرمائی ہیں کہ عالم اسلامی ہی میں نہیں بلکہ مستشرقین نے بھی آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ موصوف کی اکثر کتابیں انٹرنیٹ پر FreeDownload کے لیے مہیا ہیں۔

۞ ۞ ۞
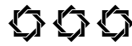
ڈاکٹر اعظمی اور احادیث نبویہ کی خدمت کے لیے کمپیوٹر کو بروئے کار لانے کا عظیم کارنامہ

مولانا سعد اشتیاق القاسمی، ایم. اے (عربک) فائنل ایر، KMC اُردو، عربی-فارسی یونیورسٹی، لکھنو

علوم شرعیہ میں جس قدر اہتمام اور اس کی خدمت کا جذبہ، علماء اُمت کی طرف سے احادیث نبویہ کو ہر زمانہ میں حاصل رہا ہے، اس کی مثال، دوسرے کسی علوم دینیہ میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ قرن اول میں ہمارے اسلاف کرام نے حدیث پاک کو صحف و اوراق میں محفوظ کرنے کا اہتمام فرمایا، پھر ان اوراق وصحف میں مکتوب احادیث نبویہ کو نقطے اور اعراب سے مزین کیا گیا، بعد کے ادوار میں وقتاً فوقتاً جو اسالیب، احادیث نبویہ کی حفاظت کے لیے رونما ہوتے رہے، انہیں بروئے کار لایا جاتا رہا، پھر وہ زمانہ بھی آ گیا جب کتابیں چھپنے لگیں، پریس جابجا قائم ہوتے گئے، احادیث نبویہ کی اشاعت اور اس کے مصادر ومراجع کے حصول کی خاطر اس سے استفادہ کیا جانے لگا، پھر دنیا مختلف ذرائع ابلاغ مقروء، مسموع اور مرئی سے آشنا ہوئی اور ان وسائل کے استعمال سے بھی احادیث نبویہ کے فیضان کو عام کرنے میں پوری پوری مدد لی گئی، جیسے جیسے دنیا ترقی کرتی گئی، حصول معلومات کے نئے نئے وسائل وذرائع، جدید ٹکنالوجی نے اتنے فراہم کر دیے کہ آج سے کچھ برسوں پہلے اس کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

عصر حاضر، جس میں ہم زندگی گذار رہے ہیں، کمپیوٹر کی ایجاد نے معلومات کے حصول، اور اسے تلاش کرنے کی آسانی، حاصل شدہ معلومات کو اکٹھا کرنے اور اسے حسب موقع دوبارہ دیکھ سکنے اور دوبارہ لوٹانے کی سہولت، یہ وہ اُمور ہیں، جسے کمپیوٹر کی ایجاد نے بڑا ہی آسان کر دیا ہے، جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی انسان کی دماغی صلاحیت اس کی متحمل ہو سکتی ہے۔

علم دین ایک مسلمان کی زندگی میں نہایت اہم عنصر ہوا کرتا ہے، دینی معلومات کی حفاظت اور اس

کی نشر واشاعت، ایک مسلمان کے مشاغل اور مصروفیات میں اسے بنیادی حیثیت حاصل ہے، بھلا مسلمان کے لیے یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس جدید ایجاد کو احادیث نبویہ کی حفاظت، اس کی نشر واشاعت اور اس سے متعلق تمام اُمور کی کارگذاری میں استعمال نہ کر سکے۔

کمپیوٹر کے استعمال نے لاکھوں متن احادیث کے حصول کو آسان بنا دیا، ائمہ محدثین نے متن حدیث پر جو گفتگو فرمائی، اُسے کمپیوٹر کی مدد سے نہایت سہولت کے ساتھ معلوم کرنا انسانی دسترس میں ہو گیا، احادیث نبویہ کے رواۃ کے احوال سے واقفیت نیز ائمہ جرح وتعدیل کے ان رواۃ کے متعلق اقوال کو جان لینا بھی سکنڈوں میں ممکن ہو گیا، اس آلہ کی ایجاد نے یہ بھی ممکن بنا دیا کہ ایک ریسرچ اسکالر جن نتائج کی حصولیابی کے لیے پرانے وسائل کا استعمال کر کے گھنٹوں، دنوں، ہفتوں اور بسا اوقات مہینوں صرف کر کے پہنچتا، وہ کام نہایت آسانی کے ساتھ چند سکنڈوں میں ہو جایا کرتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث کی سندوں کی تلاش، کن کن رواۃ سے وہ اخذ روایت کرتا ہے، غریب اور فرد روایت کی معرفت وجانکاری، کسی روایت کی حیثیت کی جانکاری کہ آیا یہ روایت موقوف ہے یا مقطوع، یہ اور اس قسم کے بہتیرے معلومات کا حصول، کمپیوٹر کی ایجاد سے پہلے، انتہائی مشکل اور جوئے شیر لانے کے مترادف ہوا کرتا تھا، مزید براں اس جدید ٹکنالوجی نے ایک موضوع کی روایتوں کو اکٹھا کر کے ان میں باہم مقابلہ وموازنہ کرنا اور ان میں علل کی معرفت کا حصول، نیز نقل روایت میں رواۃ کے درمیان اختلاف کا رونما ہونا، یہ وہ دقیق اُمور ہیں جن تک رسائی کچھ آسان نہ تھی۔

احادیث نبویہ کی خدمت کے لیے اس جدید ٹکنالوجی اور کمپیوٹر کو اس کام کے استعمال کے لیے سازگار بنانے کا اولین تصور جس شخص کے ذہن ودماغ میں آیا، اُسی شخصیت کو دنیا ''ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ'' کے نام سے جانتی ہے، یہ بات میں اپنے من سے نہیں کہہ رہا؛ اس کی شہادت وگواہی ایک مصری زبردست عالم دین اور ماہر حدیث وفن حدیث اور کئی اہم کتابوں کے مصنف، علامہ محقق شیخ احمد معبد عبد الکریم نے اپنے مقالہ بعنوان ''**الحاسب الآلي واستخدامه في علوم السنة**'' میں دی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

''**إن الشيخ الأعظمي كان فعلاً من السابقين إلى استخدام الحاسوب المعرب في هذا المجال، بل هو الأول حسب علمي ومعاصرتي**''. **(موسوعة علوم**

الحدیث الشریف: ۳۳۸)

(''شیخ اعظمی، احادیث نبویہ کے سلسلہ میں عربی کمپیوٹر کو استعمال کرنے والوں میں عملاً، السابقون الأولون میں سے ہیں؛ بلکہ میری معلومات کے مطابق' عصر حاضر میں وہ اس معاملے میں پہلے شخص ہیں''۔)

ڈاکٹر اعظمی اس ٹکنالوجی سے پہلے پہل اُس وقت متعارف ہوئے تھے؛ جبکہ وہ پچھلی صدی کے ساتویں دہائی میں بریطانیہ کے کیمبرج یونیورسٹی میں اپنی پی ایچ ڈی کے رسالہ کی تیاری کے لیے مقیم تھے، یہیں ان کو پہلی بار کمپیوٹر کے استعمال کا تجربہ ہوا جبکہ وہ اسے یہود ونصاریٰ کی دینی کتابوں سے اخذ معلومات کے لیے استعمال کر رہے تھے، حالانکہ ابھی تک کمپیوٹر کا استعمال بالکل ابتدائی مراحل میں تھا۔

اس واقعہ کے دسیوں سال گذرنے کے بعد، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء میں امریکہ کے شکاگو شہر میں امام بخاری علیہ الرحمہ کی ولادت پر، ۱۲/صدیوں کے گذر جانے کے موقع پر انہی کی یاد میں ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا تھا، جس میں شرکت کے لیے ڈاکٹر اعظمی کو بھی مدعو کیا گیا تھا، اسی سیمینار کے دوران احادیث نبویہ کے مطالعہ وتحقیق کے لیے کمپیوٹر کے استعمال کی بات بھی سامنے آئی، بلکہ بعض مستشرقین نے اسی اسٹیج سے سنت نبویہ کی تحقیق ومطالعہ کے لیے کمپیوٹر کے استعمال سے متعلق گفتگو بھی سیمینار میں کر ڈالی، جس سے احادیث نبویہ کے متعلق سازش کی بو محسوس کیے بغیر ڈاکٹر اعظمی نہ رہ سکے، اورانہوں نے یہ محسوس کرلیا کہ اگر احادیث نبویہ کے لیے کمپیوٹر کے استعمال میں ان مستشرقین نے سبقت کرلی تو یہ حضرات مطالعہ وتحقیق کے نام پر احادیث نبویہ میں بڑے بڑے گل کھلائیں گے، یہی امر احادیث نبویہ کی خدمت کے لیے کمپیوٹر کے استعمال کا نقطۂ آغاز بنا، پھر ڈاکٹر اعظمی نے اسی کام کے لیے اپنی کمر کس لی اور اپنی تمام صلاحتیں پوری طاقت کے ساتھ اسی سلسلے میں جھونک دیں۔

۱۹۷۳ء میں جب آپ کا جامعۃ الملک سعود ریاض کے ''قسم الکتاب والسنۃ'' میں بحیثیت استاذ تقرر عمل میں آیا، تو یہ جامعہ آپ کے اس عظیم الشان علمی منصوبہ کی تکمیل کی راہ میں سب سے بڑا محرک ثابت ہوا، چنانچہ اس جامعہ کو بھی نہ صرف سعودی عربیہ بلکہ پورے عالم کے جامعات پر اس معاملے میں سبقت حاصل ہے، کہ احادیث نبویہ کے لیے سب سے پہلے کمپیوٹر کا استعمال اسی جامعہ سے ہوا، کیونکہ ڈاکٹر اعظمی

جو اس عظیم علمی منصوبہ کے موجد تھے ان کا تعلق اسی جامعہ سے تادم واپسیں رہا، اسی منصوبہ کا سب سے پہلا ثمرہ ''**سنن ابن ماجہ**'' کی شکل میں دنیا کے سامنے آیا، کیونکہ ڈاکٹر اعظمی نے اس کتاب کی اکثر و بیشتر احادیث کی تخریج کمپیوٹر کے واسطے سے فرمائی، نیز اس کتاب کی تمام تر فہرستیں بھی کمپیوٹر ہی کی مدد سے تیار کی تھیں۔ (مقدمہ ابن ماجہ:۱/۶-۷)

احادیث نبویہ کے سلسلے میں کمپیوٹر کے استعمال کا منصوبہ:

اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ پہلے پہل اس منصوبہ کا خاکہ پچھلی صدی کی ساتویں دہائی میں ڈاکٹر اعظمی کے ذہن میں آیا تھا، اس وقت اس منصوبہ کا مقصد آپ کے ذہن و دماغ میں یہ تھا کہ احادیث نبویہ کے سلسلے میں اسپسلائیزیشن (تخصص کرنے والے حضرات) نیز عام تعلیم یافتہ حضرات لوگوں کو بھی کسی بھی حدیث سے متعلق کسی طرح کی معلومات کا حصول انتہائی سہل اور آسان بنا دیا جائے۔

بعد ازاں ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹۹۰ء میں جدہ شہر میں ایک سمینار ''**استخدام الحاسوب في العلوم الشريعة**'' کے عنوان سے منعقد ہوا، اس سمینار میں آپ نے اپنے منصوبے کو کسی قدر تفصیل سے لوگوں کے سامنے پیش فرمایا، جس کا ماحصل یہ تھا کہ ابتداءً حدیث نبوی کے مخطوطات کو اکٹھا کر کے ان کا آپس میں مقابلہ ومقارنہ کیا جائے، انہوں نے فرمایا:

> ''**إنه نظراً لما يمكن من الاستفادة من الكتب المخزونة في الحاسب الآلي بطرق متعددة في ترتيبها وتنسيقها على أنماط شتى، لابد في الاعتناء بصحة النصوص المخزونة، وإلا ستكون النتائج وخيمة جداً**''.
>
> (چونکہ کمپیوٹر میں داخل شدہ احادیث سے استفادہ کی مختلف اور متعدد صورتیں ممکن ہوں گی، اس لیے داخل شدہ نصوص حدیث کی صحت کا خصوصی اہتمام کرنا ہوگا، ورنہ اس کے نتائج نہایت بھیانک ہوں گے۔)

بناءً علیہ ڈاکٹر اعظمی نے اس کام کو بنفس نفیس خود انجام دینے کا عزم مصمم کر لیا، اسی پس منظر میں حدیث کے مخطوطات کی تلاش وجستجو شروع کر دی، چونکہ بعض کتب احادیث کے مخطوطات بکثرت پائے جاتے ہیں، برسبیل تذکرہ صحیح بخاری شریف کے مخطوطات کی تعداد صرف استنبول جیسے شہر میں ایک سو سے

زائد آپ کے علم میں تھی، کسی تن تنہا شخص کے لیے ان تمام مخطوطات کی مائکرو فلم کا حاصل کرنا بجائے خود ایک مشکل ترین امر ہے، جبکہ دوسری جانب ان کثیر مخطوطات کا مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ ومقارنہ بھی ایک انتہائی دشوار ترین امر ہوگا، اسی وجہ سے ان مخطوطات کے اکٹھا کرنے کی بھی منصوبہ سازی کرنی ہوگی، جس کا خلاصہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ جس مخطوطہ کو حاصل کرنے کا ارادہ ہو ان کے بارے میں یہ اطمینان کرلیا جائے وہ بقدر امکان کامل ہو، اس میں غطر بود نہ ہوئی ہو، مزید براں یہ کہ وہ مخطوطہ معروف ومشہور محدثین کے سماعات وقراءات کا حامل ہو۔ چنانچہ ایک طویل جستجو اور تھکا دینے والی محنت ومشقت اور زبردست مالی صرفہ کے بعد ڈاکٹر اعظمی نے مسند امام احمد بن حنبل اور سنن نسائی کے علاوہ صحاح ستہ کے مخطوطات کی مائکرو فلم کثیر تعداد میں اکٹھا کرلی۔

ڈاکٹر اعظمی نے اپنے مقالہ ''مشروع خدمة السنة'' میں اپنے پاس جمع شدہ مخطوطات کی تفصیلات کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ ۱۹/۱۱/۱۴۰۹ھ مطابق ۲۳/۰۶/۱۹۸۹ء تک کن کن کتابوں کو کمپیوٹر میں داخل کرلیا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- مسند الإمام احمد بن حنبلؒ.

۲- صحيح الإمام البخاريؒ.

۳- صحيح الإمام مسلمؒ.

٤- سنن الإمام أبي داودؒ.

٥- سنن الإمام الترمذيؒ.

٦- سنن الإمام النسائيؒ.

۷- المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية لابن حجر العسقلانيؒ. (مسند نسخہ)

۸- اتحاف السادة المهرة بزوائد المسانيد العشرة لأبي العباس أحمد بن أبي بكر البوصيريؒ. (مسند نسخے کی موجود جلدیں، اور جو نقص تھا اس کی تکمیل مختصر نسخے سے کی گئی، ساتھ ہی ساتھ ناقص سندوں کی تکمیل کی کوشش بھی کی گئی)

۹- المعجم الكبير للطبرانيؒ. (۲۰/جلدیں)

۱۰ – موطأ الإمام مالك کی کمپیوٹرائز کا کام جاری ہے۔(۱۹/۱۱/۱۴۰۹ھ میں یہ بات لکھی گئی ہے، جبکہ مذکورہ کتاب تحقیق وتخریج اور تعلیق کے بعد، مؤسسۃ زاید بن سلطان، دبئ سے ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء میں آٹھ جلدوں میں شائع ہوچکی ہے)

۱۱- ربیع بن حبیب فراہیدی کی جامع صحیح۔

۱۲- بخاری شریف کا انگریزی ترجمہ۔

۱۳- بخاری شریف کا ترکی ترجمہ۔

۱۴- بخاری شریف کا ملیشیائی ترجمہ۔

۱۵- بخاری شریف کا فرنچ ترجمہ۔

الف: اسماء الرجال کی کتابیں جنہیں کمپیوٹرائز کیا جا چکا ہے:-

۱- تقريب التهذيب لابن حجر العسقلاني.

۲- تعجيل المنفعةبزوائد رجال الأئمة الأربعة لابن حجر. (زیرطبع)

۳- تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي. (اس پر کام شروع نہیں ہوسکا)

ب: لغت کی کتابیں جنہیں کمپیوٹرائز کیا جارہا ہے:-

۱- مختار الصحاح للرازيؒ. (مکمل)

۲- النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير الجزري. (۳ جلدیں)

۳- القاموس المحيط للفيروزآبادي. (زیرطبع)

ج: مکتبۃ السنۃ (سنت لائبریری) سے جڑی ہوئی کتابیں جنہیں داخل کمپیوٹر کیا گیا:

۱- ترتيب أسماء الصحابة لابن عساكر. (ان صحابہ کرام کا بالترتیب تذکرہ جن کی احادیث امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں درج فرمائی ہیں)

۲- دراسة عن الإمام وكتابه المسند. (امام بخاری اوران کی صحیح کا تذکرہ)

۳- الإخوة لعلي بن المدينيؒ.

٤- المعجم الجغرافي للأمكنة الواردة ذكرها في كتب السنة. (کتب احادیث میں وارد

مقامات کا جغرافیائی معجم)

۵- تاریخی نقشے (Historical Maps) اور بعض قدیم وجدید تصویریں۔

یہ وہ اُمور ہیں جن پر ڈاکٹر اعظمی نے ۱۹/ذی القعدہ ۱۴۰۹ھ سے پہلے پہلے کام مکمل کر لیا تھا۔ آگے ان امور کا بھی ذکر کیا ہے جن پر کام کرنے کا ارادہ تھا؛ لیکن ان کاموں کو اولیت حاصل ہوگی وہ درج ذیل ہوں گے۔(والنية متهجة -بحول الله تعالى وقوته- إدخال ما تبقى في أمهات كتب السنة، ثم الأجزاء الحديثية وأمهات كتب الرجال، إلا أن الكتب التالية لها الصدارة. (مشروع في خدمة السنة: ٢٦٤-٢٦٥)

۱- سنن الترمذي.

۲- مصنف ابن أبي شيبة.

۳- مسند زيد بن علي.

۴- کتب احادیث کے مختلف زبانوں میں ترجمے، مثلاً بخاری شریف کا انگریزی ترجمہ، نیز بخاری شریف کا فرانسیسی اور ملیشیائی زبان میں ترجمہ، ترکی زبان میں دو جلدوں میں ترجمہ، علاوہ ازیں اسی صحیح بخاری کا بنگلہ، ہندی، اُردو، پشتو، آذری، جرمنی اور اسپینش زبانوں میں متعدد بہ احادیث کے ترجمے۔ خاص بات یہ ہے کہ صحیح مسلم کے اختصار کا انڈونیشی زبان میں ترجمہ داخل کمپیوٹر ہو چکا ہے۔

نوٹ: جن کتابوں کے داخل کمپیوٹر کیے جانے کا خاکہ اُوپر پیش کیا گیا ہے، یہ معاملہ چونکہ ۱۹/ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ سے پہلے کا ہے، فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان منصوبوں پر کتنا کام مکمل ہو چکا ہے اور کتنا ابھی باقی ہے۔

(اس مضمون کی تیاری میں بیشتر معلومات کا ماخذ، ڈاکٹر عبدالماجد غوری کا عربی مقالہ ''**الشيخ محمد مصطفى الأعظمي ومساهماته العلمية في مجال الحديث النبوي**'' رہا ہے۔)

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ سے آخری گفتگو کے یادگار لمحات

مولانا شانِ الٰہی قاسمی، سفارت خانۂ ہند ریاض، سعودی عرب

حوادث زمانہ کا شکوہ کروں یا وقت کے ان ظالم ہاتھوں کا یا اپنی قسمت کا کہ بتاریخ ۱۸/۱۲/ ۲۰۱۷ء بروز پیر ہندوستانی سفارتخانہ کی ہیلپ لائن Help Line پر دو پہر ایک بجے سے دو بجے تک ڈیوٹی تھی۔حسنِ اتفاق سے ہمارے سفارتخانہ ہند کے فرسٹ سکریٹری ڈاکٹر حفظ الرحمٰن صاحب جن سے احقر کا کافی گہرا تعلق ہے اور احقر نے ہی ڈاکٹر حفظ الرحمٰن صاحب کی ڈاکٹر اعظمیؒ سے پہلی بار ۲۰۱۴ء میں ملاقات کرائی تھی اور اس کے بعد سے ڈاکٹر حفظ الرحمٰن صاحب کا ڈاکٹر مرحوم سے کافی گہرا تعلق اور لگاؤ پیدا ہوگیا تھا اور جب بھی میرا ڈاکٹر حفظ الرحمٰن صاحب سے سامنا ہوتا تو ڈاکٹر مرحوم کے متعلق پوچھتے اور خیریت دریافت کرتے۔حسب عادت ڈاکٹر حفظ الرحمٰن صاحب نے ڈاکٹر مرحوم کے متعلق مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ ایک ہفتہ سے بات نہیں ہوئی ہے۔ان شاءاللہ جا کر ملاقات کرنے کا ارادہ ہے۔اس پر انہوں نے کہا کہ ٹیلیفون ابھی کرلو اور خیریت دریافت کرلو اور میرا اسلام پیش کردو، اور ملاقات کا ٹائم لے لو، میں بھی ساتھ میں چلوں گا۔

بہر کیف حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ٹیلیفون کیا اور مجھے نہیں معلوم تھا (مرضی مولی از ہمہ اولی) کہ میری یہ آخری بات ہوگی اور آج کے بعد ڈاکٹر مرحوم سے میری ملاقات تو درکنار بات بھی نہیں ہو سکے گی۔ یہ میری زندگی کی انمٹ یاد ہوگی۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ ڈاکٹر اعظمی مرحوم سے میری کب پہلی بار ملاقات ہوئی تھی، میں سعودی عرب ۱۹/ جولائی ۱۹۹۱ء کو بغرض ملازمت آیا۔اور شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ سے ملاقات کی میری خواہش تھی اور احقر کو بچپن سے ہی بڑے لوگوں کی ملاقات اور تعلقات کا شرف حاصل رہا ہے اور

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے سبھی اساتذہ کرام سے براہِ راست تعلقات استوار رہے، اور دارالعلوم دیوبند سے نکلنے کے بعد معاش کی تلاش میں سعودی عرب آیا اور یہاں پر بھی بڑے لوگوں سے ملاقات کی خواہش برقرار رہی۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ سے پہلی بار ملاقات کرنے جامع رضوان پر عشاء کی نماز پڑھی چونکہ شیخ مرحوم کا گھر الربوہ میں جامع رضوان کے سامنے ہی تھا۔ ملاقات کا سب سے آسان راستہ یہی تھا۔ پھر اس کے بعد مرے پردیسی محسن مولانا شکیل احمد مرحوم جو ہم دونوں ایک ہی کمپنی میں برسرِ روزگار تھے۔ ان کے پاس کمپنی کی گاڑی تھی جو مجھے بارہا شیخ مرحوم کے پاس لے گئے۔ احقر کو شیخ ابوغدہؒ کی کئی کتابوں کے مسودے بھی صاف کرنے کا موقع ملا، جس میں مولانا شکیل مرحوم نے پورا پورا ساتھ دیا۔ اس عمل کی برکت سے شیخ ابوغدہ مرحوم سے کافی گہرا تعلق رہا اور میں جولائی ۱۹۹۵ء میں الخرج چند دنوں کیلئے چلا گیا تھا۔ اس زمانہ میں نہ موبائل اور نا ہی بیجر تھا۔ صرف لینڈ لائن ٹیلیفون تھا اور شیخ برابر ٹیلیفون کرتے اور احوال دریافت کرتے۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ مجھے کہاں سے اور کس طرح ڈاکٹر اعظمی مرحوم کا نمبر ملا۔ میں نے انکو ٹیلیفون کر کے کہا کہ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، آپ کے اندر اپنے وطن کی محبت اور اس سے تعلق کا پیمانہ اس قدر لبریز تھا کہ چھلک اٹھا اور کہا کہ کہاں پر اور کب کیسے ملاقات کرنے آؤ گے۔ راستہ کا اندازہ تھا نہیں۔ مولانا شکیل مرحوم معروفی سے تذکرہ کیا اور ڈاکٹر اعظمیؒ سے بات کرائی۔ انہوں نے راستہ بتایا اور جامع امیر سلطان پر عشاء کی نماز پڑھنے کو کہا۔ حسبِ تعلیمات جامع امیر سلطان پر عشاء کی نماز پڑھی اور وہیں جامع امیر سلطان پر ڈاکٹر اعظمی مرحوم سے پہلی بار ملاقات ہوئی جامع امیر سلطان کے بغل پورب دوسری گلی میں ڈاکٹر صاحب کا دولت کدہ تھا۔

خوش نصیبی سے یہ دن ڈاکٹر شیخ اعظمی مرحوم کی در پر حاضری کا پہلا موقع تھا۔ میں ایک طالبِ علم ہونے کی وجہ سے لرزاں اور ترساں تھا کیونکہ اللہ والوں کا رعب دلوں پر پڑتا ہے وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔ خیر میں پہنچ ہی گیا مگر اب تو معاملہ یہاں بالکل برعکس تھا وہ فقیرانہ سادگی کی مجسم تصویر تھے۔ مہان نوازی جیسے لگتا تھا کہ وراثت میں ملی ہو۔ وطن کی محبت سے سرشار، وطن آتے تو کم تھے مگر دل ہمیشہ وطن میں ہی اٹکا رہتا تھا۔ ہندوستانی سیاست وحکومت یہاں کے بسنے والے مسلمانوں بطور خاص

فقراء ومساکین کے تعلق سے ہمیشہ بے چین رہتے تھے۔اور ہر طرح سے انکی امداد کیلئے اپنے دستِ کشادہ کئے رہتے تھے۔میرا یہ ذاتی احساس ہے کہ اللہ نے انہیں ہندوستان اور مسلمانوں کے ہمدردی کے تئیں اک زندہ دل انکے سینے میں ودیعت کر رکھا تھا۔ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ ظرافت بھی آپ کا طبعی خاصہ تھا، میں نے ذاتی طور پر اس کا تجربہ کیا ہے میں شیخ کے گھر سے واپس ہونے لگا تو شیخ نے بہت البیلے انداز میں ہمارے ساتھ جانے والے مجاہد قاسمی سے کہا کہ مجاہد صاحب آپ جاتے جاتے اپنی ہتھیلی دکھاتے جائیں کہیں آپ میری کوئی کتاب تو نہیں لے جا رہے ہیں۔جب میں اور مجاہد متوجہ ہوئے تو ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، یہ ہوتے ہیں بڑوں کے نرالے انداز اپنے چھوٹوں کے ساتھ اور اس سے شیخ کی کتابوں کے ساتھ محبت جھلک رہی ہے کہ انہیں درہم ودنانیر کے ضائع ہونے کا خوف نہیں ہوتا مگر کتابوں کی جدائی برداشت نہیں۔

۱۹۹۱ء سے لے کر تا دمِ حیات ڈاکٹر اعظمی مرحوم سے میرا تعلق رہا۔ابتداءً ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کرنے کے لیے مجھے دوسروں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔میں مولانا شکیل مرحوم کو نہیں بھول سکتا ہوں اور اسی طرح سے شیخ عبدالعزیز الحمیدان کو جنہوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینے کے بعد سب سے پہلے ہماری کمپنی سعودی فلیگ میں میرے ساتھ کام کیا۔وہ شخص جتنا خوبصورت تھا اللہ تعالی نے اسے اتنا ہی خوبصورت اخلاق بھی دیا تھا۔ان کا میرے اوپر احسان بھی ہے کہ میری شادی ۲۸؍فروری ۱۹۹۸ء کو ہوئی۔اور میرا ایگریمنٹ مارچ کے اخیر میں ختم ہو گیا تھا اور مستقل طور پر اپنے وطن واپسی کا حتمی فیصلہ کر لیا تھا۔کمپنی فیملی بلانے کو کہہ رہی تھی اور میں اپنے وطن میں مستقل طور پر رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا اور ہر ایک کی بات کا انکار کر دیا تھا۔

لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔وہی عبدالعزیز الحمیدان اور محمد ابراہیم المسند نے مجھے سمجھایا اور عبدالعزیز الحمیدان نے کہا کہ جب تک میں یہاں ہوں تم بھی یہاں رہو۔اور میں نے مستقبل کا ایک پلان تیار کیا ہے۔بہر کیف عبدالعزیز الحمیدان چلے گئے اور لیبر منسٹر کے سکریٹری بن گئے اور میں جہاں کا تہاں رہا اور ایک وقت آیا کہ رمضان میں عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے یا واپس آتے وقت کار ایکسیڈنٹ میں انکی شہادت ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ میرے ان دونوں متعاونین کو جزائے خیر

دے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، آمین۔

ان ہی دونوں کے ساتھ ڈاکٹر اعظمی مرحوم کے یہاں جانا ہوتا تھا الحمد للہ اس کے بعد سے میرے پاس خود ہی گاڑی ہوگئی اور کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی تو میں حسبِ معمول مہینہ میں دو بار کم سے کم آدھا گھنٹہ کے لیے جاتا تھا۔ آدھے گھنٹے کی ملاقات کے لیے جاتا تو تھا لیکن گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے بچپن کے حالات اور زندگی کے نشیب وفراز کے بہت سے قصے سنایا کرتے تھے۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ اب اس دارِفانی سے کوچ کر کے اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے ہیں۔ اب ان کی رخصتی پر ہر وہ شخص جو ان سے کسی طور پر آشنا تھا درد و کرب میں مبتلا ہے۔ علمی حلقوں میں آنسو بہائے جا رہے ہیں۔ محدثین کی محفلیں سوگوار ہیں کیونکہ یہی تو وہ شخصیت تھی جنہوں نے سب سے پہلے احادیث کو ڈیجیٹلائز کا کام شروع کیا تھا وہ بھی ان تمام دشواریوں کے ساتھ کہ انہیں سخت گرمی میں بھی اونی کپڑے پہن کر کام کرنا پڑتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں کمپیوٹر کی حفاظت انتہائی ٹھنڈی جگہ رکھ کر ہی ممکن تھی۔ مگر ان سب دشواریوں اور تنہائیوں کے باوجود انہوں نے یہ کام کسی حد تک پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا اور اس طرح سے امت کے طرف سے کفارہ ادا کر گئے۔ اللہ انہیں پوری امت مسلمہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، اسی طرح شیخ اپنے بے شمار علمی وتحقیقی کاموں کی وجہ سے علمی حلقوں میں جانے جاتے ہیں آشناؤں نے انکی ان تمام قربانیوں اور محنتوں کو سپردِ قرطاس کر کے انہیں زندہ جاوید بنا دیا۔

ہمارے وطنِ عزیز کے جو لوگ یہاں کام کر رہے ہیں، اگر بادل ناخواستہ کسی کی پریشانی اور کفیلوں کے ساتھ انکے مسائل کا ذرہ بھی تذکرہ آجاتا تو تڑپ اُٹھتے تھے۔ ڈاکٹر مرحوم کا کہنا تھا کہ ہمارے وطنِ عزیز سے جو بھی آتے ہیں ان میں کی اکثریت غیر تعلیم یافتہ اور لیبر طبقہ کی ہوتی ہے اور ان کے پاس کسی قسم کا کوئی ہنر نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہاں پریشانی ہوتی ہے۔

ہندوستان کے مقابلے میں فلپائن کے بارے میں اپنے تجربات بتاتا تھا کہ اگر ایک فلپینی کو بلانا ہے تو کمپنی کو بلانا ہے اور کمپنی اس کے سارے اخراجات برداشت کرتی ہے کہ فلپینی لیبر بغیر پیسے خرچ کیے آتا ہے اور ہمارا ہندوستانی لیبر ایک لاکھ دو لاکھ دیکر آتا ہے، سونے پر سہاگہ کہ کوئی فلپینی اگر لیبر کے کام میں آتا ہے تو اس کے پاس لیبر کے علاوہ کئی دوسرے ہنر کی بھی جانکاری ہوتی ہے مثلاً AC بنانا کارپینٹر

وغیرہ۔ فلپینی لیبر آتا ہے تو وہ پکا ایگریمنٹ لے کر آتا ہے، سعودی وزارتِ خارجہ سے اٹیسٹ ہوتا ہے اور فلپائن ایمبسی سے بھی۔ اور ہمارا ہندوستانی لیبر آتا ہے تو اس کے پاس کسی بھی قسم کا کوئی ایگریمنٹ نہیں ہوتا ہے، یہ ہے بَیّن فرق ہمارے ہندوستانی لیبر اور فلپینی کے درمیان۔

ڈاکٹر مرحوم کے افکار و خیالات نہایت بلند اور اعلیٰ تھے خاص طور پر مسلمانوں کے مسائل کے متعلق۔ اسلامی مخطوطات کو لے کر کافی فکرمند رہتے تھے اور بارہا تذکرہ کرتے رہتے تھے کہ ہمارے مخطوطوں کی حفاظت کا کوئی نظم و نسق نہیں ہے اور کوئی اسلامی اسکالر ان مخطوطات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اس کو فائدہ اٹھانے نہیں دیا جاتا ہے اور اس کے برخلاف ایک غیر اسلامی اسکالر کے ساتھ ہمارے ارباب اقتدار کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کو مکمل اجازت ہوتی ہے وہ اس کی فوٹو کاپی بناتا ہے اور اس کی حفاظت کا مکمل انتظام کیا جاتا ہے۔ اسی طریقے سے مسلمانوں کی تعلیمی اور سماجی مسائل کو لے کر کافی فکرمند رہتے تھے۔ اور خاص طور پر اپنے اہل وطن کے مسائل کو لے کر خواہ وہ اقتصادی ہوں یا معاشی یا سماجی ہوں۔ میں کن کن موضوع پر لکھوں۔ میرے چھبیس سالہ تعلقات اور ان گنت بار در پر حاضری دوران ان کی باتوں سے یہی محسوس ہوتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اگرچہ وطن میں نہیں ہے ان کا جسم سعودی میں ہے مگر ان کا دماغ اور دل ہندوستان وطن عزیز میں ہے۔

مجھے وہ بھی وقت یاد ہے کہ جب ۲۰۰۵ء میں مئو کے اندر ہندو مسلم فساد ہوا تو اس وقت ڈاکٹر صاحب کی کیفیت کیا تھی؟ مستقل صبح و شام دو پہر ان گنت بار ٹیلیفون کرتے اور حالات کے متعلق جانکاری لیتے تھے اور ٹی وی پر جو خبر آتی تھی اس کے متعلق بھی مکمل پوچھتے تھے۔

۲۷ر ستمبر ۲۰۱۷ء کو جب میں ہندوستان آیا تھا تو آنے کے دو چار دن قبل ان کے در پر حاضری ہوئی تھی اس وقت اہل مئو ڈینگو بخار میں پریشان تھے میرے پاس اس کے متعلق جانکاری نہیں تھی جتنی جانکاری ڈاکٹر مرحوم کو تھی۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کو ایک ایک پل کی خبر ہے۔

بہرکیف زندگی کے آخری لمحہ میں جو میری بات ہوئی تھی اس وقت ڈاکٹر صاحب کی کیا کیفیت تھی اور مجھ سے کتنی باتیں کرنا چاہتے تھے کہ میری سعودی عرب کی ۱۹۹۱ء سے لے کر ان کے آخری لمحات تک کبھی اتنی لمبی ٹیلیفون پر بات نہیں ہوئی تھی۔ ہمیشہ پانچ سے دس منٹ تک ہی ہوتی تھی۔ لیکن صد افسوس کہ

ڈاکٹر صاحب بات کرنا چاہ رہے تھے اور میں بھاگ رہا تھا۔ ۳۵؍منٹ انہوں نے مجھ سے بات کی۔ اور ایک باپ ہونے کے ناطے اپنے بیٹوں کے تئیں مرنے سے پہلے ساری ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر مرحوم نے اس سبکدوشی کے ضمن میں بتایا کہ اپنی تعمیر کردہ شاندار جامع مسجد بلال مئواور کلنڈر والا پورا مکان اینگلو عربک اسکول چلانے کے لیے دارالعلوم مئو کے حوالہ اور وقف کر دیا ہے۔ اس لیے کہ میرا بھروسہ نہیں ہے، اور معلوم نہیں بچے بوجھ اٹھا پائیں گے کہ نہیں اور یہاں کے حالات سے تم بخوبی واقف ہو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور مزید DM آفس کے پاس کوئی آٹھ منڈا زمین ہے جس پر سرکار کا دخل درآمد اور قابض ہے۔ کہنے لگے کہ سرکار اس میں سے آدھی زمین دیدیتی تو میں مسجد اور مدرسہ بنا دیتا تو وہاں کے آس پاس کے مسلمان بچے قرآن کی تحفیظ کرتے؛ لیکن افسوس کہ آپ کی یہ خواہش آپ کی حیات میں پوری نہ ہوسکی۔

ان کی جو کتاب ابھی منظر عام پر آنے والی تھی جس کا تذکرہ ڈاکٹر اعظمیؒ نے کیا تھا اور مجھ سے کہا کرتے تھے کہ دعاء کرو کہ اللہ یہ کام پورا کرادے۔ الحمدللہ پندرہ سال کی محنت کے بعد اللہ نے کتاب مکمل کرادی اور اپنی کتاب آنکھوں سے دیکھ بھی لیا تھا اس لیے کہ DHL سے اس کتاب کے مطبوع دو نسخے آ گئے تھے۔

اور یہی بات کہی کہ ڈاکٹر حفظ الرحمٰن صاحب کو میرا سلام کہو اور ان سے کہنا کہ میں چاہ رہا ہوں کہ آپ تشریف اس وقت لائیں جب میری کتاب گھر پر پہنچ جائے۔ بحرین کتاب پہنچ گئی ہے اور دس پندرہ روز لگے گا آنے میں۔ جب آجائے گی تو میں تم کو ٹیلیفون کردوں گا ان کو لے کر آنا اور اپنے ہاتھوں سے کتاب پر لکھ دوں گا تم کو بھی اور ڈاکٹر صاحب کو اور تم جمعرات کو عشاء کے بعد آنا ملاقات ہوگی۔ یہ میری ٹیلیفونی گفتگو کے آخری یادگار لمحات ہیں، اور کسے معلوم تھا کہ اگلے جمعرات کو ملاقات نہیں ہوگی، آپ اس سے پہلے ہی بدھ کی صبح، سفر آخرت پر روانہ ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء کرے آمین۔ اور ہم تمام متعلقین کو ان کے نظریات وافکار وخیالات کو منظر عام پر لانے کی توفیق دے، آمین۔

امام کعبہ ڈاکٹر صالح عبداللہ حمید اور شیخ یوسف القرضاوی -حفظهما الله-
کے تعزیتی پیغامات وخراج عقیدت

ترجمانی: عبدالغفار عزیز، حیدر آباد

(ا) امام کعبہ ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید حفظہ اللہ کا تعزیتی پیغام اور تاثرات:

امام کعبہ ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید اپنے مرحوم استاذ کا ذکر خیر کرتے ہوئے طویل پیرائے میں علمائے کرام کا مقام اور منزلت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

سنت نبوی ﷺ علم کے عظیم ترین میدانوں میں سے اہم ترین میدان ہے، قدیم ہی نہیں اس بارے میں جدید ابحاث بھی بہت اہم ہیں، اس میدان کی اہم علمی شخصیات میں جلیل القدر عالم دین ہر حوالے سے قابل اعتماد محقق ومحدث ہمارے شیخ اور ہمارے استاذ علامہ محمد مصطفی الاعظمی کا شمار ہوتا ہے۔ تمام تر علمی رعنائی کے باوجود وہ خود کو نمایاں ومشتہر کرنے سے بچتے تھے۔ انہوں نے حدیث نبوی ﷺ کی تعلیم دی اور سنت نبوی کا دفاع کیا۔ ان کا شمار دور حاضر میں علم حدیث کے بلند پایہ علماء میں ہوتا ہے۔ وہ اسلاف کے بعد آنے والے اُن علماء میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے مدون احادیث کو نیا جمال بخشا، اس ضمن میں ان کی نمایاں ترین خدمت صحیح ابن خزیمۃ کے مخطوطے کی تلاش وتحقیق اور اشاعت وتعلیق تھی۔

آپ ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے علاقہ مئو میں ۱۳۵۰ھ میں پیدا ہوئے، ۱۳۷۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۹۵۵ء میں جامعہ ازہر سے تدریس کی اجازت ملی، اور ۱۹۶۶ء میں کیمبرج سے پی ایچ ڈی کی۔ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۸ء تک قطر کے دار الکتب کے ذمہ دار رہے، اور اس دوران کئی قیمتی مخطوطات حاصل کیے۔ ۱۳۸۸ھ میں مکہ مکرمہ منتقل ہوگئے، یہاں ۱۳۸۸ھ سے ۱۳۹۳ھ تک کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ میں اسسٹنٹ پروفیسر اور پھر پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۳۹۳ھ میں ریاض منتقل ہوگئے، ۱۴۱۲ھ تک شاہ سعود یونیورسٹی میں مصطلحات حدیث کی تعلیم دی۔

اس دوران وہ حدیث فیکلٹی کے سربراہ بھی بنا دیے گئے اور انہوں نے مکہ مکرمہ اور ریاض میں پی ایچ ڈی کے کئی مقالوں کی نگرانی کی۔ ۱۹۸۱ء میں ایک سال کے لیے امریکا کی مشی گن یونیورسٹی میں تدریس کے لیے چلے گئے۔ ۱۹۹۱ء میں کولوراڈو یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے کام کیا۔

اپنے موضوع پر انہوں نے کئی اہم کتب سپردِ قلم کیں۔ ''**دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه**'' اور ''**منهج النقد عند المحدثين نشأته وتاريخه**''ان کی معروف کتابیں ہیں۔

موطأ امام مالک بروایۃ یحییٰ بن یحییٰ اللیثي، سنن ابن ماجہ اور صحیح ابن خزیمہ کے ایک حصے کی تحقیق وتخریج بھی اہم ہیں۔ انہوں نے انگریزی میں تاریخ تدوین قرآن پر ایک شاہکار کتاب لکھی، جس کے ذریعے مستشرقین کے ان الزامات کا مسکت جواب دیا گیا کہ قرآن کریم میں نعوذ باللہ تحریف ہو چکی ہے۔ کاتبین وحی کے بارے میں ''**کُتاب النبي ﷺ**'' کے نام کی کتاب تصنیف فرمائی اور معروف مستشرق شاخت کی کتاب ''**اُصول الفقه المحمدي**'' کا تنقیدی جائزہ لیا۔ اور ''**مغازي رسول الله لعروة بن الزبير**'' جیسی کئی اہم کتب پر ان کا مطالعہ بحث وتحقیق کے ہر معیار پر پورا اترتا ہے، ان تمام علمی خدمات کے نتیجے میں ۱۴۰۰ھ میں انہیں شاہ فیصل ایوارڈ دیا گیا جس کی خطیر رقم انہوں نے مستحق اور ذہین مسلم طلبا کے لیے وقف کر دی۔ علامہ محمد مصطفیٰ الاعظمی اسلامی آداب اور شرعی اُصولوں کی کڑی پابندی کرتے تھے، جو بھی ان کے ساتھ رہا اُسے ان کی ان عادات کا بخوبی علم ہے۔ آخری عمر میں وہ مختلف امراض کا شکار رہے۔ یقیناً یہ بھی ان کی بلندیٔ درجات کا سبب بنا ہوگا؛ لیکن بیماری اور کمزوری کے باوجود وہ اپنی علمی وتحقیقی سرگرمیاں اور اپنے معمولات جاری رکھے رہے۔ آخری دنوں میں ان سے ملاقات کرنے والے ایک دوست نے بتایا کہ میں نے ان کے محلے کی مسجد میں نماز پڑھی وہ بھی مسجد میں تھے اور نماز کے بعد اپنے دونوں بیٹوں کا سہارا لیے انتہائی مشقت سے چل رہے تھے۔ بیماری کے باعث ان کے لیے لکھنا ممکن نہ رہا، تو بیٹے کو املا کروانا شروع کر دیا۔ جب ان کیلئے بولنا بھی ممکن نہ رہا تب بھی وہ اشاروں اور کمپیوٹر کی جدید صلاحیتوں کے ذریعے کام کرتے رہے۔ قرآن وسنت کے بارے میں مستشرقین کے مغالطوں کا جواب دینا ان کی اولین ترجیح رہی۔

رہا ان سے میرا ذاتی تعلق، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے مکہ مکرمہ میں کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ کے تیسرے سال میں لائبریری سائنس کا مضمون ان سے پڑھنے کا موقع عطا فرمایا، اس وقت یونیورسٹی میں یہ ایک نیا مضمون تھا، طلبہ بھی ان سے زیادہ متعارف نہیں تھے، اللہ گواہ ہے کہ وہ ہمارے لیے ایک بہترین

استاذ ثابت ہوئے، انہوں نے ہمارے لیے بحث وتحقیق اور علمی مصادر سے براہ راست استفادہ کے لیے دروازے کھول دیے، انہوں نے کارڈوں اور مختصر نوٹس کے ذریعے تحقیق کرنے کا جدید طریقہ سکھایا۔ استاذ مرحوم نظم وضبط اور دوران تعلیم سنجیدگی کا بے مثال نمونہ تھے۔ طلبہ کو زیادہ سے زیادہ مستفید کرنے اور غیر مفید کاموں میں ان کا وقت ضائع ہونے سے انہیں بچانے میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے اپنے طلبہ کو تصنیف وترتیب اور براہ راست علمی مصادر؛ بلکہ ثانوی مصادر سے استفادہ کرنے کا گُر سکھایا۔ اللہ ان پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرمائیں۔

مجھے اس بات کا افسوس رہے گا کہ ایک عرصہ سے میں ان کے ساتھ وہ ملاقاتیں نہیں کرسکا، جو ایک شاگرد کو اپنے استاذ سے کرتے رہنا چاہیے، شاید اس کی ایک وجہ خود ان کا زہد اور شہرت سے دور رہنے کی عادت بھی ہوسکتی ہے، ان کے چاہنے والے بھی اس وجہ سے بعض اوقات ان سے غافل ہوجاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اب انہیں بہترین اجر وجزا سے نوازے اور درجات بلند فرمائے، آمین۔

یہاں ان کے بچوں کا ذکر کرنا بھی مفید ہوگا۔ استاذ محترم کی حسن تربیت، حصول علم کی تڑپ اور نظم وضبط کی پابندی کا عکس ان تینوں بچوں پر بھی واضح ہے، ڈاکٹر عقیل نے کمپیوٹر میں تخصص کیا ہے اور اس وقت شاہ سعود یونیورسٹی میں کمپیوٹر کی تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں۔ ڈاکٹر فاطمہ ریاضیات میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں، وہ پہلے شاہ سعود یونیورسٹی ریاض اور پھر دبئی کی زاید یونیورسٹی میں پڑھاتی ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر انس کا تخصص جینیاتی سائنس ہے اور وہ شاہ فیصل ہسپتال کے تحقیقاتی سینٹر میں کلیدی ذمہ داری پر ہیں۔ پروردگار ہمارے استاذ جلیل علامہ محمد مصطفی الاعظمی کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، نبیوں، صدیقین، شہداء اور صالحین کا بہترین ساتھ نصیب فرمائے۔

''إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمن وداً''. [سورة مريم : ۱۹/۹۶]

(جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، یقیناً رحمٰن ان کے لیے عنقریب دلوں میں محبت پیدا فرمادے گا)

پروردگار! ہم سب کو بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرما، آمین۔

(۲) علامہ یوسف القرضاوی کے تاثرات:

میرے پیارے بھائی، میرے ادیب دوست، علم حدیث کے علامہ کہلانے والے محقق، ثقافت اسلامی کے دانا نبض شناس ہندوستان کے دینی مدارس وجامعات سے فارغ التحصیل، ہندوستان کے چوٹی

کے علماء وشخصیات کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے والے جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی سے میں تب واقف ہوا جب وہ علماء کے اس قول کے مطابق: ''علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے'' کے مصداق مصر کے جامعہ ازہر پہنچ گئے۔

اعظمی کا نام ان کی جائے ولادت ہندوستان کے اعظم گڈھ سے منسوب ہے، اس شہر سے کئی علماء ہند منسوب ہیں، واضح رہے کہ اعظمی کہلانے والی کئی شخصیات بغداد کے علاقے اعظمیہ سے بھی منسوب ہیں، یہ بغداد کا وہ علاقہ ہے، جہاں امام ابوحنیفہ کی جامع مسجد ہے، اس علاقے اور جامع مسجد کو ان کے جلیل القدر شاگرد علماء کرام نے اپنے امام اعظم سے منسوب کرتے ہوئے ''اعظمیہ'' کا نام دے دیا، اس کے مقابل ایک دوسرا علاقہ ہے، جہاں امام موسیٰ کاظم کی قبر ہے، وہ علاقہ ان کی نسبت سے ''کاظمیہ'' کہلاتا ہے۔

اپنے بھائی ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی سے جامعہ ازہر میں میرا تعارف وہاں ان کی گرفتاری سے کچھ عرصہ قبل ہی ہوا تھا، ان کی گرفتاری پر ہم سب کو حیرت ہوئی، ان کی گرفتاری کا اصل ماجرا یہ تھا کہ وہ جامعہ ازہر میں احمد العسال اور الصفطاوی ہم اخوانی طلبہ سے اکثر ملا کرتے تھے، اس وقت وہاں موسم سرما کا آغاز تھا، اعظمی صاحب ہندوستانی علماء کا معروف لباس شیروانی اور جناح کیپ پہنتے تھے، لمبی سیاہ شیروانی، سیاہ ٹوپی اور سیاہ داڑھی، حکومت کے شکاری کتوں نے سمجھا کہ یہ کوئی عیسائی پادری ہیں، وہ اخوان کے طلبہ اور کارکنان کو گرفتار کر رہے تھے۔ ایک روز گالیاں دیتے ہوئے کہنے لگے: ''کسی...... کے بچو! تم مسلم نوجوانوں کو تو اخوان میں شامل کر ہی رہے تھے، اب عیسائیوں کو بھی نہیں بخشا، انہیں بھی اخوان میں شامل کر لیا ہے؟!!'' انہوں نے اعظمی صاحب کو اٹھا کر جیل میں بند کر دیا۔ یاد نہیں وہ کتنا عرصہ گرفتار رہے؛ لیکن مختلف وسیلوں اور واسطوں کے ذریعے وہ ہم سے پہلے رہا ہو گئے تھے۔

اس دور کے بعد اللہ نے ہمیں ایک خلیجی ریاست قطر میں اکٹھا کر دیا، انہیں اس وقت قطر کے حکمراں علی بن عبداللہ آل ثانی کی ذاتی لائبریریوں کا نگراں مقرر کیا گیا تھا، اور بعد میں قطر کی نیشنل لائبریری ''دار الکتب'' تعمیر ہوئی، یہ سابق الذکر تمام لائبریاں بھی اس میں شامل کر دی گئیں، اعظمی صاحب اس کے نگرانِ اعلی اور جناب عبدالبدیع صقر اس کے ڈائریکٹر جنرل مقرر کیے گئے۔ میں جب دوحہ پہنچا تو اعظمی صاحب نے ہمارا استقبال کیا، وہاں ہماری مستقل مجالس منعقد ہونے لگیں، جن میں جناب عبدالحلیم ابوشقہ، احمد العسال، ڈاکٹر حسن المعایرجی جیسے احباب شریک ہوتے تھے، ہم سب کا تعلق مصر سے تھا؛ جبکہ ازہر میں

رہنے اور اخوان کے ساتھ جیل میں رہنے کے باعث اعظمی صاحب بھی مصری ہو گئے تھے۔ ہمارے اہل خانہ بھی ایک دوسرے کے یہاں آتے جاتے تھے، وہ اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ ہمارے گھر آتے، تو کہتے آپ کا کھانا مزیدار تو ہے لیکن ہے بے جان، بے روح، ہم نے پوچھا کہ اسے زندہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ کہنے لگے صرف ایک چیز سے، اور وہ ہے مرچ مصالحہ، مرچوں کے بغیر کھانے کا بھلا کیا فائدہ، ہم نے کہا بس ٹھیک ہے، کھانا ہم بنایا کریں گے مرچ مصالحہ آپ لایا کریں گے، ایک قہقہہ لگا اور پھر یہ معمول ہو گیا کہ وہ آتے تو اپنے لیے بیگ میں سرخ مرچیں ہمراہ لاتے۔ برصغیر کے ہمارے بھائی اتنی مرچیں کھاتے ہیں کہ بعض اوقات ان کے میٹھے میں بھی مرچیں ہوتی ہیں۔

مصر سے آنے والے ہم سب دوست اور اعظمی صاحب اکثر کسی نہ کسی کے گھر میں مل بیٹھتے، مختلف اُمور پر تفصیلی بحث ومباحثہ ہوتا۔ لندن سے پی ایچ ڈی کر کے آنے والے ڈاکٹر عزالدین ابراہیم ان مجالس کو راہ سلوک کی ابتدائی مجالس کہا کرتے، پھر عبدالحلیم ابوشقہ صاحب تالیف وتصنیف میں مصروف ہو گئے، اور جناب اعظمی صاحب سعودی جامعات میں تدریس کے لیے چلے گئے اور یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

قطر میں مرکز بحث برائے سنت وسیرت قائم کیا گیا، اور امیر قطر نے مجھے اس کی ذمہ داری دے دی، تو میں نے کئی اُمور میں ڈاکٹر اعظمی صاحب سے مشورہ کیا، ان کے تعاون سے دار الکتب اور دیگر لائبریریوں سے کئی اہم کتب اور ان کی کاپیاں حاصل کیں۔ اکتوبر ۱۹۷۵ء میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ندوۃ العلماء کی پچاسی سالہ تقریبات منعقد کیں تو اس موقع پر بھی ان سے مفصل ملاقاتیں رہیں۔

ہمارے بھائی ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب نے ایک بار ایک مقالہ لکھا، جس کا عنوان تھا ''کمپیوٹر دور حاضر کا حافظ'' ان کا کہنا تھا کہ اگر دور گذشتہ کے طلبہ اپنے اساتذہ اور مشائخ کو حافظ کا لقب دیا کرتے تھے، جیسے حافظ ابن حجر، حافظ سیوطی تو آج کے دور میں یہ لقب کمپیوٹر کو دیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے مقالے میں اس ٹکنالوجی اور سہولت کو علوم حدیث وفقہ کی خدمت کے لیے استعمال کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اعظمی صاحب اس میدان کے سرخیل تھے، ہم نے تقریباً ۳۰ رسال قبل قطر میں ایک کانفرنس منعقد کی تھی، جس کا عنوان تھا ''حدیث نبوی کا جامع انسائیکلوپیڈیا'' اس وقت اعظمی صاحب نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے سنت نبوی کی ۱۷ ر کتب جن میں تین لاکھ احادیث کا مجموعہ ہے، ایک مختصر ڈسک میں محفوظ کر لی ہیں اور وہ اس پر مزید کام کر رہے ہیں۔

اعظمی صاحب کا زیادہ تر علمی کام حدیث ہی پر تھا، اگر چہ قرآن کریم کے دفاع اور ترویج کے لیے بھی انہوں نے اہم خدمات انجام دیں، اس ضمن میں انگریزی زبان میں لکھے جانے والے ان کے مقالے کو بھی اہل زبان نے بھی بہت پسند کیا؛ لیکن جس دور میں انہوں نے حدیث نبویؐ کو کمپیوٹر میں محفوظ کرنے کا کام کیا، اس وقت ان کا کوئی اور ثانی نہ تھا، انہیں اضافی طور پر کئی بار ان کی خدمات سے استفادہ کا موقع ملا، میں نے ان سے امام احمدؒ کی بیان کردہ بعض احادیث پر بات کی، جو مطبوعہ مسند احمد میں شامل نہیں ہیں، حافظ المنذری نے الترغیب والترھیب میں ان کا حوالہ بھی دیا ہے، ان کے بارے میں ائمۂ حدیث کے اقوال بھی نقل کیے ہیں، انہوں نے جھٹ سے وہ احادیث کمپیوٹر پر موجود مسند سے نکال دیں، پھر ہم نے کئی بار تجربہ کیا اور ہر بار نتائج بالکل درست برآمد ہوئے۔ انہوں نے چار جلدوں میں سنن ابن ماجہ کی تخریج کی، اغلاط کی نشاندہی کی، اور بحث وتمحیص کے بعد علماء مفکرین کے سامنے اپنی رائے پیش کی۔ ان کی ایک اور عظیم خدمت یہ ہے کہ انہوں نے احادیث کا وہ مجموعہ دریافت کیا جو بعض علماء کے نزدیک کئی صدیوں سے مفقود ہو چکا تھا، یہ مجموعہ تھا صحیح ابن خزیمہ۔ اس کتاب کا شمار حدیث کی معروف اور صحیح کتب میں ہوتا ہے۔ کئی اہل اختصاص علماء کے نزدیک وہ صحیح ابن حبان سے زیادہ بہتر سند اور منہج کی حامل ہے۔ علامہ اعظمی صاحب صحیح ابن خزیمہ کا ایک حصہ دریافت کر گئے، اللہ کرے کوئی اور اللہ کا بندہ اس کا باقی حصہ بھی ڈھونڈ نکالے اور وہ مکمل صورت میں شائع کر دی جائے۔

کئی سال قبل وہ قطر کے دورے پر آئے، ملاقاتوں کی تجدید ہوئی؛ لیکن اب طویل عرصے سے ان کے ساتھ کوئی رابطہ یا ملاقات نہ ہوسکی۔ اچانک ان کی رحلت کی اطلاع ملی، تو ہم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ان کی تمام نیکیاں قبول فرمائے، ان کا بہترین صلہ عطا فرمائے، کوتاہیوں سے درگذر فرمائے، اُمید ہے کہ ان کے صاحبزادے بالخصوص عزیزم ڈاکٹر عقیل محمد الاعظمی اپنے والد کے علمی ذخیرے کی مکمل دیکھ بھال کریں گے، اور ان کے چھوڑے ہوئے علم سے سب کو مستفید کرنے کی عملی سبیل نکالیں گے، کیونکہ علم نافع ہی دنیا سے جانے والوں کے لیے سب سے عظیم ورثہ ہوسکتا ہے۔

(بشکریہ: روزنامہ منصف، حیدرآباد)

ایک محبّ کا سلام ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمیؒ کے نام

نتیجۂ فکر: مولانا احمداللہ قاسمی ندوی، مدیر مجلّہ

ایک فنکار کو بحر زخار کو
دُرّ شہوار کو شاہ آثار کو
السلام السلام السلام السلام

گذرے لمحات کو ساری خدمات کو
سب فتوحات کو تیری سوغات کو
السلام السلام السلام السلام

تیرے ماں باپ کو تیری ہر چاپ کو
معتدل ناپ کو مصطفیٰ ؒ آپ کو
السلام السلام السلام السلام

یہ ہیں مستشرقیں ان کا کذب مبیں
کر دیا بالیقیں پورا قطع وتیں
السلام السلام السلام السلام

ان کی تفسیق کو ان کی تحمیق کو
علم وتحقیق کو تیری تعلیق کو
السلام السلام السلام السلام

بحر موّاج کو تیری افواج کو
کل کو بھی آج کو فتح کی لاج کو

بن خزیمہ صحیح اے نبیل وفصیح
لائے کتنی صحیح مرحبا اے نجیح
السلام السلام السلام السلام

تیری تدوین کو تیری تبیین کو
تیری تحسین کو سب کی آمین کو
السلام السلام السلام السلام

ان کی تقریر کو ان کی تحریر کو
ان کی تفکیر کو ایک نِحریر کو
السلام السلام السلام السلام

کارِ نایاب کو آپ کی آب کو
حسن کی تاب کو عشق کے باب کو
السلام السلام السلام السلام

شانِ قرآن کو دین وایمان کو
ہر مسلمان کو آپ کی جان کو
السلام السلام السلام السلام

ساری اولاد کو جملہ احفاد کو
ان کے داماد کو خانہ آباد کو

بقیہ صفحہ (۲۵۹) پر

نظم

عالم اسلام کی مایۂ ناز شخصیت حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ کیاری ٹولہ، ضلع مئو، یوپی، ہندوستان

استاذ الشعراء بیتاب کریم آبادی

پاس میں جام فصاحت ہے نہ صہبائے بلاغ
میں ہوں ٹوٹی شاخ جیسا وہ ہیں لا محدود باغ
میں حقیر وناتواں ہوں اور وہ اعلیٰ دماغ
کچھ جو کہتا ہوں تو ہے سورج کو دکھلانا چراغ
پھر بھی مجھ پر کچھ بزرگوں کی عنایت ہوگئی فضل رب سے لب کشائی کی بھی جرأت ہوگئی
تھے بڑے ہی با شعور وبا خلوص وبا وفا
تھے بڑے خوش دل نہ ہوتے تھے کسی سے بھی خفا
معتدل سنجیدہ دل اور پیکر صدق وصفا
نامِ نامی جن کا ہے پیارا محمد مصطفیٰ
کتنے عالی مرتبت تھے اور جلیل القدر تھے عالم اسلام میں جو باعث سر فخر تھے
ابتدائی درس راج اسکول سے حاصل ہوئے
پھر مئو ہرکیش پورہ درس میں شامل ہوئے
چلتے چلتے آپ کے رخ یوں سوئے منزل ہوئے

تند لہروں میں ہم آغوش لب ساحل ہوئے
ہاتھ آیا آپ کے پھر دامن دار العلوم　　　یعنی راس آئی فضائے گلشن دارالعلوم
کی یہیں تعلیم حاصل ایک سے پنجم تلک
جلد ہی رخ سے عیاں ہونے لگی ایسی چمک
پھر ہوئی پیدا مراد آباد جانے کی للک،،،
آپ نے تعلیم حاصل کی وہاں کچھ روز تک
بعد میں دیوبند جاکر آپ نے تکمیل کی　　　بن گئے پہچان تھوڑے دن میں سنگ میل کی
ہو گئے کچھ دن کی خاطر جامعہ ازہر میں مقیم
بن کے نکلے ہیں محدث بھی مفسر بھی عظیم
جن پہ سایہ کر رہی تھی رحمت رب کریم
ایسے اسکالر کہ جن کے لب سے جھڑتی تھی شمیم
شرق سے تا غرب ہر سو جن کی شہرت عام ہے　　　جن کے دم سے آج اس شہر مئو کا نام ہے
پھر سعودی شہر مکہ میں پروفیسر رہے
عالم اسلام میں اک خاص اسکالر رہے
جو قطر، لندن میں بھی کچھ روز تک جا کر رہے
خدمت دین نبی کے واسطے بے گھر رہے
قوم کی اصلاح کرتے تھے دیار پاک میں　　　غرق رہتے تھے سدا عشق شہ لولاک میں
یہ محلّہ کیاری ٹولہ کے عظیم انسان تھے
اعظمی نسبت ہے لیکن یہ مئو کی جان تھے
مسئلے پیچیدہ بھی ان کے لیے آسان تھے
ان کے ہی چاروں طرف فیضان ہی فیضان تھے
ان کی تربت پر بہار جاں فزا برسائے پھول　　　یا الٰہی عرش سے ہو تیری رحمت کا نزول

❁ ❁ ❁

بیاد محدث جلیل ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ

وفاؔ نظامی، کوپا گنج

ہندوستاں کا نیر تاباں چلا گیا	علم حدیث پاک کا عنواں چلا گیا
ملت کا درد لے کے وہ درماں چلا گیا	نباض وقت عیسی دوراں چلا گیا
احساس کہہ رہا ہے کہ بازارِ مصر سے	دامانِ پاک یوسف کنعاں چلا گیا
یورپ کو دے رہا تھا دنداں شکن جواب	صد حیف آج نازشِ دوراں چلا گیا
کر دہ زفیض خویش معطر مشام جاں	شہر ختن سے مشک غزالاں چلا گیا
یا رب مقام جنت فردوس کر عطا	پی کر وہ جام بادۂ عرفاں چلاگیا
ہاتف زبان غیب سے دیتا ہے یہ صدا	سوئے جناں برحمت یزداں چلا گیا

......☆☆☆......

حدی خوانی کی وہ لے ہے نہ لیلیٰ ہے نہ محمل ہے	بتا اے کاروان دل کہاں اب تیری منزل ہے
نہ صہبا ہے نہ ساغر ہے نہ وہ ساقیٔ محفل ہے	میری بے تابیٔ دل کیا سراپا رقص بسمل ہے

......☆☆☆......

نہ بعد از مصطفےٰ مصری نہ بعد از اعظمی کوئی	نظر آتا نہیں عالم میں تیرا پھر کوئی ثانی
''کنوں در جامعیت مثل او دیگر نمی دیدم''	اگر دیدم بایں شہر مئو با مصطفےٰ مصری

......☆☆☆......

اہل مئو کی آنکھ کا تارا کہیں جسے	علم حدیث پاک کا دریا کہیں جسے
جس نامِ مصطفےٰ پر ملت کو ناز تھا	''ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے''

مولانا مصطفیٰ مصری رحمہ اللہ کی رحلت پر

کوثر معروفی

سچ اور جھوٹ بہم دیکھنے میں آتے ہیں
خدا کے گھر میں صنم دیکھنے میں آتے ہیں

کہاں پہونچ گئے بے رہ روی سے ہم اپنے
یہ کس مقام پہ ہم دیکھنے میں آتے ہیں

علاحدہ جو سفید وسیاہ کو کر دے
قلم میں کس کے یہ دم دیکھنے میں آتے ہیں

نظر اٹھاتا ہوں اپنی جو سارے عالم میں
یہی خدا کی قسم دیکھنے میں آتے ہیں

عرب بھی رشک کی نظروں سے دیکھتے ہیں جنہیں
بہت کم ایسے عجم دیکھنے میں آتے ہیں

جناب حضرت مولانا مصطفیٰ جیسے
کہاں اب اہل قلم دیکھنے میں آتے ہیں

سنا ہے ان دنوں بیمار رہتے ہیں کوثر
یہی سبب ہے جو کم دیکھنے میں آتے ہیں

❁ ❁ ❁

بقیہ صفحہ (۲۵۵) کا:

السلام السلام السلام السلام
ان کا فکر غلط — سارا شور ولغط
اک مقالہ فقط — لگ گئی مہر قط
السلام السلام السلام السلام
شہر اغیار میں — ان کے دربار میں
حب سرکارؐ میں — کر دیا غار میں
السلام السلام السلام السلام

السلام السلام السلام السلام
شہر پر نور کو — جلوۂ طور کو
بیت معمور کو — روح مغفور کو
السلام السلام السلام السلام
جسم اطہر جہاں — پھول برسے وہاں
ایسی ہستی کہاں — ہو گئی جو نہاں
السلام السلام السلام السلام

احمدؔ بے نوا — خوش بہت ہی ہوا
کر کے تیری ثنا — آج اے مصطفیٰ
کیا مبارک ہے تیرا یہ نام
السلام السلام السلام السلام

❁ ❁ ❁
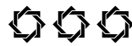
عاشقِ مصطفیٰ ﷺ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی، نور اللہ مرقدہٗ

مولانا انصار احمد معروفی، استاذ مدرسہ چشمۂ فیض، ادری، مئو

راسخینِ علم اب دنیا سے اٹھتے جاتے ہیں
آسمانِ علم کے اب تارے بجھتے جاتے ہیں
جانے والوں کے خلا کا بھرنا مشکل ہوگیا
کر گئے وہ کام جو ، اب کرنا مشکل ہوگیا
علم اٹھ جانے کے بارے میں حدیثیں آئی ہیں
''علم اٹھ جائے گا کیسے''؟ اس کی شکلیں آئی ہیں
راسخینِ علم کا اٹھنا بڑا ہے سانحہ
گویا جگہوں کا نہ بھرنا ، اور خلا ہے سانحہ
اے وہ جانے والے! جو آئے تھے جانے کے لیے
زندگی کھوئی تھی جس نے ، عمر پانے کے لیے
زندگی گزری ہے جس کی خدمتِ اسلام میں
سنتِ نبوی میں اور قرآن ہی کے کام میں
زندگی کا لمحہ لمحہ ، جس کا کار آمد ہوا
فانی ہونے والی اس دنیا میں وہ سرمد ہوا
زندگی تھی وقف ، سنت کی حفاظت کے لیے
کیا شباب اور کیا بڑھاپا ، سب ریاضت کے لیے

خدمتِ قرآن ان کی ہم بھلا سکتے نہیں
آخری تصنیف کی عظمت بتا سکتے نہیں
قرنِ اول سے ابھی تک جس میں تبدیلی نہیں
نصِ قرآنی میں کچھ تحریف ہوسکتی نہیں
جتنے مخطوطاتِ قرآنی پرانے تھے اسے
مصحفِ موجود سے اس کو ملاتے وہ رہے
فرق ان نسخوں میں یک مو کے برابر بالیقیں
آج تک قرآن میں اب تک کوئی آیا نہیں
کردی ثابت آپ نے حقانیت قرآن کی
رب کا جو وعدہ حفاظت کا ہے ، ہے وہ آج بھی
آج تک ادنیٰ سی تبدیلی نہ اس میں آسکی
کوئی غلطی بھی نہ دشمن کی جماعت پاسکی
دین کے ہیں دو ہی ماخذ یعنی قرآن و حدیث
زندگی اس واسطے ان کی تھی قرآن و حدیث
جو حدیثوں سے شغف رکھے ، تر و تازہ ہے وہ
اور رسول اللہؐ کی دل سے دعا پاتا ہے وہ
حوضِ کوثر پر کریں گے اس کا استقبال آپ
خواب میں بھی پوچھ لیں گے گاہے گاہے حال آپ
مشغلہ کوئی بھی اس سے اعلیٰ ہوسکتا نہیں
یہ شرف لیکن بزورِ بازو تو ملتا نہیں
جس کو بھی توفیق دیں اللہ ، وہ ہے خوش نصیب
وہ خدا سے اور نبی سے اور صحابہ سے قریب
ابتدا میں گرچہ الفت نام سے ظاہر ہوئی

دل میں جو حبِ نبی تھی کام سے ظاہر ہوئی
ہیں شرارے بولہب کے اور چراغِ مصطفیٰ ﷺ
پھونک سے کیوں کر بجھے؟ یہ ہے چراغِ مجتبیٰ
جب بھی کچھ مستشرقوں نے چھیڑا کوئی اعتراض
آپ کے دل پر ہوا محسوس اثرِ انقباض
آپ عربی اور انگلش میں تھے ماہر اس قدر
رشک تھا اہلِ زباں کو آپ کے وجدان پر
آپ نے ان اعتراضوں کو پڑھا پھر غور سے
پھر اسی موضوع پر ریسرچ بھی کرنے لگے
آپ نے تدوین سنت کی لکھی تاریخ بھی
ڈاکٹر کی ڈگری پھر مُشرف نے بھی تفویض کی
جتنے بھی مستشرقوں کے تھے حدیثوں پر شکوک
کرکے رد ، ظاہر کیے ان کے بہیمانہ سلوک
کیمبرج کے جامعہ میں رہ کے یہ سب کچھ کیا
آپ نے دنداں شکن مثبت جواب ان کو دیا
آپ نے انگلش میں اس موضوع کی تکمیل کی
ان کی ناکوں میں نکیل ان کے ہی گھر میں ڈال دی
آپ نے سنجیدگی سے سب دیے ان کے جواب
جس سے سب مستشرقوں کے دل ہوئے جل کر کباب
کہہ رہے تھے ، کر رہا ہے ہم سے آنکھیں کون چار؟
کون ہے کس کی زباں میں اس قدر ہے تیز دھار؟
کون ہے جو ہم زبانی میں ہوا ہے ہمکلام؟
آپ بولے مصطفیٰ کا ہوں میں اک ادنیٰ غلام

کون ہے یہ کوہ کن تیشہ چلاتا ہے یہاں؟
کس کی ایسی توپ ہے کہ گولا آتا ہے یہاں؟
بولے میں ادنیٰ سپاہی ہوں رسول اللہؐ کا
میں ہوں ناموسِ رسالت کا محافظ باخدا
تھوکنے والے اے سورج پر ، بچاؤ اپنا منہ!
پاچکے ہو تم جواب اپنا ، دکھاؤ اپنا منہ!
معترض بولے ، جواب اپنا اگرچہ پاگئے
لیکن ہم کو صرف زک دینی تھی ، وہ ہم کرچکے
اعتراض اپنے ، مگر ہم پھر وہی دہرائیں گے
جھوٹ کو سو بار کہہ کر سچ اسے منوائیں گے
شیخ بولے ، سچ تو سچ ہے ہوگا جگ ظاہر کبھی
حق تو حق ہے ، باطل اس کے آگے مٹ جائے گا ہی
بولے وہ ، تب تک تو کتنے بے نشاں ہوجائیں گے
روشنی کے آتے آتے قبر میں سوجائیں گے
شیخ بولے ، آندھیوں میں ہم جلائیں گے چراغ
بولے وہ ، چاہے جلاؤ ہم بجھادیں گے چراغ
شیخ بولے ، ہم تو اپنا کام کرتے جائیں گے
''حسبنا اللہ'' ہم تو اپنے دیں پہ مرتے جائیں گے
موت پر ان کی ، ہے کون آنکھ ایسی جو پُرنم نہیں
وہ مگر ایسے ولی تھے جن کو خوف اور غم نہیں
اب بھی ان کی موت کا ہلکا ہوا کچھ غم نہیں
مرضیِ مولیٰ میں دم ماریں ، یہ ہم میں دم نہیں

❁ ❁ ❁

مادہائے تاریخ وفات زاہد حبیبِ مصطفیٰ (ڈاکٹر مولانا محمد مصطفیٰ الاعظمیؒ)

۲۰۱۷ء

ڈاکٹر اشتیاق احمد الاعظمی

بسم اللّٰــه السـميـع الـمـقسـط الـواجـد الـوكيـل الـرحـمـن الـرحيـم

١٤٣٩هـ

نـحـمـد الـخـالـق الهـادي الـمبـدي الـبـديـع ونـصـلي عـلـى رسـولـه الكـريـم

٢٠١٧م

جاودانی محمد مصطفیٰ الاعظمی
۱۴۳۹ھ

جدائی ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی
۲۰۱۷ء

دلائل محمد مصطفیٰ الاعظمی
۱۴۳۹ھ

سراج ہدایت محمد مصطفیٰ الاعظمی
۲۰۱۷ء

مدد خدا محمد مصطفیٰ الاعظمی
۲۰۱۷ء

شاہد فرزانہ محمد مصطفیٰ الاعظمی
۲۰۱۷ء

دامن شہرت گوہر آبدار
۱۴۳۹ھ

زکی، صاحب مہر ومروت سزاوار بہشت
۲۰۱۷ء

فکر علم رفیع الدرجات
۱۴۳۹ھ

ثمر کرم مقبول دوراں
۱۴۳۹ھ

...... مُستخرِج ......

حبیب خدا اشتیاق
۱۴۳۹ھ

دیدۂ نمناک اشتیاق اعظمی
۲۰۱۷ء

گنج عطا اشتیاق الاعظمی
۲۰۱۷ء

❖❖❖